اپریل سنہ ۱۹۰۶ء

ایڈیٹر شیخ عبد القادر بی۔اے



مخزن

اردو علم ادب کی دلچسپیوں کا ایک ماہوار مجموعہ

تصویر شمس العلما مولوی سید علی بلگرامی صاحب ایم۔اے

یتیموں کی فریاد۔ حضرت آغا شاعر صاحب قزلباش دہلوی ۵۳

کان کنی کے شہید۔ شیخ عبد القادر ۱

جاپان اور اسکی حیرت انگیز ترقی میرزا اعجاز حسین بی۔اے

کلیجے کا داغ۔ سرور جہان آبادی ۵۶

شاخ بریدہ۔ مرزا مبارک بیگ مبارک جالندہری ۵۸

مکتوبات آزاد ... ۲۱

نورتن۔ منشی ونایک پرشاد طالب بنارسی ۶۲

فریب دولت۔ شیخ محمد اکرام ۳۰

غزل اقبال ... ۶۴

نوکروڑ ہندوستانی اردو بولتے ہیں۔ اور اسی قدر اور ہندوستانی اردو سمجھتے ہیں

○ ان شہروں میں اردو مادری زبان ہے ▭ ان شہروں میں اردو مروج ہے ⊕ ان شہروں میں اردو سمجھی جاتی ہے

باہتمام شیخ محمد اکرام مخزن پریس لاہور میں چھپکر شایع ہوا



مخزن

کان کنی کے شہید

کان کنی ماہِ مارچ سنہ ۱۹۰۶ء کی دسویں۔ کان کنی کی تاریخ میں۔ مدتوں یادگار رہیگی۔ شمالی فرانس میں کوئلے کی کانیں ہیں۔ جن پر ہزارہا لوگوں کی معاش کا مدار ہے۔ ہفتے کے دن دسویں تاریخ کو مقام کوریریں اِن کانوں کے مزدور حسبِ معمول گھروں سے نکلے۔ ہنستے ہنستے بیوی بچوں سے جُدا ہُوئے کہ شام کو پھر ملینگے۔ مگر تقدیر ہنسی کہ تم میں سے ہینکڑوں کے لئے یہ ملاقات آخری ملاقات ہے۔ تمہارا کام ویسے بھی محنت کی سخت ترین صُورت ہے۔ لیکن آج تمہاری کان کنی ہیچ مچ کی جان کنی ہوگی۔ کان کی تنگ و تاریک غاریں تمہاری قبر بنیں گی۔ اور آگ اور دھُواں اور نیم سوختہ کوئلے کی زہریلی ہَوا اُس قبر کا عذاب ہوگا۔

آفتِ ناگہانی اِن مزدوروں کی تعداد اٹھارہ سو تھی۔ اور زن و مرد بچے سب قسم کے مزدُور تھے۔ انہیں کانوں میں اُترے دیر نہیں ہوئی تھی۔ کہ صبح کے ساڑھے چھ بجے کے قریب اچانک ایک پرزور دھماکا ہوا۔ جیسے بارود سے بھری ہُوئی کان زور سے پھٹ پڑے۔ اِس مہیب آواز سے جو لوگ باہر شہر میں تھے اُن کے

دال ہی گئے - اندر والوں کا حال ناگفتہ بہ ہے معلوم نہیں - دھماکا کیسے ہوا - اور کان کیسے پھٹی کوئی کچھ وجہ بتاتا ہے کوئی کچھ - یقینی ہے تو اس قدر کہ کان نمبر ۲ - ۳ و ۴ دفعتہً آگ کا بھبوکا بن گئیں - اور اس دوزخ کے شعلے اس قدر بلند ہوئے - کہ کچھ عرصے تک بد قسمت مزدوروں تک کسی مدد کا پہنچنا ناممکن ہو گیا - جن آنکھوں نے انہیں اندر جاتے دیکھا تھا انکی نگاہ میں دنیا اندھیر ہو گئی - ہر شعلے پر گمان ہوتا تھا کہ کسی جوان ہمت مرد یا خوبصورت عورت کی جان جاٹ کر نکل رہا ہے - اور اس طرح شمع محنت کے سینکڑوں پروانے اپنے معشوق پر جانیں فدا کر رہے ہیں ؎

پھر نہ دیکھا کچھ بجز یک شعلۂ پُر پیچ و تاب
شمع تک تو ہم نے بھی دیکھا کہ پروانہ گیا

رونے والے | کان کنی کے ان شہیدوں میں ایک ایک موجودہ زمانے کا فرہاد ہے - فرق صرف اتنا ہے کہ فرہاد کی کوہکنی دنیا میں افسانہ بن گئی ہے - اور ایشیا کی نظم و نثر اس کے تذکرہ سے پُر ہے اور ان غریبوں کے گنج شہیداں پر شاید سب کے نام بھی صحیح طور پر معلوم کر کے لکھنے مشکل ہوں - مگر اس بےکسی پر بھی ان کے حال پہ رونیوالوں کی کمی نہیں رہی - یوں تو مصیبت ایسی تھی کہ دور دور سے لوگوں نے اظہار غم کیا - مگر جو ہجوم ماتم اس قبر آتشیں کے باہر اُس شنبہ کے دن ہوا - وہ بھی اپنی مثال آپ ہی تھا - جوں جوں اس واقعہ جانکاہ کی خبر شہر میں پھیلی - عورتیں اور بچے جوق جوق گلیوں سے نکلنے شروع ہوئے - ہر ایک تصویر حیرانی تھا اور نشان غم ہر چہرے پر مسلط تھے - ۳ بجے بعد دوپہر کے قریب ایک انبوہ تخمیناً ہزار آدمیوں کا مرنے والوں کا ماتم کرنے کے لئے جمع ہو گیا - کوئی اکا دکا خوش قسمت جو اس طوفان بلا سے سالم بچ نکلا اور کوئی لاش جو کسی کی ہمت سے باہر آ گئی سب اسکی طرف دوڑتے تھے - اور اُس گھڑی کی نفسا نفسی

عرصۂ محشر کا نمونہ تھی۔

دو ثلث جل دیئے ۶ بجے کے قریب اتنا معلوم ہو گیا کہ دو ثلث کے قریب یعنی گیارہ بارہ سو آدمیوں سے ہاتھ دھو بیٹھنا چاہیئے۔ جو بچ رہے اُن میں بھی کوئی دو سو آدمی کی طرف سے اطمینان ہے۔ کیونکہ ۱۳۵ اتفاق سے آگ لگنے سے پیشتر باہر آ چکے تھے اور چالیس دو زینوں کے قریب تھے او جھٹ نکل آئے۔ باقی آدمیوں کے نکالنے کے لیئے بڑے بڑے انجنیروں نے کمرِ ہمت باندھی۔ اور جوانوں کی ایک ایک جماعت لیکر کانوں کی طرف بڑھے۔ کان کے اندر ہوا پہنچانے کی کھڑکیاں کھول دی گئیں اور کل کے زور سے ہوا پہنچانے کی پوری کوشش کی گئی۔ مگر اندر کی غلیظ ہوا اور دھوئیں کی کثافت ایسی نہ تھی کہ اتنی ہوا سے مغلوب ہو جاتی۔ بچانے والی جماعت کو بار بار پس پا ہونا پڑتا تھا۔ کیونکہ ذرا سی دور جا کر دم گھٹنے لگتا تھا۔ آخر کچھ لاشیں اور کچھ نیم مردہ مزدور نکالے گئے۔ جو سسکتے نکلے اُنکے جینے کی آس نہ تھی کیونکہ جل کر کولا ہو گئے تھے۔ اور کپڑا تو کسی کے جسم پر باقی نہ تھا۔

ماتمی شہر شام تک سارا شہر ماتم میں تھا۔ کوئی گھر ایسا نہ تھا جسے ذاتی صدمہ نہ پہنچا ہو کیونکہ یہ بستی کان کنوں کی تھی۔ ہر دروازہ پر سیاہ ماتمی کپڑا نمودار تھا۔ اہلِ شہر ماتم میں سیہ پوش تھے۔ دوکانیں سیہ پوش تھیں۔ رہی سہی کمی آسمان نے پوری کر دی۔ کالی گھٹا آ کر شریکِ ماتم ہوئی۔ اور ۱۱ - ۱۲ مارچ ترشح ابر اور سردی کی بدولت اَور بھی مصیبت کے دن ہوگئے۔ بچانے کی کوشش کرنے والے برابر جان جوکھوں میں ڈال کر اس حالت میں بھی مصروفِ کار رہے۔ مگر کچھ بہت کامیابی نہ ہوئی۔ کوئی ایک سو سے زیادہ لاشیں ہاتھ نہ لگیں۔ برف کو بھی شاید انہیں دنوں کا انتظار تھا۔ اس نے بھی زمین پر اپنی سفید چادر پھیلا دی۔ گویا قدرت نے ان بیکسوں کے لئے کفن بھیجا۔

گورِ غریباں ۱۲ - مارچ کو دفن کا اہتمام شروع ہوا - دو تین جگہ گڑھے کھودے گئے - جن میں بہت سی لاشیں یکجا دفن ہوئیں - کیونکہ کئی لاشیں تو بالکل پہچانی ہی نہیں جا سکیں اور جو پہچانی بھی گئیں - اُن کو علیحدہ علیحدہ کفن دفن ایسی حالت میں کون کرتا - ایک عینی شاہد جو ان دردناک موقعوں میں سے ایک پر موجود تھا - چشم دید حالات یوں بیان کرتا ہے "میری کورٹ والے چھپر کے تلے بائیس لاشیں اپنے اپنے صندوقوں میں رکھی ہوئی تھیں - سرکار جمہوری کی طرف سے وزیر صیغۂ داخلیہ با چشم پُرنم کھڑا تھا - گرجے کی طرف سے ایک آرچ بشپ - پریذیڈنٹ اور وزرائے دولت کی طرف سے پھول اس وقت کے لئے آئے رکھے تھے - ماتمیوں کی تعداد کوئی پانچ ہزار ہوگی خستہ حال عورتیں صندوقوں کے گرد پھر رہی تھیں - زار زار روتی اور عالمِ یاس میں ہاتھوں کو ملتی تھیں - اتنے میں کان کن جنازوں کی طرف بڑھے - انہیں آہستگی سے اُٹھایا اور مدفن کی طرف لے چلے جو کوئی دو سو گز کے فاصلے پر تھا جب یہ دردانگیز قطار جنازوں کی روانہ ہوئی تو برف پڑ رہی تھی - ۲۲ جنازے ایک دوسرے کے پیچھے پیچھے آرہے تھے - چھ کان کن ہر جنازے کو اُٹھائے ہوئے تھے - اور کان کنوں کے چھوٹے چھوٹے چراغ اُن کے سروں پر ٹوپیوں سے لٹکائے ہوئے دھرے تھے - پولیس اور فوج کا ایک معقول دستہ دو رویہ کھڑا تھا - کیونکہ ہر لحظہ یہ ڈر تھا کہ کہیں پریشان حال کان کن نقضِ امن پر آمادہ نہ ہو جائیں - پادری نے جنازہ کی دُعا پڑھی - اِسکے بعد سوشلسٹ جماعت کے ایک قائم مقام نے بھڑکانے والی تقریر کی - جس کا خاتمہ ان الفاظ پر ہوا - "سرمایہ والوں کو سزا ملنی چاہئے - وہ ہمارے قاتل ہیں" - جب صندوق گڑھے میں اُتارے گئے - اُس وقت عورتوں کی حالت دیکھی نہیں جا سکتی تھی" - یہی کیفیت دُوسرے قبرستانوں میں گذری جہاں باقی جنازے ہوئے -

ملک کی ہمدردی مرنے والے مر گئے اور رونے والوں کے لئے عمر بھر کا رونا چھوڑ گئے - گر

اس داستانِ غم کی خوفناک تاریکی میں اہلِ ملک کی سچی اور بے ساختہ ہمدردی اور مالی امداد ایک شعاعِ نور ہے۔ جس سے ملک کی بیدار زندگی پر روشنی پڑتی ہے۔ زندہ قوموں کے یہ اطوار ہوتے ہیں۔ کوریر کا سوگ خوشباش دارالخلافہ تک محسوس ہوا۔ شہر پاری کا چہل پہل مبدّل بہ غم ہوا۔ جمہوری حکومت کے اراکین فوراً جمع ہوئے اور انہوں نے ضابطہ وغیرہ کو بالائے طاق رکھ کر بیس ہزار پونڈ یعنے تین لاکھ روپیہ فوری امداد کے لئے بے تامل منظور کیا۔ نجی طور پر جابجا چندے کی فہرستیں کھل گئیں۔ بنک فرانس نے تیس ہزار روپیہ چندہ اپنا لکھ کر اپنے ہاں فہرست کھولی۔ راتشچائیلڈ والوں نے ساٹھ ہزار روپیہ نقد فوراً روانہ کر دیا۔ کہ زیادہ حاجتمند قبائل کو اسیوقت تھوڑا تھوڑا سہارا مل جائے۔ سب بڑے بڑے اخباروں نے اپنے اپنے دفتر میں چندہ جاری کر دیا۔ ۱۴۔ مارچ تک اس عام چندہ کی تعداد چار لاکھ روپیہ سے اوپر پہنچ چکی تھی اور ابھی زور سے جاری تھا۔ جمہور کے پریذیڈنٹ کے نام ہر ملک سے ہمدردی کے تار پہنچے۔ اور نہ صرف زبانی ہمدردی کے بلکہ انگلستان وغیرہ ہمسائہ ملکوں میں بھی چندہ شروع ہو گیا۔ مگر سب سے بڑھ کر قابلِ ذکر ہمدردی فرانس کے ہمسایۂ جرمنی کی طرف سے ہوئی۔ جہاں سے ایک جماعت انجنیروں اور کان کنوں کی امداد کے لئے پہنچی۔ جس نے اپنی جانوں کو خطرے میں ڈال کر بہت سی لاشیں اُو نکال دیں۔ مُصیبت کا وقت بھی عجب وقت ہی۔ اُس وقت ہر شائستہ قوم اور ہر مہذب شخص کا فرض ہی کہ دشمنی اور مخالفت کو نظرانداز کرکے اِنسانیت کا حق ادا کرے۔ اور جرمن جو فرانسیسیوں کے بڑے دشمن سمجھے جاتے ہیں اور جو اس وقت بھی مراکش میں اُن سے جھگڑ رہے ہیں۔ اس موقع پر پورے انسان ثابت ہوئے اور انکی اس عملی ہمدردی کی ہر طرف سے داد مل رہی ہے۔

خوشحالوں کی غفلت — خوشحال لوگ جو جاڑے میں اپنی انگیٹھی کے گرد بیٹھے کوئلے کی آگ تاپتے ہیں اور کہتے ہیں کیسی طرب انگیز آگ ہے۔ کیا جانیں کہ کوئلہ کس محنت سے زمین سے کھود کر نکالا گیا ہے۔ اور کتنے غریب محنتی لوگوں نے اپنا لہو پانی کیا ہے۔ اس لئے کہ ان تن آسانوں کو آرام ملے۔ اُمرا جو ریل کے درجۂ اوّل کے گدیلوں پر آسایش سے لیٹے ہوئے سفر کرتے ہیں۔ کب سوچتے ہیں کہ ریل جو انہیں ساٹھ میل فی گھنٹے کی رفتار سے اُڑائے لئے جاتی ہے۔ کوئلے کے بل پر چل رہی ہے اور اگر انجن کے دوزخ کو کوئلے کا ایندھن نہ ملے۔ تو وہیں کھڑی ہو جائے۔ انہیں کیا خبر وہ مفلس جو محض نانِ شبینہ کے لئے جان پر کھیل کر انکی اس ضرورت کو پورا کرتے ہیں۔ کس حال میں ہیں۔ کل کا بنا ہوا خوشنما کپڑا پہنتے وقت کون سوچتا ہے کہ کوئلے کے بغیر دُخانی کلیں کیسے چلتیں اور ہم کپڑے کے میسّر آنے کے لئے کس کے مرہونِ منّت ہیں۔ اسی لئے تو اپنی مصیبت سے گھبرا کر بیچارے مظلوم کان کن سرمایہ داروں کے خلاف خیالات ظاہر کرنے لگے۔ اگر سرمایہ داروں کو ان غریبوں کی جانفشانی کی قدر ہو تو وہ ان کے ساتھ اب سے زیادہ مہربانی کا سلوک کریں۔ مزدوری اب سے بہتر دیں۔ انکی حفاظت کی کوشش زیادہ کریں۔ اور جو جو احتیاطیں ایسے حوادث کے روکنے کے لئے ممکن ہوں سب عمل میں لائیں چاہے انکے عمل میں لانے کے لئے صرفِ کثیر درکار ہو۔ کیونکہ لاکھوں روپیہ کا منافع جو سرمایہ دار لیتے ہیں۔ اس میں بہت کچھ ان محنتی جان نثار مزدوروں کا حق ہے اور لازم ہے کہ حق دار کو حق پہنچاتے رہیں۔ ہندوستان میں بھی اب کوئلے کی کان کنی شروع ہے۔ فرانس کے کان کنوں کی اس مصیبتِ عظمیٰ سے سب جگہ کانوں کے مالک سبق لے رہے ہیں۔ ہندوستان کے مالکانِ معادن کو بھی غافل نہ رہنا چاہئے۔ چراغ جو کان کے اندر جائیں سب ڈھنپے ہوئے ہونے چاہئیں۔ نکلنے کے رستے اور ہوا کے ذریعے

اب سے زیادہ بنانے کی کوشش کرنی چاہیئے۔ انگریزی پارلیمنٹ کی نئی لیبر پارٹی یعنی مزدوری پیشہ جماعت کے قائم مقام فریق کے لیڈر مسٹر کیر ہارڈی نے اس موقع پر اپنے پیام ہمدردی میں کیا خوب لکھا ہے:۔ "میں ذاتی طور پر واقف ہوں کہ کان کے ایسے حادثے کی کیا مصائب ہوتی ہیں۔ اس لئے میرا دل بے اختیار آپ کے غم میں شریک ہوتا ہے۔ ہم سب مزدوری پیشہ انگریز آپ سے دلی ہمدردی رکھتے ہیں۔ اور دعا کرتے ہیں کہ خدا وہ دن جلد لائے جب سائنس کی ترقی اور مالکان معادن کی ہمدردانہ نیت، دونوں مل کر ایسے حوادث کا خاتمہ کر دیں (کیونکہ میرا عقیدہ ہے کہ مناسب روک تھام سے یہ رک سکتے ہیں) اور ایسے افسوسناک واقعات قصے کے طور پر ایک مرثیانہ زمانے کی یادگار سمجھے جانے لگیں"۔

قدرت سے لڑائی گویہ واقعہ اس قسم کا ہے کہ ایسے سن کر رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں پس جن کو اس سے صدمہ پہنچا ہے اُن کا کیا حال۔ تاہم انسان کی مجبوریاں ایسی ہیں۔ کہ تلاش رزق اُس سے بُری طرح کنوئیں جھکواتی ہے۔ اس لئے اِدھر تو بیچارے کان کن جو اس وقت جوش میں کام چھوڑ بیٹھنے پر آمادہ ہیں۔ آخر کہے سُنے سے۔ یا زیادہ اُجرت کے لالچ سے پھر ان تاریک گڑھوں میں اُتریںگے۔ اُدھر دولت مند سرمایہ دار قدرت کے ساتھ جنگ جاری رکھنے پر تُلے بیٹھے ہیں اور یہ ناکامی انکو اسی بات پر آمادہ کرتی کہ جس طرح بھی ممکن ہو۔ قدرت کے خزانوں پر ہاتھ صاف کرتے رہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ حرص انسان کی فطرت میں ہے اور اس کا نچلا بیٹھنا ممکن نہیں۔ شروع سے اسکی رفتار شوقِ ارتقا کی شہادت دے رہی ہے۔ پہلے یہ قدرت کا دست نگر تھا۔ درختوں کے پھل اس کی خوراک تھی۔ درختوں کے پتے اس کا لباس۔ قدرتی غاریں اس کا مسکن تھیں اور گوشۂ دشت اس کا مدفن۔ قناعت کا خوگر تھا۔ جو مانگتا تھا۔ قدرت اُسے بخش کر دیتی تھی۔ گرمی

سے گھبراتا تھا تو ٹھنڈی ہوا کے جھونکے اس کی تسلی کے لئے بھیجے جاتے تھے اور سردی سے ٹھٹھرنے لگتا تھا تو دھوپ اسے گرمی پہنچاتی تھی۔ ذرا ہوش سنبھالا تو ہاتھ پانو مارنے شروع کئے۔ زمین سے کہا کہ "بیکار پڑی رہتی ہو۔ ہمارے کام آؤ۔ ہم بیج بوئیں تم اُنکی حفاظت کرو"۔ قدرت نے دیکھا کہ لڑکا ہونہار ہے۔ اُس کا حوصلہ بڑھانے کے لئے مینہہ کو حکم دیا۔ کہ اس کے کھیتوں کو پانی دے۔ سُورج کی خدمت مقرر کی کہ انہیں پکائے۔ انسان نے ہنسی خوشی فصل سمیٹا تو اپنی کاریگری پر نازاں ہونے لگا۔ کچھ دن بعد اور پر پُرزے نکالے۔ کسی بہتی ندی کی آزادی میں خلل ڈالا۔ اسکا راستہ کاٹ کر اس کا رُخ بدل دیا۔ لگی بیچاری کھیت کی آبیاری کرنے۔ لڑکا اور پھولا۔ کہ اب تو قدرت وقفِ خدمت ہو چلی۔ خیال آیا کہ نہر کا پانی زور سے بہ رہا ہے۔ اس زور سے کچھ کام کیوں نہ لیا جائے۔ ایک پن چکّی لگا دی۔ پانی لگا چکّی پیسنے۔ بھلا اب اس نازپروردہ لڑکے کا دماغ کیوں ٹھکانے رہتا۔ اپنے آپ کو قدرت کا حکمران سمجھنے لگا اور نت نئی تجویز قدرت کی قوتوں کو زیر کرنے کی نکالنے لگا۔ قدرت بھی بردباری سے سب گستاخیاں دیکھتی گئی اور درگذر کرتی گئی۔ یہاں تک کہ حضرتِ انسان نے قدرت کی سب سے پیاری پری برق کو شیشے میں اُتار لیا۔ پیام بری کا کام تو اُس سے لیتا ہی تھا۔ اب بے درد یہاں تک گھمنڈ میں آیا ہے کہ اُس کے دستِ نازک سے گاڑیاں کھینچواتا ہے۔ اور قدرت کو کھلم کھلا پیامِ جنگ دے دیا ہے۔ مگر آفرین ہے قدرت کے حلم و وقار پر۔ کہ اب بھی انسان کی گستاخیاں دیکھتی اور چشم پوشی کرتی ہے۔ ہاں کبھی کبھی جب اس کا ہاتھ بہت بڑھ بڑھ کر چلنے لگتا ہے تو تادیب کے طور پر چشم نمائی کر دیتی ہے۔ اور کوئی آفت اپنی بھیجتی ہے جس کے آگے انسان کو عجز کا اعتراف کرنا پڑتا ہے۔ اِنسان قدرت کے دفینے کھودتا اور اُن سے مالا مال ہوتا ہے اور قدرت

چُھپ رہتی ہے۔ مگر آخر پردہ دری کی بھی ایک حد ہوتی ہے۔ اور اس حد سے گذر کر تو قدرت اپنی قوت دکھاتی ہے۔ اور سینکڑوں ہزاروں گھر اُجڑ جاتے ہیں۔ مگر یہ انسان دُھن کا پکا۔ ہمت نہیں ہارتا۔ برابر یہی کہے جاتا ہے کہ بڑھے چلو۔ چنانچہ فرانس میں اس شکستِ فاش کے بعد جو وہاں کوئلے کی کانوں میں قدرت کے ہاتھوں انسان کو ملی ہے۔ آخر یہی فیصلہ ہوا ہے کہ جنگ ٹھنی رہے۔ مجروحین و مقتولین کے ساتھ اظہارِ ہمدردی کیا جائے۔ بیواؤں اور یتیموں کو مدد دی جائے اور سپاہی اس زیر زمینی جنگ کے لئے تیار ہوں۔ اس فیصلہ کو چاہے دلیر کہو چاہے گستاخ مگر بنی نوعِ انسان کی خدمت کے لئے خالی از فائدہ نہیں اور اس لئے اس عزم اور ہمت کی داد دینی پڑتی ہے۔ بوجھ اپنی طاقت سے بڑھ کر اٹھانا تو حضرتِ آدم کا پرانا شیوہ ہے۔ مگر انصاف یہ ہے کہ باوجود اپنی ضعفی کے اہم ذمہ داریوں کو مردانہ نباہنا بھی حضرت ہی کا کام ہے

شیوۂ خاص ہے یہ عام نہیں
جو نکمے ہیں اُن کا کام نہیں

عبد القادر

جنابِ شمس العلما مولوی سید علی بلگرامی ایم - اے کی خداداد ذہانت اور قابلیت کی شہرت اکی تصویر زیب ورقِ اول دیکھ کر یقیناً خوش ہونگے۔ گو اُن کے نام سے ملک کا ذرہ آشنا ہے لیکن انکی تصویر سوائے اُن لوگوں کے جو مدّت سے دیکھ چکے ہیں اکثر قدردانوں تک نہیں پہنچی۔ اور اسی لئے ہمیں مسرت خاص ہے کہ آج یہ تصویر سید صاحب موصوف کی اجازت سے ہدیۂ ناظرین مخزن کیجاتی ہے۔

جاپان اور اُس کی حیرت انگیز ترقّی

جاپان جس کا نام آج بچہ بچہ کی زبان پر جاری ہے۔ یہ جاپان جس کی فتح کے کارناموں کا ڈنکہ آج چار دانگ عالم میں بج رہا ہے۔ یہ جاپان جس کی تعریف کرتے کرتے آج اہل الرائے کے مُنہ خشک ہوتے ہیں۔ کوئی پچاس سال پیشتر گمنامی کے پردہ میں پنہاں تھا۔ اہل یورپ کو اس ملک کا نام تک بھی سیاح مارکوپولو کے سفرنامہ کی اشاعت (یعنی سنہ ۱۲۹۵ء) سے پہلے معلوم نہ تھا۔ مارکوپولو نے چین میں سُنا تھا کہ براعظم ایشیا سے پندرہ سو میل شرق کی جانب ایک بہت بڑا جزیرہ ہے چیپنگو نام جس کے باشندے گورے شایستہ اور خوبصورت ہیں۔ مذہب بت پرستی ہے اور کسی کے دست نگر نہیں ہیں۔ اُن کے پاس لاانتہا سیم و زر موجود ہے کیونکہ سونا اُن ہی کے جزیرہ میں پیدا ہوتا ہے۔ اسی سیم و زر کے خیال نے اکثر یورپین اقوام کو اس جزیرہ کے پتہ لگانے کی تحریص کی چنانچہ کولمبس کا ارادہ اس جزیرہ تک پہنچنے کا تھا۔

جاپان کی اس گمنامی کی وجہ غالباً یہ معلوم ہوتی ہے کہ اہل جاپان قومی حیثیت سے فطرتاً علیحدگی پسند واقع ہوتے ہیں۔ اہل جاپان مملکت جاپان کو آسمانی بادشاہت سمجھتے تھے۔ دیگر ممالک کے باشندوں کو وحشی اور کم درجہ کے انسان شمار کرتے تھے۔ اور اُن سے رابطہ و اتحاد کسی قسم کا قائم کرنا خلاف شان اور غیر ضروری جانتے تھے۔ انکا عقیدہ پیدائش انسان کے بارہ میں عجیب سے خالی نہیں اِن کے خیال کے مطابق آسمان و زمین کی ابتدا سے پیشتر تین دیوتا تھے۔ مرکز علوی۔ اعلیٰ مقدس۔ خالق۔ تو حیرت انگیز یہ تینوں دیوتا خالی سے وجود میں آئے اور معدوم ہوگئے۔

جب زمین پانی پر تیل کے مانند تیرتی پھرتی تھی اسوقت ایک چیز شاخ نے کی
مانند اس میں سے اُگی اور اس میں سے دو دیوتا پیدا ہوئے۔ یہ دیوتا بھی بلا اتفاق
وجود میں آئے اور عدم کو چلے گئے۔ ان پانچوں دیوتاؤں کو معبود فلکی کہتے ہیں
انکے بعد دو اور دیوتا پیدا ہوئے۔ یہ دیوتا بھی پیدا ہوئے اور فوت ہو گئے۔ ان کے
بعد پانچ جوڑے دیوتاؤں کے پیدا ہوئے ان میں ازناگی اور ازنامی بھی ایک جوڑا تھا۔
معبودہائے فلکی نے ازناگی اور ازنامی کو زمین کے مستحکم کرنے کا حکم دیا۔ اور انہوں نے
وہ مختلف جزیرے بنائے جن پر جاپان مشتمل ہے۔ جزیرے بنانے کے بعد تینتیس
اور دیوتا پیدا کئے۔ آخر کار اگنی دیوتا پیدا ہوئے۔ ازنامی اس موقع کی وجہ سے
انتقال کر گئے۔ اور مقام ارواح میں چلے گئے۔ ازناگی کو بہت رنج ہوا اور اس کے
قطرہ ہائے اشک سے ایک اور دیوتا پیدا ہوا۔ غصہ میں ازناگی نے اپنے خنجر سے
اگنی دیوتا کا سر کاٹ ڈالا۔ اس خون سے جو دھار پر لگا تین دیوتا پیدا ہوئے میان
کے خون سے تین دیوتا۔ انگلیوں سے جو خون نکلا اس سے دو دیوتا اور آٹھ مقتول
دیوتا کے سر و جسم سے پیدا ہوئے۔ ازناگی نے ارادہ کیا کہ مقام ارواح میں جا کر
اپنی بی بی سے ملاقات کرے۔ قلعہ کے دروازہ پر آ کر ازنامی نے ملاقات کی ملاقات
کے بعد مقام ارواح کے دیوتاؤں کے پاس مشورہ کے لئے گئے لیکن یہاں دل
عاشق میں صبر کہاں تھا ذرا سی دیر بھی پہاڑ معلوم ہوئی ایسے گھبرائے کہ ایک دندانہ
توڑ کر مشعل بنالی اور اندر داخل ہوا۔ وہاں کی حالت اور نفرت انگیز خرابیاں دیکھ کر
گھبرا گیا اور اُلٹے پاؤں واپس آیا۔ وہاں کی کثافت دور کرنے کے لئے جزیرہ
سکشی کے ایک چشمہ پر پہنچا۔ اپنے کپڑے وغیرہ اُتار کر رکھے جن سے بارہ دیوتا
پیدا ہوئے نہانے میں بھی بیسیوں دیوتا پیدا ہوئے۔ جب بائیں آنکھ دھوئی

تو سورج دیوی پیدا ہوئی۔ اور جب دائیں آنکھ دھوئی تو چاند دیوتا پیدا ہوئے۔ اور جب ناک دھوئی تو ایک اور دیوتا پیدا ہوا جس کا نام زردیوتا رکھینگے۔ سورج دیوی کو عرصہ فلکی کا انتظام سپرد کیا اور چاند دیوتا کو مملکتِ شب سپرد کی اور زردیوتا کو وسعتِ بحر کا حاکم بنایا لیکن زردیوتا ہیں کہ روئے ہی جاتے ہیں۔ ازناگی نے پوچھا کہ کیوں روتے ہو تو جواب دیا کہ اپنی ماں کے پاس مقامِ ارواح میں جانا چاہتا ہوں۔ چنانچہ ازناگی نے اسکو جلاوطن کر دیا مگر اُنہوں نے کہا کہ میں اپنی بہن سورج دیوی سے بغیر ملے نہ جاؤنگا۔ وہاں پہنچے تو کسی بات پر بھائی بہنوں میں تکرار ہوگئی اور سورج دیوی نے اپنے محل کا دروازہ بند کر لیا۔ ہر جگہ اندھیرا ہی اندھیرا ہوگیا نالہ و زاری کی آواز ہر طرف سے بلند ہوئی تب تو ہزاروں دیوتا ایک بڑے دیوتا معبودِ تخیل کی خدمت میں حاضر ہوئے اور مدد چاہی کہ کسی طرح سورج دیوی کو پھر باہر نکالیں۔ بہت سے غور و فکر کے بعد اس دیوتا کی صلاح کے مطابق سب سامانِ خوشی مہیا کیا گیا۔ ناچ رنگ شروع ہوا۔ اور قہقہے کے نعرے بلند ہوئے۔ جب سورج دیوی نے یہ خوشی کے نعرے سنے تو نہایت متعجب ہوئی۔ دروازہ کھول کر وجہ دریافت کی۔ لوگوں نے جواب دیا کہ اس خوشی کی وجہ یہ ہے کہ تم سے بھی زیادہ خوبصورت دیوی ہاتھ آگئی ہے۔ اور ایک آئینہ اُس کے منھ کے سامنے کر دیا حیرت میں آکر اُس نے قدم آگے بڑھایا اور اُنہوں نے پیچھے سے دروازہ بند کر دیا اور آسمان و زمین پھر روشن ہوگئے۔ زردیوتا کو تمام دیوتاؤں نے ملکر یہ سزا دی کہ وہاں سے جلاوطن کر دیا۔ چنانچہ زردیوتا دریائے ہائی پر پہنچے وہاں ایک بڈھا اور بڑھیا اور ایک لڑکی بیٹھے ہوئے رو رہے تھے۔ وجہ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ ہر سال ایک اژدہا آتا ہے اور بڈھے بڑھیا کی ایک لڑکی کو لیجاتا ہے اور اب پھر اُس کے آنے کا وقت ہے۔ زردیوتا نے کہا کہ اگر میں تمہاری لڑکی کو بچالوں

تو کیا اُسکی شادی میرے ساتھ کر دو گے بڈھے بڑھیا نے بخوشی منظور کر لیا نر دیوتا نے اژدہا کو مار کر لڑکی کے ساتھ شادی کر لی اور محل بنا کر اپنی بیوی کے ساتھ رہنے لگا اور زمین پر امن و امان ہوگیا۔ فلکی دیوتاؤں نے یہ دیکھ کر اور بہت سے دیوتا مثل جاپول دیوتا کے زمین پر بھیجے۔ اس دیوتا کے تین بیٹے ہوئے۔ فارشاہن مچھلی کا شکار کرتا تھا اور پرنس فارسب سایڈ کے پاس سے پرنس فارشاہن کا کانٹا کھو یا گیا پرنس فارشاہن اپنا ہی کانٹا واپس لینے پر زور دیتا تھا اور کسی معاوضہ پر راضی نہ ہوتا تھا۔ اس کانٹے کی تلاش میں نمک دیوتا سے ملاقات ہوئی اور اُس نے سمندر دیوتا کے پاس جانے کی صلاح دی آخر کار سمندر دیوتا کی لڑکی سے شادی کی اور پرنس فارشاہن کا کانٹا اُس کی مدد سے قعر سمندر سے نکلوایا۔ پانچسو اسی برس زندہ رہا۔ جس کی اولاد سے جمو اول شاہنشاہ جاپان سمجھا جاتا ہے۔

پیدائش جاپان کے متعلق ایسے ایسے خیالات خواہ کیسے ہی غیر معتبر اور قابل مضحکہ ہوں لیکن اس میں شک نہیں کہ اہلِ جاپان کی زندگی اور انکے ملک کی تاریخ پر انکا بہت بڑا اثر پڑا ہے۔ ہندوستان کے بعض قدیم بادشاہوں کی نسبت بھی بعض روائتیں ایسے ہی رنگ میں ڈوبی ہوئی ہیں۔ یہی روائتیں تو ہیں جن سے جاپان کے ایشیائی قوم ہونیکا ثبوت ملتا ہے اور جن کے مطالعہ سے اگر کچھ اور فائدہ نہیں تو اتنا تو ضرور ہے کہ ایک قسم کی ہمدردی اور رشتہ یگانگت کا خیال ہم کو جاپان کے ساتھ پیدا ہو سکتا ہے۔ ہم لوگ جو جاپان کی فتحیابیوں پر مسرت کے نعرے بلند کر رہے ہیں اس کی زیادہ تر یہی وجہ یگانگت کا خیال ہے۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ روس ہماری سرکار انگریزی کا رقیب ہے۔ اس میں شک نہیں کہ جاپان نسبتاً کمزور سمجھا جاتا ہے اور انسان کی ہمدردی کمزور کے ساتھ ہوا کرتی ہے۔ لیکن ہماری جاپان کے ساتھ ہمدردی کی بڑی وجہ انکا ایشیائی ہونا ہے جبکہ بعض

محققان یورپ مدت سے زور دے رہے ہیں کہ فطرۃً ایشیائی قومیں یورپین قوموں کے مقابلہ میں بہت نیچے گری ہوئی ہیں اور کسی طرح انکی ہمسری نہیں کرسکتیں۔ ایک چھوٹی سی ایشیائی طاقت کا ایک عظیم الشان یورپین سلطنت کے دانت کھٹے کردینا گویا ایشیائی اقوام کی ناک رکھ لینا ہے۔ اور ہم جاپانی فتوحات پر جس قدر فخر و ناز کریں بجا اور درست۔

اس مضمون سے میرا منشا یہ ہے کہ ایک ایسے ملک کی بابت جس نے آج کشمکش ہستی اقوام میں ایشیا کی عزت رکھ لی ہے کچھ واقعات لکھوں۔ تاکہ جنگ روس و جاپان میں ناظرین پہلے سے بھی زیادہ دلچسپی لے سکیں۔ جاپان کی وسعت ایک لاکھ اکسٹھ ہزار مربع میل ہے۔ اور اس کی آبادی چار کروڑ چالیس لاکھ ہے۔ گویا پنجاب سے دگنی۔ قریباً پندرہ بڑے بڑے جزیرے اس میں شامل ہیں۔ چھ بڑے بڑے بندرگاہ ہیں۔ زمین پہاڑی ہے۔ بہت سے پہاڑ آتش فشاں ہیں۔ اور اکثر زلزلے آتے رہتے ہیں۔ دریا بے شمار ہیں۔ لیکن چھوٹے چھوٹے۔ سیل اکثر آتے رہتے ہیں اور نقصان پہنچاتے ہیں جھیلوں میں جھیل بیوا تمام جاپان میں ہے جس کے ارد گرد ایسا خوشنما نظارہ ہے جو سیاحوں کو ہمیشہ اپنی طرف کھینچتا ہے۔ یہی حال جھیل ہاکون کا ہے۔ ہر قسم کی دھات اور پتھر یہاں پائے جاتے ہیں۔ اول اول سنہ ۷۴۹ء شاہنشاہ شوموکے عہد میں اس جگہ سونا دریافت کیا گیا آب و ہوا ہر قسم کی پائی جاتی ہے۔ مگر زیادہ تر معتدل ہے اور بلیک کرنٹ سے آب و ہوا جاپان پر وہی اثر پڑتا ہے جو گلف سٹریم سے آب و ہوائے انگلستان پر۔ چاول اہل جاپان کی مرغوب خوراک ہے۔ جاپانی جنگل نہایت شاداب ہیں۔ نارنگیاں۔ سیب۔ اخروٹ۔ انگور بیر۔ ناشپاتی یہ سب پھل وہاں ہوتے ہیں سنہ ۷۹۹ء میں ہندوستان سے روئی کا پودہ بھی جاپان میں پہنچ گیا۔ کافور کا درخت۔ جانور ہر ایک قسم کے ہوتے ہیں۔ گھوڑا بیل۔ کتا۔ بلی۔ ہرن وغیرہ۔ سواری کے لئے جن رکشا بہت استعمال کیجاتی ہے۔ ریل

بھی اکثر حصوں میں جاری ہے۔ شرکیں بیشمار ہیں۔

اکثر اقوام کی تاریخ کی طرح جاپان کی ابتدائی تاریخ بھی تاریکی میں نہاں ہے۔ ۲۸۴ء سے پہلے تو مدون تاریخ ہو ہی نہیں سکتی تھی کیونکہ تحریر اور حجاپہ کا فن ۲۸۴ء میں چین سے لیا گیا جاپانی تاریخ کی سب سے پرانی کتاب کوجکی ہے جو ۷۱۱ء میں مکمل ہوئی۔ دوسری تاریخ نہانجی ۷۲۰ء میں۔ تیسری کتاب مذہب شنٹو کا قانون رسوم ہے جس سے جاپان کے ابتدائی حالات پر کچھ کچھ روشنی پڑتی ہے۔ پس نویں صدی سے پیشتر جس قدر حالات معلوم ہوتے ہیں وہ تاریخ کے رتبے سے گرے ہوئے ہیں۔ جاپان کی تاریخ کو تین بڑے حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ ایک تو وہ زمانہ جو کتب کوجکی اور نہانگی کا ہے ۱۱۰۰ء میں فوجی جماعت پیدا ہوئی تاکہ وحشیوں کے حملے سے محفوظ رکھے۔ چنانچہ اب ایک سپہ سالار اعظم یعنی شوگن کا عہدہ قرار پایا۔ مختلف خاندان یہ کوشش کرتے رہے۔

جاپان میں ایسے عمدہ عمدہ نظارے ہیں۔ کہ سیاحوں کا دل انکو دیکھنے سے کبھی نہیں سیر ہو سکتا۔ جاپانی لوگ صاف خوش مزاج اور مہمان نواز ہوتے ہیں۔ یہاں کے باشندے نہ تو شراب خوار ہیں اور نہ جھگڑالو۔ اگر کبھی کسی قسم کا جھگڑا ہو بھی جاتا ہے تو وہ آپس میں شریفانہ طور پر اسکو رفع دفع کر دیتے ہیں۔ کیونکہ جاپانیوں کا یہ خاصہ ہے کہ غصے میں غل غپاڑہ نہیں مچاتے اور نہ قسما قسمی کی نوبت آنے دیتے ہیں۔ مذکورہ بالا خوبیاں نہ صرف جاپان کی اعلیٰ قوموں میں پائی جاتی ہیں بلکہ ادنیٰ قوموں میں بھی موجود ہیں۔ جاپان میں بہت کم ایسا اتفاق ہوتا ہے کہ ایک دوسرے کو غصے میں مار بیٹھے۔ کیونکہ ایسی ذرا سی بات کی بھی سخت سزا ملتی ہے۔ جاپانی لوگ کھانے کی طرف سے کچھ لاپروا ہوتے ہیں۔ اگر انہیں دو تین گھنٹے دیر کے بعد بھی کھانا ملے تو وہ بے صبرے نہیں ہوتے۔ جاپانی بڑے سادہ طبیعت کے ہوتے ہیں۔ وہ ہر جگہ جہاں تک کبھی کوئی ہو بلا تامل

ہو جاتے ہیں۔ جاپان میں ہر قسم کی مفید تعلیم دیجاتی ہے اور وہاں اس مطلب کے لئے سکول اور کالج قائم ہیں تعلیم انگریزی اصولوں پر دیجاتی ہے۔ وہاں کے طلبا نہایت ذہین ہوتے ہیں اور انکو تحصیل علم کا بہت شوق ہے۔ ۱۸۵۳ء میں امیرالبحر پیری معہ چار عظیم الشان جہازوں کے بندر یوریگا پر یوکوہاما کے متصل وارد ہوا۔ اس امیرالبحر کو دولت متحدہ امریکہ نے اس غرض سے بھیجا تھا کہ جاپان کے بندرگاہوں میں تجارت امریکہ کے لئے راستہ کھلجائے۔ کلیفورنیا میں سونے کی کانیں دریافت ہونے سے اہل امریکہ کو ضرورت پیش آئی کہ چین سے رابطہ تجارت قائم کرے اور اس لئے یہ ضروری ہوا کہ جاپان کو سدراہ بننے سے روکا جائے امیرالبحر پیری کو ہدایت تھی کہ جہانتک ہو سکے مصالحت سے کام لے اور فوجی طاقت کے ڈراوے سے کام نکالے۔ اس ناگہانی دشمن کے اچانک موجود ہو جانے سے اہل جاپان میں وہ کھلبلی پڑی کہ جس کی کچھ انتہا نہیں۔ لیکن بمصداق

عدو شود سبب خیر گر خدا خواہد

خمیر مایۂ دکان شیشہ گر سنگ است

اس بیرونی دشمن کے خطرے سے جیسا کہ میں آگے ذکر کرونگا بہت سی پولٹیکل گتھیاں خود بخود سلجھ گئیں اور اہل جاپان میں اتفاق اور یکجہتی کی بنیاد پڑگئی اور قومیت کی مستحکم اور عالیشان عمارت جسکو آج آپ دیکھکر حیران ہیں اسی بنیاد پر کھڑی ہے۔ اسوقت جاپان میں دو فریق پیدا ہو گئے ایک تو وہ لوگ جو اس بات کے حامی تھے کہ غیر طاقتوں کو مملکت جاپان میں دخل نہ دیا جائے اور دوسرے وہ لوگ تھے جو انکا خارج رکھنا قرین مصلحت سمجھتے تھے۔ قبل الذکر کا نام ہائی کوکو یعنے فرقہ داخلیہ تھا اور موخر الذکر کا نام جو آئی یعنے فرقہ خارجیہ تھا۔ شوگن پہلے فرقہ کا حامی تھا مگر بہت سے طاقتور اعیان و امرا اور عوام الناس شوگن کی بے اعتدالیوں سے ناراض ہو گئے تھے اور اس بات

کے خواہاں تھے کہ ساری طاقت شہنشاہ کے ہاتھ آجائے اور اس سبب سے اور بعض ذاتی کاوشوں کی وجہ سے شوگن کی رائے کی مخالفت کرنیکا انہیں یہ ایک اچھا موقع حاصل ہوگیا۔ جاپان کے تعلیم یافتہ گروہوں میں بھی یہ خیال جاگزین ہوگیا تھا کہ شوگن محض غاصب ہیں اور ہرگز اس بات کے مستحق نہیں ہیں کہ انتظام مملکت اُن کے ہاتھ میں چھوڑا جائے۔ اشاعت علم کی وجہ سے یہ خیال بھی پھیلتا جاتا تھا کہ مذہب شنٹو کو اور اس کے ساتھ شہنشاہ کو اور اس کی دینی اور دنیاوی عظمت کو جو عرصہ سے اگر مر نہ چکی تھی تو معطل تو ضرور ہوگئی تھی دوبارہ زندہ کیا جائے اس لئے فرقہ خارجیہ کو فرقہ احیائی کہنا بیجا نہ ہوگا۔ اس فرقہ کا بڑا حامی سردار میٹو تھا جس کی صاف گوئی اور زورِ قلم نے معاملات کو روبراہ کرنے میں آخر کار بہت کچھ مدد دی لیکن ۱۸۶۸ء تک اس مدبر زمانہ کی کوششوں کا پھل کچھ نہ نکلا۔ اس زمانہ کو خود اہلِ جاپان عہد ابتری کہتے ہیں۔ اس عرصہ میں ممالکِ غیر مثلِ امریکہ انگلستان روس ہالینڈ وغیرہ کو جاپان کے بندرگاہوں میں کسی قدر دخل حاصل ہوگیا۔ اور تجارت خاص خاص شرائط کی پابندی کے ساتھ کھل گئی۔ اکثر طاقتوں کے ساتھ شوگن نے صرف اپنے اختیار سے عہد نامے کرلئے جنکو ممالکِ غیر نے کافی سمجھ لیا لیکن اہلِ جاپان بحیثیتِ قوم شوگن کو ہرگز ایسے عہد نامے کرلینے کا مجاز خیال نہ کرتے تھے چنانچہ آئی کمانوں کامی شوگن ۱۸۶۰ء میں قتل کیا گیا اور اس کے بجائے شاہزادہ میٹو کا بیٹا ہاتساٹ سوباشی شوگن بنا۔ اس زمانہ میں غیر ملک کے لوگ بھی خطرہ سے محفوظ نہ تھے۔ اہلِ جاپان میں سے منچلے لوگ موقعہ پاکر ان پر بھی ہاتھ صاف کرنے سے دریغ نہ کرتے تھے یہ لوگ کسی امیر اُمرا کے ماتحت نہ تھے اور نہایت خودسری اور سرکشی کے ساتھ جو چاہتے تھے کرگذرتے تھے۔ اس وقت اہلِ جاپان نے بحیثیت قومی اپنی مجبوری اور اُفتادگی کا اندازہ کیا اور اپنی خراب حالت کو دیکھ کر ایک تعجب انگیز

استقلال اور مضبوطی کے ساتھ تہذیبِ مغربی سیکھنے اور دیگر ممالک کے ساتھ ہمسر ہونے کے لیے عزم بالجزم دکھایا۔ ۱۸۶۲-۶۱ء میں امریکہ اور انگلستان کی سفارتوں پر یورشیں ہوئیں اکثر افسر مارے بھی گئے۔ چنانچہ سنہ ۱۸۶۲ء میں خود شہنشاہ نے اپنے گوشۂ عزلت سے نکل کر ممالکِ غیر کے مسئلہ کو حل کرنا چاہا چنانچہ شوگن کو ہدایت کی گئی کہ یدّو میں بڑے بڑے اعیان و امرا کو بلا کر ایک کانفرنس کیجائے۔ لیکن اس کانفرنس کا بھی کچھ نتیجہ نہ نکلا بلکہ اتفاق یہ ہوا کہ مسٹر ریچرڈسن کو جس نے ایک امیر شمازو نامی کو سلام کرنے میں پہلو تہی کی تھی زخمی کیا۔ جس کی وجہ سے انگریزوں کو سنہ ۶۳ء میں کاگوشیما پر حملہ کرنے کا عذر ہاتھ آیا۔ یہ دیکھ کر شمازو نے بہت سے طالب علم یورپ میں اپنے خرچ سے بدیں غرض بھیجے کہ وہاں جا کر مغربی فنِ حرب اور دیگر فنون سیکھ کر آئیں اور اپنے ملک کو زور آور بنائیں۔ دوسری دفعہ شہنشاہ نے خود ایک کانفرنس مجتمع کی تاکہ تعلقات ممالکِ غیر کے اہم مسئلہ کو طے کیا جائے۔ اس کانفرنس میں شوگن بھی شامل تھا اور گویا اسکی شمولیت ہی اس بات پر دال تھی کہ عملی طور سے نظامِ مملکت کی باگ وہ شہنشاہ کے ہاتھ میں دینے کو تیار ہے۔ اس کانفرنس میں کثرتِ رائے سے یہ بات قرار پائی کہ ممالکِ غیر سے قطعِ تعلق کیا جائے۔ چنانچہ شوگن کو حکم دیا گیا کہ اس حکم کی تعمیل کرے۔ شوگن نے اس حکم کی اطلاع تو ضرور غیر طاقتوں کو پہنچا دی مگر اور کچھ تعمیل نہ کی۔ فرقۂ خارجیہ کو یہ بات ناگوار گذری اور چھیڑ چھاڑ شروع ہوگئی۔ امریکہ اور ڈچ جہازوں نے بہت کچھ انتقام لیا اور تمام غیر طاقتوں نے ملکر جاپان کو نیچا دکھانے کا بیڑا اُٹھایا۔ آخرکار سنہ ۶۵ء میں یہ معاملہ اس طرح طے پایا کہ اُن عہدنامہ جات پر جو شوگن نے کیے تھے شہنشاہ کے دستخط کرائے جائیں۔ سنہ ۶۶ء میں شوگن ہٹات سو باشی کا انتقال ہوگیا اور شہنشاہ کامی بھی رحلت کر گئے اور سنہ ۶۷ء میں موجودہ شہنشاہ زیب دہ تختِ سلطنت ہوئے۔

اسی سنہ کے آخر میں شاہزادہ ٹوزا نے نئے شوگن کو بڑے زور سے صلاح دی کہ عنانِ حکومت ہمہ وجوہ شہنشاہ کے سپرد کر دے۔ چنانچہ شوگن نے اس بات کو منظور کر لیا اور اپنے ایک دوست کو ایک خط میں یہ لکھا کہ مجھے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے ملک کے قانون اس زمانہ میں جبکہ غیر ممالک کے ساتھ تعلقات روز بروز بڑھتے جاتے ہیں کبھی قائم نہیں رہ سکتے۔ تاوقتیکہ عنانِ حکومت ایک شخص کے ہاتھ میں دیدی جاوے اور ملک کے فائدہ کے لئے سب سے بڑی خدمت جو میں کر سکتا ہوں یہی ہو سکتی ہے۔ چنانچہ اس نے اپنی غیر محدود طاقت عظمت حشمت و دولت اور شان جو نسلاً بعد نسل اس کو حاصل تھی اور جسکو وہ اپنے قبضہ میں رکھ سکتا تھا ملک پر سے قربان کر دی۔ اور اپنے ملک کی ضروریات کو سمجھ کر خاندانی جان نثاری دکھائی اور اس طرح حکومت سے دست بردار ہونے میں وہ نظیر قائم کی جس کی مثال دنیا میں مشکل سے ملیگی۔ شہنشاہ نے شوگن کا استعفا منظور کر لیا اور جنوری ۱۸۶۸ء میں فرمانِ شاہی کے رو سے عہدہ شوگن موقوف کیا گیا۔ اس وقت سے جاپان کے نظم و نسق میں ایک عجیب و غریب انقلاب ظاہر ہوتا ہے۔ باوجودیکہ جاپانی شہنشاہ مطلق العنان ہوتا تھا گو اس کی طاقت زارِ روس سے بھی کئی درجہ زیادہ سمجھی جاتی تھی گو اسکو انسان سے بالاتر دیوتاؤں کا جانشین سمجھا جاتا تھا گو اس کے اشارہ ابرو کے ساتھ بلا پس و پیش بلا وجہ دریافت کئے۔ ہر ایک جاپانی اپنی گردن اپنے ہاتھ سے کاٹ ڈالنے کو فخر سمجھتا تھا اور فخر سمجھتا ہے تاہم اس شہنشاہ ذی اقتدار نے یہ مناسب سمجھا کہ اپنے تخت کے سامنے ۱۸۶۹ء میں حلف اُٹھائے اور طریقہ انتظام مملکت کی نسبت اپنی رعایا سے وعدہ کرے۔ چنانچہ اسی وعدہ میں یہ پانچ باتیں قابلِ ذکر ہیں۔

(۱) یہاں ایک مجلس شورہ قائم کیجائیگی اور تمام معاملات کثرتِ رائے سے فیصلہ کئے جاینگے

(۲) تمدنِ ملکی کے اصول رعایا کے ادنیٰ اور اعلیٰ طبقات دونوں کو مطالعہ کرنیکا حق ہوگا۔

(۳) ہر شخص کو تمام نیک ارادوں میں کامیاب ہونے کے لئے مدد دیجائیگی۔

(۴) تمام بیہودہ رسوماتِ قدیمہ منسوخ کیجائینگی اور اُس عدل و انصاف سے کام لیا جائیگا جو عمل قانون قدرت سے ظاہر ہیں۔

(۵) اساس مملکت مستحکم کرنے کی غرض سے اصولِ علم و حکمت تمام ممالک روئے زمین سے تلاش کئے جائینگے۔ (باقی آئندہ)

میرے رُفقا کون ہیں؟ کتابیں جنکی صحبت میرے لئے نہایت خوشگوار ہے۔ وہ ہر زمانے کے ہیں اور ہر ملک کے انہوں نے تدبیروں میں بھی نام پایا ہے اور میدان جنگ میں بھی۔ اور دیگر علوم سے متبحر ہونیکی وجہ سے بہت سے اعزاز حاصل کئے ہیں۔ میں جسوقت چاہوں انکے پاس جاسکتا ہوں۔ کیونکہ وہ ہر وقت میرے پاس موجود ہیں۔ اور جب چاہوں انہیں پاس بلاسکتا ہوں اور علیحدہ کرسکتا ہوں۔

میرے لئے وہ کبھی باعث خاطر نہیں ہوتے جب کوئی سوال کر بیٹھتا ہوں تو فوراً جواب دیتے ہیں۔ بعض زمانہ سلف کے واقعات من و عن بیان کرتے ہیں اور بعض اسرار قدرت کا دفینہ میرے سامنے لاکر رکھدیتے ہیں۔ بعض مجھے بتاتے ہیں کہ طرزِ معاشرت کس طرح ہونی چاہئے اور بعض مجھے اس دارالمحن کے بے بقا ہونیکی اطلاع دیتے ہیں اور بعض میرے تفکرات کو مجھ سے دور کر کے مجھے ہر وقت ہشاش و بشاش بنائے رکھتے ہیں اور بعض میرے دل کو طمانیت اور قوت بخشتے ہیں۔

غرضیکہ دنیا بھر کے علوم و فنون کی دلچسپیاں میرے لئے مہیا کرتے ہیں اور میں ہر ضرورت کے وقت ان سے مشورہ کرتا ہوں اور ان پر پورا اعتماد رکھتا ہوں مگر لطف یہ ہے کہ ان تمام احسانات کا بدلہ وہ مجھ سے سوائے اسکے اور کچھ نہیں چاہتے کہ میں انکو اپنے کمرے کے کسی کونے میں جگہ دوں۔ جہاں وہ آرام سے ایک باامن زندگی بسر کریں کیونکہ میرے یہ دوست سوسائٹی کے شوروشغب پر خلوت اور تنہائی کی زندگی کو زیادہ ترجیح دیتے ہیں۔

مکتوباتِ آزاد

آزاد کا کلام عموماً رنگِ تکلف سے آزاد ہے۔ مگر اِن خطوط کی بے ساختگی جو ہمیں خوش قسمتی سے مل گئے ہیں اور جنہیں ہم باقساط چھاپیں گے۔ خصوصیت سے قابلِ داد ہے۔ یہ خطوط طرزِ تحریر کے اعتبار سے اُردو خط نویسی کا عمدہ نمونہ ہونے کے سوا بڑی خوبی رکھتے ہیں کہ شغلِ تصنیف کے متعلق ہیں۔ اور اِن میں پروفیسر محمد حسین آزاد کی مشہور تصانیف پر ایک خاص روشنی پڑتی ہے۔ کہیں آبِ حیات کا ذکر ہے۔ کہیں نیرنگِ خیال کا۔ کہیں سخندانِ فارس کی تیاری ہے۔ کہیں دربارِ اکبری کا تہیہ۔ انکے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ کتنی محنت۔ کس قدر تلاش اور کیسے وسیع مطالعہ کے نتائج ہیں جن سے ہم فیضیاب ہو رہے ہیں۔ علاوہ بریں ان خطوط میں بعض نئی اور مفید معلومات فاضل مصنف کی سوانح عمری کی بابت موجود ہیں۔ جنکی قدر محتاج بیان نہیں۔ یہ مکتوبات میجر سید حسن بلگرامی صاحب بالقابہ کے نام ہیں۔ میجر موصوف نواب عماد الملک مولوی سید حسین بلگرامی کے برادرِ عزیز اور بلگرام کے مشہور خاندان کے رکن ہیں۔ آپ انڈین میڈیکل سروس کے سند یافتہ ہیں اور دیر تک فوجی ڈاکٹر رہے۔ سنہ ۱۸۹۲ء اور سنہ ۹۳ء میں حسنِ اتفاق سے میجر صاحب بسلسلۂ ملازمت امرتسر میں مقیم تھے اور چونکہ خود ذی علم تھے۔ اِس لئے انکی علم دوستی پروفیسر آزاد سے رشتۂ الفت قائم اور استوار ہونے کا وسیلہ بنی۔ اور اِس خط و کتابت کا باعث ہوئی جسکو ہمیں انکی اجازت سے شائع کرنے کا موقعہ ملا ہے۔ میجر صاحب اِس بیش بہا خط و کتابت کو نہایت عزیز رکھتے ہیں اور اسی لئے یہ خطوط اُنکے پاس آج تک محفوظ رہے۔ اور چونکہ یہ ذاتی خط و کتابت

تھی - اِس لئے اُنکی شاعت میں متامل تھے - لیکن آخر یہ خیال غالب آیا - کہ پروفیسر آزاد کے حالات پبلک کا مال ہیں - اور اُن کے کلام کے شیدائی حق رکھتے ہیں - کہ اُنکی جو تحریر میسر ہو - اُس سے فائدہ اُٹھائیں - خصوصاً اس صورت میں کہ زمانہ کے بے رحم ہاتھوں نے اُنکے جیتے جی اُنہیں ہم سے جُدا کر رکھا ہے - اور ایک طویل علالت اُنکے اُن تھک قلم کو بیکار کئے ہوئے ہے - ہم میجر سید حسن صاحب کی اس عنایت کے ممنون ہیں - اور اس سلسلہ خط و کتابت کو چھاپنا شروع کرتے ہیں - افسوس صرف اتنا ہے کہ یہ سلسلہ مختصر ہے اور جلد ختم ہو جائیگا - لیکن اگر ایسے ہی دو چار اور مجموعے کسی کے پاس نکل آئیں تو ان سے مولانا آزاد کی ایک معقول سوانح عمری مرتب ہو سکتی ہے - اگر کوئی صاحب ایسے اور مکتوبات بہم پہنچا سکینگے تو اُردو خوان جماعت پر احسان کرینگے - کیونکہ اِن مکتوبات میں اُردوے معلّٰے کا مزا آتا ہے :-

(عبدالقادر)

عالی جناب من دام اجلالکم

تسلیم - عنایت نامہ باعثِ اعزاز ہوا - رات کو دس بجے میں گھر پہنچا - اسوقت خطوط اور کارڈوں کا انبوہ سامنے ہے - دل دربار میں ہے اور دو دو حرفوں میں سب کو ٹال رہا ہوں - آپ کی تحریر کا جواب فرصت چاہتا ہے - مجھے کہاں ؟ یہ تو آپ کو معلوم ہے کہ ماثر الامرا اور سوانح اکبری کسی زمانہ میں دیکھی تھیں - یہاں تلاش کی تھی ، نہیں ملتی تھیں - چند مقاموں میں پُرانی کتابوں کا پتہ لگا تھا - ۲ دن میں بھاگا بھاگ گیا اور دوڑا دوڑ آیا - جو جو کچھ ہاتھ لگا اُسے دیکھتا گیا - اور یادداشتیں لیتا گیا - ماثر الامرا بھی مل گئی - شکر کا مقام ہے کہ جو کچھ میں نے دانہ دانہ اور قطرہ قطرہ کر کے جمع کیا ہے - وہ ماثر الامرا سے بہت زیادہ نکلا - پھر بھی حق سے گذرنا کفر ہے - ہر شخص کے حال میں تین تین چار چار نکتے مل گئے اور اچھے

مل گئے۔ سب سے زیادہ یہ ہے کہ اب جو دربارِ اکبری کا مشاہدہ کریگا۔ یہ نہ کہہ سکیگا کہ آزاد کو ماٰثر نہیں ہاتھ آئی۔

دونو صورتوں کی تفصیل آپ اب پوچھتے ہیں۔ افسوس۔ دیباچہ لکھنے کی نوبت ابھی کہاں آئی۔ خدا وہ دن کرے۔ دو صورتیں یہ کہ ایک تو وہی معمولی طریقہ کہ ایک نسخہ پہلے ممدوح کو بھیجا۔ اور استمزاج لیا۔ ممدوح نے منظور فرمایا۔ مصنّف نے شکریہ ادا کیا۔ دوسری صورت کا مضمون آئینۂ خیال میں ایک تصویرِ موہوم ہے۔ اور اس وقت فرصت مفقود۔ اچھا میں خلاصہ خلاصہ قلمبند تو کرتا ہوں۔ دیکھوں کچھ رنگ دیتا ہے یا نہیں۔ اس کا مضمون یوں تصور فرمائیے۔ کہ جب اس موقع پر آب و رنگ اپنی دستکاری خرچ کر چکے تو عالمِ بالا کے پاک نہاد زمین پر اُتر آئے۔ دسوں عقلیں پانچوں حواس۔ غور۔ فکر وہم خیال وغیرہ وغیرہ سے انجمن منعقد ہوئی۔ مانی و بہزاد کی روحوں نے اس کے سامنے ادب سے سر جھکایا۔ پہلا امر یہ پیش ہوا کہ یہ دربار کہاں سجایا جائے سب نے دوربینیں اٹھائیں اور شش جہت میں نگاہیں دوڑائیں۔ کہیں موقع کی جگہ نظر نہ آئی۔ مگر وہ ایوانِ عالیشان وغیرہ وغیرہ وہم نے اعتراض کیا۔ کہ جب تک ممدوح سے اجازت نہ حاصل ہو۔ ایسی جسارت زیبا نہیں آزاد نے کہا۔ سحر کا نور۔ شفق کی سرخی۔ صبح کا عالم۔ جب نظر آتا ہے۔ اہلِ دل کہتے ہیں سبحان اللہ۔ صبا و نسیم پھولوں کی شمیم لاتی ہیں۔ دل کہتا ہے صلِّ علیٰ۔ اس میں آفتاب سے اجازت اور اس میں خسروِ گل سے استمزاج کون کرتا ہے۔ ہم نے ایسا ممدوح یہاں پایا۔ اُسی کے دامنِ اقبال سے وابستہ کیا۔ وغیرہ وغیرہ۔ اسے سب نے تسلیم کیا۔ اب عاجزانہ عرض کرتا ہوں کہ۔ وغیرہ وغیرہ۔

میری دانست میں یہ بھی ایک نیا مضمون ہے اور اس میں کچھ حرج نہیں۔

عالی جناب من ادام اللہ اقبالکم وضاعف اجلالکم ۲۔جنوری سنہ ۰۳ء یوم چہارشنبہ

تسلیم۔ خدا آپ کو خوش رکھے کہ مجھ گنہگار کے لئے دعا فرماتے ہیں۔ کیا کہوں اُس دن کی چھٹی ہوئی تھی۔ باتیں کرنے کو بہت جی چاہتا تھا۔ چاہا کہ حاضر خدمت ہوں۔ پھر کہا کہ چار سطریں ہی صاف ہونگی۔ اکٹھی ہی باتیں کر لینگے۔

گھوڑا حاضر ہے۔ یارکندی یابو ہے۔ مُشکی رنگ ہے۔ شائستہ۔ سنجیدہ۔ متین۔ [illegible]۔ اتنی کوتاہی ہے کہ میں تو اپنے حال میں مبتلا ہوں۔ اسکی غور و پرداخت کی فرصت نہیں ملتی۔ تاریخ اور وقت ضرور لکھ بھیجئے کہ کب تشریف لائیگا۔

. . . .

کتاب النسوان انگریزی کا حال جو تحریر فرمایا ہے۔ میں سمجھ گیا۔ خدا اس کام سے فارغ کر دے تو آپ سے سرخرو ہوں۔ مجھے دِل سے خیال ہے۔ آپ کیوں شرمندہ کرتے ہیں۔

محمد حسین آزاد

دربارِ اکبری کاتب سے بھی لکھواتا ہوں۔ آپ بھی لکھ رہا ہوں۔ خدا کرے کچھ ہو جائے۔ اب خدا کے فضل سے کئی حال آپ کے سُنانے کے قابل ہو گئے ہیں۔ فیضی کے حال پر نظر ثانی کی تو مذہب کے سلسلہ میں مجھے خیال آیا تھا کہ دیکھئے آپ اور آپ کے بھائی صاحب اسے سُنکر اور پڑھ کر کیا فرماتے ہیں۔ خدا وُہ وقت دکھائے

وصل اُس کا خدا نصیب کرے
میر۔ جی چاہتا ہے کیا کیا کچھ

آزاد۔ تاریخ صدر

جناب من!

تسلیم۔ آج مجھے ایک ایسا معاملہ پیش آیا جو آج تک نہیں ہوا تھا۔ وہی مشکی گھوڑا [illegible]
کا کبھی دفعہ آپ سے ذکر آیا تھا۔ سائیس لیکر بھاگ گیا۔ وہ ۱۱ بجے دن کے یہاں سے
[illegible] ہے۔ اس لئے بدہ کو کسی وقت امرسر میں ضرور پہنچیگا۔ آپ اسی وقت پیش خدمت
[illegible]۔ کہ میرا اول اور پیلے خانوں پر جا کر ایک نظر ڈالے۔ یہ گھوڑا [illegible] یا بورکہ
[illegible]۔ رنگ مشکی رنگ ہو۔ پیشانی اور ناک کے [illegible] بال سفید بھی نظر آئینگے۔ عمر بیس
[illegible] برس کا ہوگا۔ [illegible] اندام ہو۔ سائیس کا نام [illegible] ہے۔ [illegible] کا بھی مشکی [illegible]
[illegible] ہو۔ ۳۵-۳۶ برس کی عمر ہوگی۔ [illegible] قد [illegible] اندام [illegible] لال [illegible] کا کن ٹوپ
[illegible] داڑھی چڑھواں۔ کانوں سے بہرا ہے۔ علاقہ [illegible] کا رہنے والا ہے۔
[illegible] آدمی ادھر ادھر دوڑ رہے ہیں لیکن شاید وہ [illegible] نہیں
[illegible] کار تحریر کے سبب سے حاضر نہیں ہو سکا۔ ورنہ خود آتا۔ حاضر [illegible] دینا اور یہ کام
[illegible] ہو جاتا۔

[illegible] آپ کا [illegible] لانا اور میرا ملاقات سے محروم رہنا۔ اب تک دل کو خراش
[illegible] بہت سی باتیں تھیں کہ ضرور کہنے کے قابل تھیں۔ خصوصاً بعض مشورے مسودات
کے باب میں۔ پروردگار پھر بخیر و سلامت ملنا نصیب کرے۔

نامۂ خسروان یقین ہے کہ بعد ملاحظہ آپ نے روانہ کر دیا ہوگا۔ اس کے باب
[illegible] آپ کے خیالات ہوں کچھ کچھ ضرور تحریر فرمائیے۔ ایسی تصویریں کہاں بن سکیں۔
[illegible] کا کام ہو۔ شاید کاپر پلیٹ ہو۔

تذکرۃ العورات کا حال جو آپ نے پہلے مرحمت نامہ میں لکھا تھا۔ معلوم نہیں کہ اس
میں چاند بی بی کا بھی تذکرہ ہے یا نہیں۔ یہ بھی بڑی بالیاقت اور صاحب ہمت بی بی دکن

تین ہوئی ہے۔ اسے نادرۃ الزمانی کہتے تھے۔ آپ وہاں سے اس کے حالات دریافت فرمائیں۔ اور مجھے بھی عنایت کریں۔ انشاء اللہ کبھی کام آئینگے۔ اسی طرح مصالح اکٹھا ہوا کرتا ہے۔ رفتہ رفتہ عمارت تیار ہو جاتی ہے +

محمد حسین آزاد

لاہور۔ بنگلہ ایوب شاہ۔ ۹ جنوری سنہ ۸۳ء

جناب من۔

ایک امر واجب الاطلاع پیش آیا ہے۔ ذرا متوجہ ہو کر سنئے۔ آپ نے اخباروں میں دیکھا ہوگا کہ گورنمنٹ سررشتہ تعلیم کے بوجھ سے سبکدوش ہونا چاہتی ہے۔ آپ نے یہ بھی سنا ہوگا کہ سررشتہ تعلیم پنجاب کا بہت سا بوجھ یونیورسٹی پنجاب اپنے سر پر رکھتی ہے۔ گورنمنٹ کو اس سے زیادہ اور کیا چاہئے۔ اب معلوم ہوا ہے کہ گورنمنٹ کالج بھی یونیورسٹی کے حوالے ہو جائیگا۔ یونیورسٹی کی رائے ہے کہ علوم فنون ریاضی وغیرہ سب کی تعلیم ترجموں کے ذریعہ سے ہو جایا کریگی۔ فقط انگریزی کے لئے ایک ماسٹر اڑھائی سو روپے کا کافی ہے۔ سردست اس قدر تو نہ ہوگی۔ مگر اتنا ضرور ہوگا کہ یونیورسٹی کے پاس کئی سیکڑوں کے ملانے اور ہندو پنڈت نکمے بیٹھے ہیں۔ طلبائے کالج کو یہ دیسی زبانیں پڑھا دیا کرینگے۔ کالج کے مولوی و پنڈت دونو تخفیف۔ تب مولوی کا کیا حال؟ یا گورنمنٹ کوئی عہدہ دیگی۔ اکسٹرا اسسٹنٹی؟ مشکل ہے۔ منصفی؛ تحصیلداری؟ شاید۔ پنشن دیدیگی۔ اس میں ابھی دو برس کی کمی ہے۔ مگر ہو سکتی ہے۔ خیر ہو بھی تو ۵۰ روپے سے زیادہ نہیں۔ آسان اور عام قاعدہ یہ ہے کہ مسلسل نوکری ۱۲ برس کی ہے۔ اتنے مہینے کی تنخواہ دلوا دو سلام۔ اس تجویز کا عملدرآمد اپریل سے ہو جائیگا۔ اب خدا کی درگاہ سے امید ہے کہ تصنیفات کے

لئے فرصت کا موقع ملا کرے گا۔ ۵

حرص قانع نیست بیدل ورنہ اسباب جہاں
آنچہ ما در کار داریم اکثرش درکار نیست

آزاد ۱۰ - جون ۱۸۸۳ء
۳ بجے شب

جناب من۔

تسلیم۔ آپ دیکھتے ہیں۔ یہ علمی چڑیا (یونیورسٹی پنجاب) تعلیم پنجاب کو منظم کرنے بیادی۔ دن کا بھی کچھ کھوج پڑی ہو۔ چند مہینے ہوئے کہ میں بیٹھا۔ انگلش کی بنیاد رکھے کورس بنانے کے لئے ہم پکڑے جاتے ہیں فرسٹ آرٹ۔ اور بی۔ اے کورس عربی و فارسی کے باب میں رائے طلب ہوئی اب بنانے کے لئے حکم ہے کہ جلدی ... قاآنی کا دیوان آپ کے پیش نظر ہے۔ عنایت فرما کر اس میں چند عمدہ قصیدے بنا کے ہر قصیدہ کا مطلع یا پہلا مصرع لکھ دینا کافی ہوگا۔ صفحہ شاید مطابق نہ ہوگا۔ کیونکہ کتب خانہ میں چھاپہ ایران کا نسخہ ہے۔

خدا ہمارے بھائی ہندوؤں کو عقل مآل اندیش اور چشم دوربین اور نیک نیت عطا فرمائے۔

. . . .

اگرچہ کورس کا جھگڑا پیچھے لگ گیا ہے۔ مگر میں مصروف کار ہوں۔ مشکل یہ ہے کہ طبیعت سخت پسند واقع ہوئی ہے۔ انتخاب میں آسان بات یہ ہے کہ کتاب اٹھائی اور لکھ دیا کہ فلاں صفحہ سے فلاں صفحہ تک۔ مگر اسے دل پسند نہیں کرتا۔ جی چاہتا ہے

فریبِ دولت

سیسل اور اس کی بیوی **ہلڈا** کھانے کے کمرے میں بیٹھے کھانا کھا رہے ہیں اور سیسل ساتھ کے ساتھ ڈاک بھی دیکھتا جاتا ہے۔

سیسل۔ جدھر دیکھو بل ہی بل۔ کہیں قصاب کا بل ہو۔ کہیں کوئی دوکاندار روپے کے لئے چھینک رہا ہو۔ کیا کیا جائے عجب حالت ہے۔

ہلڈا۔ ہاں سچ ہے بل کسی طرح بھی نہیں رکیں گے۔ یہ تو آتے ہی رہیں گے۔ اچھا تم یہ انڈا تو کھاؤ۔

سیسل۔ بیشک ایسے نازک وقت میں انسان کو ہمت نہ ہارنی چاہیئے بلکہ ایسی تکلیفوں کے برداشت کرنے کے لئے آدمی کو اپنی جسمانی طاقت کا زیادہ خیال رکھنا چاہیئے۔

ہلڈا۔ بجا ہے۔ صحت کا خیال مقدم ہے۔

سیسل۔ ہلڈا! کبھی تم نے اس روپے کا بھی اندازہ کیا ہو جو ان بلوں کو ڈاک میں بھیجنے پر صرف ہوتا ہے اور بل بھی وہ جنکی ادائیگی کبھی نہ ہوگی۔ اس طرح ہم گورنمنٹ کو بہت فائدہ پہنچاتے ہیں۔ کیونکہ ٹکٹ زیادہ بکتے ہیں نا؟

ہلڈا۔ اوہ۔ تم ان بلوں سے نہ گھبرایا کرو۔ ہم تو اب ان سے ایسے مانوس ہوگئے ہیں کہ کبھی خیال بھی نہیں آتا۔

سیسل۔ مگر میری طبیعت تو ان سے بہت اکتاتی چلی ہو۔ توبہ توبہ ہر وقت ایک ہی بھیانک شکل نظر آتی ہو۔ اگر یہ سوداگر لوگ اپنے بلوں کو مستطیل لفافوں کی بجائے مربع

لفافوں میں بھیجا کریں تو اچھا ہو۔

ہلڈا - میرے خیال میں تو ابھی تین چار مہینے تک ہمیں کہیں سے بھی روپیہ نہیں مل سکتا۔

سیسل - میرا بھی یہی خیال ہے۔ کیونکہ اس سہ ماہی کے گذرنے پر ہماری سالانہ آمدنی میں سے صرف ایک ہزار روپیہ وصول ہوگا۔ مگر کیا ہے۔ ہمارا قرض اس سے کہیں زیادہ ہے۔

ہلڈا - سیسل! اب ضرورت اس بات کی ہے کہ تم آمدنی کی کوئی اور صورت بھی نکالو۔

سیسل - میں کب نہیں چاہتا۔ سوال تو یہ ہے کہ کس طرح۔ مزدوری میں کر نہیں سکتا۔ اپنے عزیز رشتہ داروں کے پاس میں نے جا کر دیکھ لیا۔ اب کریں تو کیا کریں۔

ہلڈا - اپنی بدنصیبی کو روتی ہوں۔

سیسل - عقل حیران ہے۔ کوئی شخص مجھے یہ تو الزام دے نہیں سکتا کہ میں کچھ کرتا نہیں اور سست ہوں۔ جب سے ہماری شادی ہوئی ہے میں برابر چار گھنٹے کی اوسط سے کام کیا کرتا ہوں۔ اس عرصے میں ایک دیوان ترتیب دیا ہے ایک ڈراما اور سال بھر کی محنت اور جانفشانی سے ایک ناول ختم کر چکا ہوں۔

ہلڈا - بیشک یہ کتابیں تو تم نے اچھی لکھی ہیں مگر ان سے وصول کچھ بھی نہ ہوا۔

سیسل - وصول؟ خسارہ ہی رہا۔ دیوان تو میں نے اپنے صرف سے ہی چھپوایا تھا۔ جسکی اسوقت تک کلہم گیارہ جلدیں فروخت ہوئی ہیں اور قریب چھ سو روپے کے مجھے مطبع والوں کا دینا ہے۔ میری ان دو کتابوں کو تو بڑی ہی سیر کرنی پڑی۔ اب تک کئی مطبع جھانک چکی ہیں۔ کوئی کمبخت انکو لینے ہی کا روادار نہیں۔ چار مرتبہ تو میں خود صاف کر کے بھیج چکا ہوں اور صاف کرانے کے بل کا بھی روپیہ ابھی تک ادا نہیں ہوا۔

ھلڈا۔ اِس سے تو ہمیں اَور بھی خسارہ ہوا۔ میرے خیال میں اس محنت و مشقت سے تو بیکاری مفید ہے اور اسی میں بھلائی معلوم ہوتی ہے۔

سیسل۔ واقعی محنت بیکاری سے ہمیں گراں پڑتی ہے۔ اصل میں ہمیں کام کرنے ہی کی توفیق نہیں۔

ھلڈا۔ یہ تو کچھ امیروں ہی کا حصہ ہے۔ کہ وُہ کام کریں۔ بھلا ہماری کیا اوقات ہے۔ بیکار رہیں گے قرض تو نہ بڑھیگا۔ غریب لوگوں کو تو یہی لازم ہے کہ امیروں کی طرف دیکھتی رہیں کہ وُہ کس طرح کام کرتے ہیں۔ اور خود گوشۂ تنہائی میں عافیت سے بیٹھے رہیں۔ سچ تو ہے اور کیا کریں محنت کرتے ہیں تو اور زیر باری ہوتی ہے۔

سیسل۔ مگر جہاں تک ہو سکے ہمیں کفایت شعاری کرنی چاہیئے۔ اچھا ہوا جو میں نے وُہ انڈا ابھی کھا لیا کیونکہ ہماری حالت اسوقت بہت نازک ہے۔ ہمیں چاہیئے کہ ہم بڑی جوانمردی سے اس مصیبت کا مقابلہ کریں۔ اور جوانمرد بننے کے لئے تم جانتی ہو اچھی خوراک کی ضرورت ہے۔ اچھا ایک کاغذ کا ٹکڑا لاؤ اور بتاؤ کہ کون کون سی چیزیں ہیں جن کے بغیر ہم گذارہ کر سکتے ہیں۔

ھلڈا۔ واہ ایسی چیز کونسی ہے جس کے بغیر ہم رہ سکیں۔

سیسل۔ کیا واقعی کوئی ایسی چیز نہیں۔

ھلڈا۔ کھانا ہم کھائینگے ہی۔

سیسل۔ بیشک کھانا ضروری ہے کیا یہ ممکن نہیں کہ ہم اسے اَور بھی مختصر کر دیں۔ مثلاً اتوار کی حاضری موقوف۔ پیر کو سہ پہر کا نقل اُڑا دیں۔ منگل کو چاء نہ ہو اور بُدھ کا سرے سے کھانا ہی ساقط۔

ھلڈا۔ نہیں یہ نہ ہو سکیگا۔ اگر تم سہ پہر کو کچھ نہ کھاؤ تو چاء اسی کثرت

سے پی جاؤ گے تو کسر نکل جائیگی۔ اور پھر چائے کے ساتھ کیک جو تمہارا من بھاتا کھاجا ہے اور کس قدر گراں ہو کتنا اُڑا جایا کروگے۔ نہیں صاحب یہ نہیں سمجھ میں آئی۔ اچھا اگر ہم انکو نہ کھائیں تو رات کو تو کھانا پڑے ہی گا اور اس طرح بیچاری خادمہ کو بہت تکلیف ہوگی۔

سیسل۔ خیر تو کھانے میں کوئی تخفیف ممکن نہیں۔ اب تو ذرا تم لباس کیطرف۔

ھلڈا۔ سیسل برا نہ ماننا اگر کل ہی تم مجھے بھدے لباس میں دیکھو تو کیا تم نفرت نہ کروگے۔ علاوہ ازیں میری درزن کا بل تمہارے درزی کے بل سے زیادہ نہیں ہوتا اس لئے کوئی وجہ نہیں کہ اس غریب پر ظلم کیا جائے۔

دوسرے تم جانتے ہو کہ آدمی کی عزت لباس سے ہی ہوتی ہو (النّاسُ بِاللّباس) واقعی اگر تم پھٹے پُرانے کپڑے پہنا کرو۔ تو میرے خیال میں کوئی تمہاری طرف توجہ بھی نہیں کرے۔ ہم تو پہلے ہی کسی شمار و قطار میں نہیں مگر اس طرح اور بھی ذلیل ہوجاینگے۔

سیسل۔ تو معلوم ہوا اس میں بھی اور کفایت کی گنجائش نہیں۔ اچھا اب کرایے کی گاڑیوں کو لیجئے۔

ھلڈا۔ ہاں گاڑیوں کا کرایہ یہاں بہت زیادہ ہو مگر تم اچھے کپڑے پہن کر ٹرام میں بھی تو نہیں بیٹھ سکتے۔ ایک آنے کی خاطر ہ۲ پچیس کے سوٹ کا ستیاناس کردیا جائے یہ کونسی عقلمندی ہو۔ ہم باز آئے ایسی کفایت شعاریوں سے۔

سیسل۔ اچھا کوئی چیز اور لکھنے کے قابل ہے۔

مفصلہ ذیل امور میں کفایت شعاری ضروری ہے۔

(۱) کوئی کام نہ کیا جائے کیونکہ اس سے قرض کے بڑھنے کا اندیشہ ہے۔

(۲) اگر ہمیں قرضخواہوں نے زیادہ دق کیا تو ہم یہاں سے چلے جائینگے

ھلڈا۔ یہ اچھا ہوگا میں خود ویسٹ کنسنگٹن[1] کو پسند نہیں کرتی۔

---

[1] یہاں متوسط درجہ کے حیثیت لوگ رہتے ہیں۔

سیسل۔ یہاں ہم جیسے آدمیوں کا گذارہ بھی نہیں۔

ہلڈا۔ مجھے یقین ہے کہ تمہارا ناول کبھی کا بک گیا ہوتا۔ اگر ہم کہیں (پارک) کے قریب ہوتے۔

سیسل۔ میرا بھی یہی خیال ہے آجکل ہر چیز کا انحصار پتہ پر ہے اب دیکھنے نہ معمولی آلو اگر یہاں سے خرید کرو تو ا روپیہ سیر ملینگے۔ اگر یہی آلو دوسرے بازار میں جا کر بکنے لگیں تو عہ سیر ہو جائیں

ہلڈا۔ پیارے سیسل ایک چیز بڑی غنیمت ہے جو ہمیں میسر ہے اور وہ یہ کہ ہم کو آپس میں بیحد محبت ہے۔

سیسل۔ واقعی اگر یہ بات بھی نہ ہوتی تو بہت مشکل ہوتی یہ دن کاٹنے مشکل ہو جاتے

(ایک دوسرے کو پیار کرنے لگتے ہیں)

ہلڈا۔ سیسل پیارے! کیا تم نے سب ڈاک دیکھ لی؟۔

سیسل۔ سب کہاں ابھی بہت سے خط بند پڑے ہیں سب کا ایک مضمون ہوگا۔ کہاں تک پڑھے جائیں۔

ہلڈا۔ اچھا مجھے دکھاؤ (ایک خط دیکھ کر) اوہو تم نے یہ لمبا لہکارا خط کھولا ہی نہیں۔ مَیں سمجھتی ہوں کہ یہ بہت ضروری ہے۔

سیسل۔ (خط ہاتھ میں لیکر) یہ؟ نہیں یہ ضروری نہیں یہ تو کسی کمپنی کا اشتہار ہے کہ حصے خریدو۔ یہ بھی عجیب بات ہے کہ جب انسان کے پاس روپیہ نہیں ہوتا تو لوگ ایسی ایسی تجویزیں کرتے ہیں کہ جن میں ۲۵ فیصدی منافع تو یقینی ہو۔

ہلڈا۔ اچھا اس خط کو تو کھولو۔

سیسل۔ ابھی رہنے بھی دو۔ مَیں انکو دیکھ کر پریشان ہوتا ہوں۔

ہلڈا۔ اچھا مَیں کھولتی ہوں (ایک خط کھول کر پڑھنے لگتی ہی ہیں) یہ کیا!

یہ کس طرح سچ ہو سکتا ہے۔

سیسل۔ کیا ہے پیاری ! مجھے دکھانا۔

ھلڈا۔ اسے تو پڑھو سیسل !

سیسل۔ خط پڑھتا ہے :۔

جنابِ مکرم بندہ۔

آپ کے مرحوم چچا کی وصیت کے بموجب ہم آپکو اطلاع دیتے ہیں کہ آپ ہی اُن کے جائز وارث ہیں۔ ترکہ جو آپ کو وراثت میں آیا ہے اُس کا تخمینہ ۳۰ لاکھ روپے کے قریب ہے۔ اس رقم کے متعلق آپ کی ہدایات کے ہم منتظر ہیں۔ ہمیں اُمید ہے کہ آپ بہت جلد مناسب ہدایات بھیجکر ہمیں ممنون فرمائینگے۔

گرین فیلڈ کمپنی

ھلڈا۔ چچا کے وارث اور پھر اکیلے تم ہی ؟

سیسل۔ اور اکٹھا تیس لاکھ روپیہ ؟

ھلڈا۔ اور آپ کی ہدایات کے منتظر ؟

سیسل۔ افوہ ! میری حیثیت سے یہ اس قدر زیادہ ہے کہ مجھے باور نہیں آتا۔ مشکور ہے کہ میں نے وُہ انڈا ابھی کھا لیا تھا ورنہ اس دُنیا میں مقابلہ بڑا ہی کٹھن ہے

ھلڈا۔ سیسل ! کیا اس سے یہ مراد ہے کہ ہم تیس لاکھ روپے کے مالک ہیں۔

سیسل۔ اگر گرین فیلڈ کمپنی کا کوئی وجود ہے اور وُہ دروغگو بھی نہیں تو ہم یقیناً مالک ہیں۔

ھلڈا۔ کیا وُہ جھوٹ بھی بولا کرتے ہیں ؟

سیسل۔ مگر ان کا نام بہت مشہور ہے اور انکی ساکھ بہت قائم ہے۔

ہلڈا۔ کیا واقعی اس قدر روپیہ اب ہمارا ہے۔

سیسل۔ بظاہر تو ایسا ہی معلوم ہوتا ہے۔

ہلڈا۔ تعجب ہے ابھی کھانے کے وقت تو ہم مفلس نادار تھے اور اب ہم اس قدر متمول بن گئے۔

سیسل۔ گویا ہم نے بہت ترقی کی ہے۔ جھونپڑی سے محل میں جا رہے۔

ہلڈا۔ مگر اس خط میں لکھا ہے کہ تمہارا مرحوم چچا۔ سیسل تمہارے کتنے چچا بھی تو تھے۔

سیسل۔ چچا تایا کا رشتہ ایسا ہے کہ ان سے کوئی شخص خالی نہیں۔ ہر شخص کے کئی چچا ہوتے ہیں لیکن میرے تو سگے چچا بھی ہیں۔

ہلڈا۔ تمہارے خیال میں یہ پھر کس کا انتقال ہوا۔

سیسل۔ میں سمجھتا ہوں شاید آسٹریلیا والے چچا مر گئے۔

ہلڈا۔ مجھے تو یہ معلوم نہیں تھا کہ تمہارے کوئی چچا آسٹریلیا میں بھی ہیں۔

سیسل۔ لیکن آسٹریلیا میں تو ہر شخص کا کوئی نہ کوئی رشتہ دار ہوتا ہے۔ میرے چچا کی طبیعت میں آوارگی سی تھی وہ اپنے کنبہ کو چھوڑ کر وہیں چلا گیا۔ اور اس کے بعد آج تک ہم نے کبھی کوئی خبر نہیں سنی۔ تاہم ہم جانتے ہیں کہ وہ آسٹریلیا گیا تھا۔ اور وہاں اس نے روپیہ بہت کمایا۔

ہلڈا۔ اسقدر روپیہ کس طرح کمایا؟

سیسل۔ اس کا بھیڑوں کا بیوپار تھا اور اسی تجارت کی وجہ سے دیکھ لو کہ وہ کس قدر مال چھوڑ مرا ہے۔

ہلڈا۔ مگر اس روپے کے وارث تم کس طرح ہو گئے؟

سیسل۔ میرا چچا بوڑھا تو ہو ہی گیا تھا۔ مگر حُبِّ وطن کا مادہ اس میں جوان تھا وہ

اس لئے خود تو نہ آسکا روپیہ اس نے اپنے عزیز بھتیجے کو بھیج دیا۔

ہلڈا۔ کیا وہ تم کو بہت عزیز سمجھتا تھا۔

سیسل۔ یہ تو اب ظاہر ہی ہے۔

ہلڈا۔ مگر تم کبھی اس سے ملے نہیں۔

سیسل۔ یہ سچ ہے مگر اس نے میرا دیوان ضرور دیکھا ہوگا۔ اس نے ضرور ان گیارہ جلدوں میں سے ایک جلد خریدی ہوگی۔ دیکھو ہلڈا وہ چھ سو روپے کی رقم جو ابھی تک مجھ کو مطبع کی بابت دینی ہے۔ آخر کار یہ سب لینے کسقدر روپیہ لے آئی۔ خیال تو کیجئے۔ تیس لاکھ۔ دس نہیں پورے تیس۔

ہلڈا۔ مگر سیسل یہ سب باتیں اپنے چچا کے متعلق تمہیں کیونکر معلوم ہوئیں۔

سیسل۔ میری جان۔ آجکل کے افسانوں کو دیکھ کر آدمی یہ نتیجہ نکال سکتا ہے کہ اس قسم کے واقعات اسی طرح واقع ہوتے ہیں۔

ہلڈا۔ خیر جانے دو ان باتوں کو ہمیں تو اب یہ سمجھ لینا چاہئے کہ ہم تیس لاکھ روپے کے مالک ہیں۔

سیسل۔ اچھا مجھے ایک کاغذ کا ٹکڑا اور دو (حساب کر کے) دیکھو ایک روپیہ ڈیڑھ انچ لمبا ہوتا ہے۔ اس حساب سے اگر تیس لاکھ روپیہ ایک ہی قطار میں رکھا جائے تو قریبا پانچ میل تک پہنچ جائیگا۔

ہلڈا۔ سیسل تم کس قدر بیوقوف ہو تم اس روپے کو اس طرح رکھنا چاہتے ہو نہیں میں تو خرچ کرونگی۔ بھلا یہ تو بتاؤ میں کتنا خرچ کر سکونگی۔

سیسل۔ ہمیں وقت بے وقت کا بھی فکر چاہئے۔ اور اگر روپے ایسی محفوظ جگہ میں لگا جہاں کسی قسم کا خطرہ نہ ہو تو ہمیں دس ہزار ماہوار کی آمدنی ہو سکتی ہے۔

ہلڈا۔ دس ہزار ماہوار۔

سیسل۔ تو آو کیا۔ واقعی نہایت معقول آمدنی ہے۔

ہلڈا۔ اب ہمیں ہر چیز میسر آسکتی ہے۔ اچھا کچھ روپیہ تو دو مجھے ابھی درکار ہے

سیسل۔ واہ! ابھی ذرا دم تو لو۔ اس قدر بے صبر نہ بنتی جاؤ۔ تم تو جانتی ہی ہو بھلا اس وقت میرے پاس کیا دھرا ہے۔

ہلڈا۔ اچھا تم ٹوپی سر پر رکھو اور ابھی جا کے روپیہ لے آؤ۔

سیسل۔ دیکھو ہمیں اس قدر جلدی نہیں چاہیئے کسی طرح گرین فیلڈ والوں کو یہ معلوم نہیں ہونا چاہیئے کہ ہم بالکل ہی مفلس قلاش ہیں۔ اور ہم روپے کے اس قدر بھوکے ہیں۔

ہلڈا۔ مگر میں تو واقعی بھوکی ہوں۔

سیسل۔ یہ میں جانتا ہوں مگر تاہم ہمیں اپنی ضرورت اور خواہش کو چھپانا چاہیئے خودداری کو ہاتھ سے نہ دو۔ سہ پہر کے کھانے کے بعد میں اطمینان سے وہاں جاؤنگا

ہلڈا۔ نہیں صاحب میں تو اسوقت تک انتظار نہیں کرسکتی۔ آج ایک دکان پر میں نے پیرس کا نہایت خوبصورت ڈریس بالکل نئے نمونے کا دیکھا ہے اُسے میں فوراً خریدنا چاہتی ہوں۔ ایسا نہ ہو کہ کوئی اَور عورت خرید لے۔

سیسل۔ کیا تم اُسے اُدھار نہیں لا سکتی۔

ہلڈا۔ میں کیوں اُدھار لاؤں۔ میں مانگ بھی نہیں سکتی۔

سیسل۔ اچھا تو تم کل صبح کو خرید لینا۔

ہلڈا۔ میں کہتی ہوں کل صبح تک اس کا کہیں نام و نشان بھی نہ رہیگا۔

سیسل۔ تو میں اَور لے دونگا۔

ہلڈا۔ دیکھو سیسل! مجھے رنجیدہ نہ کرو یہ پوشاک مجھے بہت پسند ہے اب جو خدا نے ہمیں اس قدر روپیہ دیا ہے تو میرے دل میں یہ خواہش پیدا ہوئی ہے۔ تم ہی بتاؤ کہ جب ہم مفلس تھے میں نے کبھی کبھی ایسی کوئی چیز تم سے طلب کی تھی۔ اب خدا کے فضل سے ہم بہت متموّل ہیں اور اپنی حیثیت کے قائم رکھنے کے لئے یہ لباس میرے لئے ضروری ہے۔ بس اب میری یہی ضد ہے اور یہ تمہیں اٹھانی پڑیگی۔ بہتر یہ ہے کہ آپ ذرا میرے حال پر عنایت فرمایئے اور سیدھے گرین فیلڈ کمپنی کی طرف تشریف لیجائیے اور وہاں سے فوراً روپیہ لیکر مجھے اسی دکان میں ملئے جہاں ہم نے وہ لباس دیکھا تھا۔ دیکھو بارہ بجے ضرور پہنچ جانا۔

سیسل۔ میری پیاری ہلڈا! تم شاید اس رنج کا اندازہ نہیں کر سکتیں جو مجھے تمہاری درخواست کے رد کرنے میں ہوتا ہے۔ لیکن میں کیا کروں مجبور ہوں میری خودداری اس طرح قائم نہیں رہ سکتی اگر میں اپنے مختاروں کے پاس سر پہر سے پیشتر جاؤں۔ سنو سنو۔ بلکہ میں تمہارے ایک عارضی اور فضول شوق کی خاطر اپنی عزت کو بالائے طاق نہیں رکھ سکتا۔ تم ہی بتاؤ اس میں کس قدر سبکی ہے۔ ابھی تو ہمارے پاس حکم اطلاع پہنچی ہے اور ابھی پانچ ہی منٹ کے بعد ہم روپیہ کے تقاضے کے لئے وہاں پہنچیں۔ توبہ توبہ اس سے کس قدر سفلہ پن۔ بے صبری حرص اور احتیاج ٹپکتی ہے۔

ہلڈا۔ کیا کہا؟ آپکی عزت جاتی ہے؟ چہ خوش۔ اب آپ عزت والے بھی بن گئے۔ سبحان اللہ۔

سیسل۔ بیشک تیس لاکھ روپے کی رقم ایک عزت بھی ساتھ لاتی ہے۔

ہلڈا۔ مگر اس سے پہلے تو تم ہمیشہ میری بات مان لیا کرتے تھے۔

سیسل۔ بجا ہے لیکن اُس وقت میں اس کے سوائے اور تمہیں کسی طرح خوش

نہیں کر سکتا تھا۔ اب وُہ زمانہ نہیں رہا۔ تم کس خیال میں ہو؟ تیس لاکھ روپیہ بھی کچھ چیز ہے یا نہیں۔ ایک لاکھ روپے سے تو سر پھر جاتے ہیں اور یہاں تو پھر تیس لاکھ ہیں۔ تمہاری خوشنودی مزاج مجھے ہمیشہ مقدم ہوگی مگر گھر بار کا مالک مختار اب مجھے سمجھو نہیں میری ماننی پڑیگی۔

ہلڈا۔ کیا بکواس کر رہے ہو۔ گھر بار کے مالک بھی بن گئے۔ اسی جھونپڑے پہ اتراتے ہو۔

سیسل۔ نہیں اب ہم یہاں نہیں رہینگے۔ مگر میں نے تم کو جتا دیا ہے کہ جس طرح میری رائے ہوگی اسی طرح میں کرونگا۔ میں اپنے چچا مرحوم کے نقش قدم پر چلونگا وُہ ایک با اصول شخص تھا۔ تارک الوطن تو وُہ بنا مگر یہ دیکھ لو کہ اپنا روپیہ اُس نے غیروں کو نہیں دیا۔ تکلیفوں پر تکلیفیں جھیلیں مگر روپیہ جمع کیا۔ میرا دیوان اُس نے خریدا حالانکہ اسوقت عام طور پر میرا دیوان نہیں پسند کیا گیا۔ مگر وہ شخص اپنی دُھن کا پکا تھا اور ایک ارادہ اس کے دل میں پیدا ہو چکا تھا۔ چنانچہ اُس نے عام رائے کا خیال نہ کیا اور ایک جلد خرید ہی لی۔ میں بھی اپنے چچا (خدا اسے مغفرت کرے) کی تقلید کرونگا۔ ایک اصول پر قایم رہونگا اور کرونگا وہی جو میرے دل میں آئیگا۔

ہلڈا۔ بہت اچھا اب میں زیادہ کچھ نہیں کہتی۔ لیکن یہ یاد رکھو کہ آج یہ پہلی مرتبہ ہے کہ تم میرے ساتھ اس طرح پیش آئے ہو۔

سیسل۔ ہلڈا! تم کس قدر نا انصاف ہو۔ میں تمہارے ساتھ بداخلاقی سے پیش نہیں آیا۔ تم ذرا سمجھ سے کام لیتیں اور نامعقول باتیں نہ کرتیں۔

ہلڈا۔ اچھا میں نامعقول ہی سہی۔ کیا آپ کسی عورت سے معقولیت کی توقع رکھتے ہیں۔ کیا میں حسین ہُوں؟ سیسل!

سیسل ۔ بیشک حسین ہو ۔

ہلڈا ۔ کیا میں تمہارا دل نہیں بہلایا کرتی ؟

سیسل ۔ تم ضرور بہلاتی ہو لیکن اُسوقت نہیں جب تم کسی ضد پر آجاؤ یا اپنے آپ میں نہ ہو ۔

ہلڈا ۔ اچھا جب میں حسین بھی ہُوں دلربا بھی ہُوں تو پھر آپ مجھ سے معقولیت کی توقع کیونکر رکھتے ہیں ۔

سیسل ۔ پیارے اُٹھو کپڑے پہن لو اور جاؤ روپیہ لے آؤ ۔ میرا دل بہت للچا رہا ہے ۔ ہائے ہائے وُہ ڈریس کس قدر نفیس سِلا ہُوا ہے ۔

سیسل ۔ ہلڈا ! جب میں کسی کام میں نہیں کردوں تو اُسے میری نہیں سمجھو اور میری ہاں کو ہاں خیال کیا کرو ۔

ہلڈا ۔ تم بڑے کمینے اور خود غرض ہو ۔

سیسل ۔ دیکھو ہوش میں آؤ ۔ کیا باتیں کر رہی ہو اس قدر شوخ اور بے ادب نہ بنتی جاؤ ۔

ہلڈا ۔ کیا بیوی اپنے خاوند کے ساتھ بھی بے تکلف باتیں نہیں کر سکتی ؟

سیسل ۔ اسوقت نہیں جب خاوند مالدار ہو ۔ ورنہ خُدا کے عطیہ کی ناشکری ہو گی ۔

ہلڈا ۔ کاش یہ دولت تمہارے ہاتھ میں نہ آتی ۔

سیسل ۔ دیکھو ہلڈا اگر تم میرا لحاظ نہیں کرتیں تو میرے مرحوم چچا کا تو پاس ادب کرو ۔ میں اس کا جائز وارث ہوں ۔ میں اپنے منہہ پر اس کی بُرائی کسی طرح نہیں سن سکتا

ہلڈا ۔ تمہارے چچا کا تمہیں اپنا وارث چھوڑ جانے سے مجھے کیا فائدہ ہُوا ۔ کیونکہ جو میں چاہتی ہُوں وُہی میسّر نہیں آتا تو تمہاری دولت فضول اور تمہاری وراثت بے سُود

بیشک چیزیں خریدنا اسوقت نامناسب تھا جب تمہارے پاس روپیہ نہ ہوتا لیکن جس حالت میں تم ان تیس ہزار روپے کا مالک ہو اور اتنی اتنی بڑی رقم تمہاری منتظر ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ میں اپنی خواہشیں نہ پوری کروں۔

سیسل۔ میری جان ہلڈا دیکھو میں تمہیں سمجھاتا ہوں تم ذرا ضبط کو ہاتھ سے نہ دو۔ قومی امیر اور متمول لوگ ہی ایثار اور جبر نفس کی خوبی حاصل کر سکتے ہیں۔ غریبوں کو تو کچھ میسر ہی نہیں آتا لیکن کہہ دیتے ہیں کہ ہم بڑے جابر ہیں۔ میری جان خوبی اس میں ہے کہ ہر چیز حاصل کرنے کی قدرت ہو اور پھر اپنی خواہشوں پر جبر کرے۔

ہلڈا۔ تو کیا تمہیں یہ دولت اسی غرض سے ملی ہے کہ میں اپنے نفس پر جبر کرنا سیکھوں۔

سیسل۔ نہیں یہ غرض نہیں۔ لیکن یہ ایک ضروری امر ہے اور میں چاہتا ہوں کہ تم اس پر ضرور عمل کرو۔

ہلڈا۔ اچھا معاف کیجئے میں یہ نیکیاں اور خوبیاں سیکھنا نہیں چاہتی۔ میں اپنی موجودہ حالت میں ہی خوش ہوں۔ بلکہ میری یہی تمنا ہے کہ تم میرے ساتھ اسی طرح پیش آؤ۔ جس طرح تم کمانے سے پہلے تھے۔

سیسل۔ جان من! میں کبھی تم سے سختی سے پیش آنا نہیں چاہتا۔ لیکن ہماری اُسوقت کی اور اسوقت کی حالت میں ضرور فرق آگیا ہے۔ میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ ہماری آمدنی اب بہت بڑھ گئی ہے اب تمہاری سب خواہشیں پوری ہو جائینگی اور میں تمہیں جو کچھ تم ہوگی لے دونگا۔

ہلڈا۔ مجھے تو تم وہی پوشاک لے دو۔

سیسل۔ خیر اس کی چنداں ضرورت نہیں۔ ایک غریب آدمی کو تو ضرور اچھا لباس پہننا چاہئے اس کے بغیر اعتبار نہیں جمتا اور قرض کے ملنے میں بھی بہت

آسانی ہوتی ہے۔ لیکن اب قرض کی ضرورت ہی نہیں رہی۔ اِس لئے سردست لباس کی طرف اس قدر فوری توجہ بیفائدہ ہے۔

ھلڈا۔ یہ کیا بیہودگی ہے؟

سیسل۔ مجھے یاد ہے ایک ملکہ کی نسبت میں نے کہیں پڑھا تھا۔ کہ اس کے کپڑے ایسے میلے کچیلے اور پھٹے پرانے ہوا کرتے تھے کہ بہت سی عورتیں اُسے مفلس سمجھ کر پیسے دے دیا کرتی تھیں۔

ھلڈا۔ کیا ذرا سی [illegible] ایسا نہیں۔

سیسل۔ غالباً اسکو نئے کپڑوں سے نفرت ہوگی ورنہ کیا اسے نئے کپڑوں کی توفیق نہ تھی یا کچھ اور غرض اپنا اپنا مذاق ہے۔

ھلڈا۔ میں تو پرانے کپڑے نہیں پسند کرتی اور خدا کے فضل سے مجھے توفیق حاصل ہے کہ نئے کپڑے بنوا سکوں۔

سیسل۔ میری جان میں یہ ہرگز نہیں چاہتا کہ تمہاری کوئی خواہش پوری نہ ہو میں تو یہ کہتا ہوں کہ ذرا کی ذرا تم ٹھہرو اور تھوڑی دیر اور انتظار کرو۔

ھلڈا۔ لیکن میں تمہیں یقین دلاتی ہوں کہ وہ ڈریس جسکی مجھے ضرورت ہے میرا انتظار نہ کریگا۔

سیسل۔ تو وہ ڈریس کیا پھر نہیں مل سکتا۔

ھلڈا۔ ہاں باتوں سے مجھے تمہاری صورت سے نفرت ہوتی جاتی ہے۔ مجھے اس بات کا یقین نہیں رہا کہ تمہارے دل میں میری محبت اتنی بھی باقی رہی ہو جتنی اگر [illegible]

سیسل۔ کیا خوب! محبت و شان آمیز نہیں ہو سکتا کہ میں سب کام تمہارے

منشا کے مطابق ہی کروں۔ تمہاری درخواست کا نامنظور کرنا ہی اکثر اوقات اس امر کی بیّن شہادت ہے کہ مجھے تم سے کیسی غضب کی محبت ہے۔ اور میں یقین کرتا ہوں کہ اس قسم کی ذرا ذرا سی تکرار رنجیوں سے ہماری اس گہری محبت اور رشتہ یگانگت میں کسی قسم کا فرق نہ آسکیگا۔

ھلڈا۔ میں باز آئی اس گہری محبت سے جناب عالی! رشتہ محبت ہرگز ایسا مضبوط نہیں کہ ٹوٹ ہی نہ سکے۔ یہ تو ایسا کچا دھاگہ ہے۔ جو ذرا سی کشید کی سے کئی ٹکڑے ہو سکتا ہے۔ ہاں یہ رشتہ اسوقت تک نہیں ٹوٹ سکتا جب تک دونو طرف سے ڈھیلا چھوڑا ہوا ہے۔

سیسل۔ میں تو اب تمہاری صورت دیکھنے سے بھی بیزار ہوں۔ افسوس تم بڑے عیار نکلے۔

سیسل۔ عیار۔ خدا بہتر جانتا ہے کہ میں نے تمہارے ساتھ کیا عیاری کی ہے۔ لیکن اس شخص کے لیے جو نہ صرف ایک دیوان ایک ناول اور ایک ڈرامے کا مصنف ہو بلکہ اپنے چچا کے ورثے سے تین لاکھ روپیہ کا بھی مالک بنا ہو۔ بیشک اس کے لئے ایسے الفاظ ناقابل برداشت ضرور ہیں۔ اور تم اسی کو عیار کہتی ہو۔

ھلڈا۔ جانے میری بلا کہ تمہارے چچا کون تھے۔ مجھے ان کی کیا پروا ہے میں کیا جانتی ہوں کسی کو۔ غرض۔ تم بڑے چالاک دھوکے باز اور فریبی شخص ہو۔ میں تمہاری ان سب کتابوں کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتی ہوں۔ لو۔ خدا کی شان تم ابھی سے اس قدر مغرور ہو گئے۔ ابھی تو تم نے روپے کی صورت بھی نہ دیکھی جب ہی دیکھو لوگے تو خدا جانے پھر کیا قہر توڑو گے۔ ستیاناس جائے اس روپے کا جس نے تمہارا سر پھرا دیا۔

سیسل - دیکھو - دیکھو [illegible] علیہ السلام کی شان میں ایسے الفاظ کہہ - آجکل [illegible]
کی توہین کفر میں داخل ہے -

ہلڈا - اوہ - میں اس کی ذرہ بھی پروا نہیں کرتی - تم [illegible]
جیسے [illegible] اور تم حفظ رکھو [illegible] بات سے [illegible]
کہ بات بات میں اپنا چھوٹا پن ثابت کر رہے ہو - [illegible]
[illegible] کیا [illegible] اور [illegible]
[illegible] تو مجھے یقین ہے کہ [illegible]
تم کتنے نکتے [illegible] تمہارا تعلق [illegible] منقطع ہو جائے گا -

سیسل - تم نے تو [illegible] آگ لگا رکھی ہے

ہلڈا - ہاں - کیا تمہیں یہ دیکھ کر تعجب نہیں ہوتا کہ [illegible]
میری عمر بھر کی [illegible] پر پانی پھیر دیا - میری تمام آرزوئیں خاک میں مل گئیں - [illegible]
کا خون ہو گیا - کیا تم نہیں جانتے کہ اس ایک واقعہ نے میرے تمام عیش کو منغض کر دیا -
اس سے پیشتر [illegible] تھے [illegible] مفلس تھے - قلاش تھے [illegible] زندگی
[illegible] تھے -

ایسے ہی موقعے تو ہوتے ہیں جہاں انسان کی شرافت اور اصالت کا امتحان
ہوتا ہے - کتنے کم ظرف کا پیٹ پھٹ جاتا ہے - دماغ میں [illegible] اور
وہ اپنی پہلی [illegible] زندگی کی حالت کو بھول کر غرور و نخوت کی پٹی اپنی آنکھوں پر [illegible] لیتا ہے -

سیسل - دیکھو ہلڈا - تم مجھ کو برا بھلا کہہ لو لیکن [illegible] اس
غریب نے تمہارا کیا بگاڑا ہے - وہ واقعی ایک [illegible] تھا -

ہلڈا - خیر میں یہ باتیں نہیں جانتی - ذرا سمجھاؤ تو انہوں نے کونسی ایسی قابل تعریف

بات کی تھی۔

سیسل۔ واہ۔ اُس نے میرا دیوان خرید لیا اور ابھی اُس نے کوئی اچھا کام نہیں کیا

ہلڈا۔ روپے کا یہ استعمال آپ قابل تعریف سمجھتے ہونگے لیکن میرے خیال میں تو اُس نے ضائع ہی کیا۔ اس پر بھی تم کہتے ہو کہ وُہ بڑا نیک اور دانا آدمی تھا۔ مجھے تو یہ یقین ہے کہ شاید آیندہ وہ تمام بھی ویسے ہی بن جائینگے۔

سیسل۔ میرے خیال میں اس بحث کو اب چھوڑ دیا جائے۔ اس میں کچھ فائدہ نہیں ہلڈا! میں تم سے پوچھتا ہوں۔ تمہیں اپنے خاوند کی اطاعت کا کچھ بھی خیال ہے جو تم پر فرض ہے۔؟

ہلڈا۔ چھ چھ۔ تم ایک نہایت بیوقوف سڑی خودغرض اور خودرائے شخص ہو میں تم سے نفرت کرتی ہوں۔

(ہلڈا باہر چلی جاتی ہے)

سیسل۔ (دل ہی دل میں) افسوس۔ غریب ہلڈا! یہ انقلابات واقعی ایک عورت کی عقل کو چکرا دیتے ہیں۔ واقعی تین سو روپیہ ماہوار سے بیس ہزار روپیہ ماہوار کی ترقی ایک بھلے چنگے مرد کو حیران کر دیتی ہے تو یہ پھر عورت ہے۔ البتہ مجھے اس بات کا ضرور رنج ہے کہ میں نے اسے ناراض کر دیا۔ میں اس طرح روپے کے لئے وہاں جاکر تقاضا کرنا بھی بہت معیوب تھا۔ گویا انکو یہ جتانا ہے کہ میں نے روپیہ کی صورت تو کبھی نہیں دیکھی۔ روپیہ کو معمولی نظر سے میں وہاں جاؤنگا اور سرسری طور پر کہہ دونگا۔ (او ہو! اچھے وقت یاد آیا) ہاں صاحب! وہ کچھ روپیہ ہمارا آپ کے پاس بھی ہے نا۔ گویا میں اس طرح طلب کرونگا جس طرح کسی کی چھتری کسی کے ہاں رہ جاتی ہے۔ اور وُہ اس کے متعلق پوچھتا ہے۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ روپیہ جس وقت ملا ہی کے

سنبھالنے میں ضرور دقت ہوگی۔ خرچ کرنے میں بھی ایک اُلجھن ہوگی۔ اور جس وقت روپیہ پاس آیا تو ہزاروں جھمیلے اور خدشے اس کے ساتھ آئے۔ مثلاً کہیں نقب زنی کا اندیشہ کہیں سوداگروں کی کمپنیاں انکے حصوں کے خرید کرنے کے لئے مجبور کرینگی نگی دیکھ بھال اور پھر ان ناپسند کمپنیوں سے روپے وصول کرنے کی غرض سے وکیلوں کی فیسیں۔ پھر کہیں قرض مانگنے والوں کی بھرمار ۔۔۔ بڑے مہذب گداگر آئینگے ۔ پھر دنیا میں ہر شخص میرا رشتہ دار بنجائیگا۔ غرضکہ بہت سی مصیبتیں نظر آتی ہیں۔ اور ہلڈا ہے جو ہر وقت لڑتی جھگڑتی رہیگی۔ اس سے تو بہتر ہوتا کہ چچا مجھے اپنا وارث نہ بنانے کا اب کیا کیا جائے۔ مرحوم کی دلشکنی بھی تو میں نہیں کرسکتا۔ اچھا جس طرح ہوگا تیس لاکھ روپیہ سنبھال لونگا۔

ہلڈا! ہلڈا! بات تو سنو۔

(ہلڈا اندر آتی ہے)

ہلڈا۔ کیوں کیا کہتے ہو۔

سیسل۔ میں تم سے یہ پوچھتا ہوں کہ ہم روپے کو کس طرح استعمال میں لائیں۔

ہلڈا۔ وہ روپیہ کیا مل گیا ہے؟

سیسل۔ ابھی تو نہیں۔

ہلڈا۔ میں تو یہی کہتی ہوں کہ ابھی اور انتظار کرو۔ پہلے روپیہ تو مل لے۔

سیسل۔ لیکن روپیہ تو بہرحال دو چار گھنٹے میں ہمیں مل ہی جائیگا۔

ہلڈا۔ دو چار گھنٹے تک۔ ملا تو کیا فائدہ۔ میں پہلے بھی کہہ چکی ہوں کہ میرے لئے بھر بے سود ہوگا۔

سیسل۔ اچھا پیاری یہ تو بتاؤ کہ تمہاری سیر و تفریح کی نسبت کیا رائے ہے۔

ہلڈا - یہ تو تم جانتے ہو کہ مجھے سیر و تفریح کی کس قدر رغبت ہے۔ افسوس تم یہ ذکر ہی چھیڑ کر کیوں میرے دل میں آگ لگاتے ہو۔

سیسل - اچھا اب تیار ہو جائیے ہم عنقریب چلینگے۔

ہلڈا - تو ضرور میں آجکل سفر نہیں کر سکتی - معاف رکھئے۔

سیسل - تو تم پھر کیا چاہتی ہو ؟

ہلڈا - آپ کی خواہش - اور اس کے سوا کچھ نہیں چاہتی۔

سیسل - پھر بھی بتاؤ تو سہی تم بگڑ کیوں گئیں۔

ہلڈا - میں تو یہی چاہتی ہوں کہ تم پھر ویسے غریب ہو جاؤ۔

سیسل - میں بھی یہی چاہتا ہوں۔ واقعی امیر بننے کی مجھ میں بھی توفیق نہیں اس میں بہت جھگڑے ہیں۔ روپے کی خواہش اور ضرورت تو ہر شخص محسوس کرتا ہے لیکن جب روپیہ مل جائے تو اس کے استعمال اور انتظام کے لئے ہر شخص اہل نہیں ہوتا۔ جب سے یہ سنا ہے کہ میں تیس لاکھ کا مالک ہو گیا ہوں۔ میں کیا بتاؤں۔ ہزار ہزار قسم کے افکار میری جان لئے لیتے ہیں۔ مگر اب کیا کریں۔ اب تو ہم مالک بن چکے۔ ہائے افسوس۔ اگر چچا مرحوم وصیت کرنے سے پہلے مجھ سے استمزاج کر لیتے تو میں انکا وارث ہونا ہرگز قبول نہ کرتا۔ مگر اب مجبور ہوں۔ انکی وصیت کا پاس اور اپنے چچا کی اطاعت اس امر کی مقتضی ہے کہ میں چار و ناچار طوعًا کرہًا یہ تیس لاکھ روپیہ اپنے مصرف میں لاؤں۔

ہلڈا - یہ باتیں تو میں جانتی نہیں۔ ہاں اتنا جانتی ہوں کہ ہم مفلسی کی حالت میں اس سے بدرجہا خوش تھے اور اب ایک مصیبت میں مبتلا ہو گئے ہیں۔

(ہلڈا رونے لگتی ہے)

سیسل- تمہیں اب میرے چچا کا ماتم اور سوگ یاد آیا ہے- خیر اچھے موقع پر خیال آگیا- بیشک روپیہ ملنے سے پیشتر ہی چاہئے تھا تاکہ روپیہ تو ہم پر حلال ہو جاتا-

ہلڈا- ہیں! آگ لگے تمہارے چچا کو- اس منحوس نے تیس لاکھ روپے دیکر ہمیں اس نوبت کو پہنچا دیا ہے-

سیسل- پھر تم وہی باتیں کرنے لگیں-

(اتنے میں گھنٹی کی آواز ان کے کان میں آئی)

ہلڈا- یہ کون ہے- میں جاکر دیکھتی ہوں-

(ہلڈا جاتی ہے)

سیسل- آج کے بعد ہمارے پہلے دوستوں میں سے کوئی گھنٹی نہ بجائیگا- اور ہمیں اپنی ملاقات سے دق نہ کریگا- بس اب جسوقت یہاں سے ہم نکلے ہم الگ تھلگ مرے کرینگے- ہمیں اب کسی کی ہمدردی کی ضرورت نہیں-

(ہلڈا داخل ہوتی ہے)

ہلڈا- ایک چپراسی یہ چٹھی گرین فیلڈ کمپنی سے لایا ہے- میرے خیال میں اب تمہاری چچی مرگئی ہونگی- کہو اب کتنے کے وارث ہوئے- اس چٹھی کو کھولکر دیکھو تو سہی

سیسل- (خط کھولکر) پڑھنے لگتا ہے-

جناب مکرم بنٹ

ہمارے موکل...... مطبع والوں نے ہمیں اطلاع دی ہے کہ انکو آپ سے ۶۰۰ روپے بابت اجرت چھپائی لینے ہیں- اگر آپ تین دن تک یہ روپیہ بذریعہ چک ہمارے پاس نہ بھیجینگے تو ہم کو اختیار ہوگا کہ ہم بذریعہ عدالت چارہ جوئی کرکے یہ رقم آپ سے وصول کریں- حساب ملاحظہ فرمائیے-

گرین فیلڈ کمپنی

درست۔

هلڈا۔ کیا کوئی اور تار آیا؟

سیسل۔ نہیں ابھی تو اُس نے دھمکی دی ہے بلکہ ایک بڑا لطیفہ (مذاق) کیا ہے۔ گرین فیلڈ کمپنی واقعی خوب کاروبار کرتی ہے۔ اس میں کسی کی رو و رعایت نہیں ہوتی۔ اب خیال کیجئے اسی کمپنی کے پاس ہمارے تیس لاکھ روپیہ جمع ہیں اور یہی کمپنی ہم سے ۶۰۰ روپیہ طلب کرتی ہے۔ واقعی ایسا ہی ہونا بھی چاہئے۔ جس وقت اُنہوں نے یہ خط لکھا ہوگا دل میں کیا کہتے ہونگے۔ کہ ابھی تو ہم نے انکے تیس لاکھ روپے کی انکو اطلاع کی ہے اور ابھی ہم ۶۰۰ روپیہ کا تقاضا کرتے ہیں۔

هلڈا۔ ہاں مگر یہ ایک اور خط بھی تو ہے سیسل!

سیسل۔ لاؤ وہ بھی دیکھیں۔

جناب مکرم بندہ

بجائے اس چٹھی کے ہمارے محرر نے غلطی سے آپکو وہ خط بھیجدیا ہے جس میں تیس لاکھ روپے کے ملنے کی اطلاع ہے۔ وہ خط کسی اور صاحب کے لئے تھا اور آپ کے لئے یہ خط ہے جو ہم اب بھیجتے ہیں۔ اُمید ہے کہ آپ ہمیں اس اتفاقیہ غلطی کے لئے معاف فرمائینگے اور یقین ہے کہ آپ کو اس غلطی سے کوئی تکلیف نہ ہوئی ہوگی +

گرین فیلڈ کمپنی

هلڈا۔ ہیں۔ غلطی؟ توکیا آسٹریلیا میں تمہارا کوئی چچا نہ تھا۔

سیسل۔ نہیں ہلڈا اُس نے میرا دیوان ہی نہ خریدا ہوگا۔

هلڈا۔ تو گویا اب تم تیس لاکھ کے مالک نہ رہے۔

سیسل۔ اب کہاں رہے اب تو میرے پاس صرف تین کتابیں اور تین سو روپیہ

ماہوار کی آمدنی ہی ہے۔ اُف کس قدر پریشانی ہوئی۔ بس اب تم میرے چچا کا بھی نام نہ لینا۔ مجھے اُس سے کیا غرض۔

ھلڈا- ہاں ہاں سیسل! اب رنج نہ کرو۔ مَیں بہت خوش ہوں۔

سیسل- واہ تم خوش ہو۔ تیس لاکھ روپیہ ہمارے ہاتھ سے جاتا رہا۔ بنا بنایا کھیل بگڑ گیا۔ ہلڈا اصل میں تمہارے ہی فضول جھگڑوں نے رنگ میں بھنگ ڈالدی۔

ھلڈا- اب کیا ہے خیر سیسل! اگر تم واقعی امیر ہو جاتے اور مجھ کو وہ ڈریس نہ لیکے دیتے تو مَیں تمہارا قصور کبھی نہ معاف کرتی۔ ہماری محبت میں ضرور فرق آجاتا۔ اور یہ بات کبھی نہ رہتی۔

سیسل- کیا واقعی یہ بات ہے؟

ھلڈا- اب چونکہ تمہارے پاس روپیہ نہیں ہے اس لئے اب مَیں وہ پوشاک تم سے نہیں مانگتی۔

سیسل- ہاں۔ میری جان مَیں یقیناً لکھ پتی ہونے کے لئے نہیں بنایا گیا۔

ھلڈا- خدا کا شکر ہے کہ ہم پھر ویسے ہی ایک دوسرے کے چاہنے والے ہیں۔ خدا ایسی دولت ہمارے نصیب میں نہ کرے جو ہمارے تعلقات میں مخل ہو۔ ہمارے لئے افلاس ہزار درجے مُبارک ہے۔ سچ یہ ہے کہ اگر بیوی اپنے خاوند سے تنگدستی اور افلاس میں محبت کرے تو وُہ یقینی سچی محبت ہو۔ ورنہ امیروں سے محبت کون نہیں کرتا۔ وُہ تو روپیہ دیکر انسان کو خرید لیتے ہیں۔

سیسل- ہمیں تو اپنی روکھی سوکھی پسند ہو۔ ہم غریب سہی بلا سے۔ مگر امیروں کی طرح آئے دن کے جھگڑوں میں تو نہیں پڑتے۔

ھلڈا- یہ تو خیر تیس لاکھ روپیہ تھا اگر تیس کروڑ کے بدلے بھی ہماری محبت کوئی ہم سے مانگے تو

میں ہرگز قبول نہ کروں - ہم جب ایک دُوسرے کو پیار کر لیتے ہیں تو بس یہ سمجھو کہ دُنیا بھر کے غم غلط ہو جاتے ہیں اور طبیعت کو ایسی تسکین اور دِل کو اطمینان ہوتا ہے کہ روپے کی حرص کے پیدا ہونے کی گنجائش ہی باقی نہیں رہتی - امیر لوگ اس محبت کی قدر نہیں کرتے -

سیبل - واقعی تم سچ کہتی ہو - ہم بہت خوش قسمت ہیں - کہ یہ نعمتِ غیر مترقبہ ہمیں میسّر ہے - اچھا اب تم یہ تو بتاؤ کہ تمہارے پاس اسوقت روپیہ کتنا ہے ؟

ھلڈا - پچیس ۲۵ ہیں -

سیبل - اچھا تو چلئے کھانے سے فارغ ہو لیں اور پھر رات کو اس محلّے کو چھوڑ دیں - یہاں ہم کو قرضخواہ بہت ستانے لگے ہیں ❖

(ماخوذ) اِکرام

غزلِ اسیؔ

عشق کا عشق محبت سے محبت مجھ کو — اس قدر ذوق بلا شوق مصیبت مجھ کو
تا بکجے حسرتِ وصل و غمِ فرقت مجھ کو — اپنی ہستی سے کسی طرح ہو غفلت مجھ کو
وہ نہیں پاکیوں سے خوف نہ ہوسناکی سے — ہو گئے غیر کے اعمال نصیحت مجھ کو
ہوں گنہگار مگر حسرتِ دیدار بھی ہے — جلوہ تیرا ہو تو دوزخ بھی ہے جنت مجھ کو
میں بھی باطل میری ہستی بھی سراسر باطل — یہ سوجھائی ہے اناالحق کی حقیقت مجھ کو
خود خورشید ستاروں کو مٹا دیتا ہے — تم ہو پہلو میں تو محفل بھی ہے خلوت مجھ کو
کوئے محبوب سے کوئی بھی نکل سکتا ہے — اپنے اوہام ہوئے وادی غربت مجھ کو
کیا خبر تھی کہ اُنہیں کے ہیں کرشمے سارے — گلہ غیر کی ہے اُن سے ندامت مجھ کو
عندلیب گلِ رخسار بھی سب جانتے ہیں — تیرے پردے نے کیا بارِ فضیحت مجھ کو
بے حجابی کبھی ممکن نہیں جب تک میں ہوں — خلل انداز ہوں کر دیجئے رخصت مجھ کو
اب تو دیدار دکھا دیجئے تقصیر معاف — ہو گیا وعدۂ فردا ہی قیامت مجھ کو
کیوں نہ ہوں خاکِ درِ دوست کہ پھر خاک نہ ہوں — اسیؔ اپنی بھی نہیں خاک محبت مجھ کو

یتیموں کی فریاد

یہ وہ دردناک نظم ہے جو ہمارے لطف فرما حضرت آغا شاعر صاحب قزلباش دہلوی نے انجمن حمایت اسلام لاہور کے گذشتہ اجلاس میں پڑھی۔ جسوقت آغا صاحب نظم پڑھ رہے تھے اُسوقت ایک عجیب سناٹے کا عالم تھا اور سامعین نے نہایت توجہ اور دلچسپی سے اس نظم کو سُنا۔ حاضرین جلسہ میں سے شاید ہی کوئی دل ایسا ہوگا جو متاثر نہ ہوا ہو۔ اس گداز نظم میں جو درد اور تاثیر ہے اسکا احساس خود ناظرین مخزن کو ہو جائیگا۔

اِک دن اچانک شام کو مَیں اِک خرابے کے قریں — جا نکلا اپنی فکر میں مستغرق و اندوہگیں
رُک رُک کے پڑتے تھے قدم تھم تھم کے اُٹھتی تھی نظر — مُنہہ تک ہی تھی اشک کا دامن سے پہلے آستیں
بوجھل طبیعت تھی بہت بھرتا چلا آتا تھا دل — مَیں پاؤں رکھتا تھا کہیں کمبخت پڑتا تھا کہیں
ناگاہ دو بھائی بہن بیٹھے ہُوئے آئے نظر — گردِ یتیمی بر سر و آثارِ غربت بر جبیں
کپڑے پھٹے ناخن بڑھے اُلجھے ہوئے تھے سر کے بال — چہروں کی رنگت زرد تھی جسطرح ہلدی کی زمیں
آنکھوں میں آنسو ڈبڈبائے مظلوم صورت ہائے ہائے — تقدیر جو چاہے دکھائے کہتے تھے یہ وہ نازنیں
ماں باپ کا سایہ اُٹھا بچپن میں لاوارث ہُوئے — اپنا نہیں کوئی رہا اب یا الٰہ العالمیں
ہم پر تو دُنیا تنگ ہے یارب کہاں جاکر رہیں — پڑ رہنے کو بھی رات کے کوئی ٹھکانا اب نہیں

ویرانہ ہے ڈر لگتا ہے جنگل بڑا سنسان ہے
کیڑے پتنگے سے یہاں گھبراتی اپنی جان ہے

بولی بہن بھائی نہ رو اماں نہیں تو غم نہ کھا — لے اوڑھنی میری بچھا دن بھر پھرا ہے لیٹ جا
آ بھیا میری گود میں! آ بھیا میری گود میں! — لے آکے سو جا گود میں آرام تو کرلے ذرا
قربان جاؤں میں ترے بھائی بہت بھوکا ہے تو — ہمت ہے تو چل اُٹھ چلیں لے آئیں ٹکڑا بھیک کا

بستی یہاں سہی پاس ہے پھر کیوں تجھے وسواس ہے — ہے سانس جب تک آس ہے گھبرا نہ میں تجھ پر فدا
مانا اندھیری رات ہے اپنا یہ کچا ساتھ ہے — سر پر خدا کی ذات ہے حامی ہے وہ ہر ایک کا
ٹھوکر لگے جو راہ میں انگلی پکڑ لینا مری — کہتے ہیں ہوتا ہے بہت تنکے کا بھی تو آسرا
شاید کہ ملجائے کہیں اللہ کا بندہ کوئی — یہ آگ دوزخ کی بجھے اس آتما کی لے دعا
اولاد والے تو بہت ہوتے ہیں بھائی کیا کہوں — لیکن وہی ہے ایک دل جس دل میں ہو خوفِ خدا

شاید کسی انسان کی بھی شکل انسانوں میں ہو
شاید کوئی دھرماتما ہندو مسلمانوں میں ہو

لڑکے نے پہلے تو سنا خاموش اس تقریر کو — پھر یوں تسلی دی بہن منہ چوم کر ہمشیر کو
بھیا ترے اس پیار سے ماں باپ یاد آتے مجھے — لازم ہے میں پوجا کروں اماں کی اس تصویر کو
گو بھوک سے ہوں میں نڈھال لیکن ہے اسکا بھی خیال — زخم جگر سے میں بھلا کھینچوں گا کیونکر تیر کو
تیرِ ملامت کونسا؟ یہ بھیک اپنا مانگنا — مجھ سے نہ ہوگا اے بہن سمجھو میری تقریر کو
گو تم سے چھوٹا ہوں بہت لیکن بڑی یہ بات ہے — مانگے سے ہاتھ آئے جو شے تھوکو بھی اس اکسیر کو
جس نے ہمیں پیدا کیا منہ پھیرا ہے بہرِ غذا — بدلے وہی تقدیر کو جس دے وہی تدبیر کو
بہتر ہے اسکا نام لیں اس سے ہی رو رو کر کہیں — پہنچائے وہ ہی قوم تک اس نالۂ شبگیر کو
وہ ہی ہماری آہ میں دیگا اثر پیاری بہن — شاید سنیں کچھ اہلِ دل دردِ دلِ دلگیر کو

ہم ننھے ننھے ہیں وطن دل کا کہا کہنے کو ہیں
جس سے کہ ٹکڑے ہو جگر وہ مدعا کہنے کو ہیں

ایمان والو چین سے بیٹھے ہوئے ہو اپنے گھر — ہے کیا ضرورت یہ تمہیں لو دردمندوں کی خبر
تم پیٹ بھر کر کھاتے ہو تم ٹھنڈا پانی پیتے ہو — ہم بھوک پیاس سے پھر رہے ہیں مارے مارے دربدر
پہنو لباسِ فاخرہ اچھی سی ہو اچھی قبا — ہم کو تو بھی دیکھو ذرا چیتھڑا نہیں ہے جسم پر

تم اُونچے محلوں میں ہو پھر روشنی بجلی کی ہو
ہم کو ہیں قبروں کے گڑھے ہم سے تو اچھے جانور

وہ نرم بستر اور تم یہ خاک پتھر اور ہم
انصاف کہتے ہیں اسے کیوں جی ملاؤ تو نظر

اولاد والے تم بھی ہو رکھو کلیجے پر تو ہاتھ
ہم کس کے جینے سے لگیں کس کو کہیں مادر پدر

بچے تمہارے خوش ہیں کرتی ہیں وہ کیا کیا ضد یہاں
ہم جھڑکیاں کھاتے پھریں آخر یہ کیوں کس جرم پر؟

ہم بھی خدا کی جان ہیں کچھ بھی سہی انسان ہیں
پھر صاحب ایمان ہیں ایمان کی تو لو خبر

ہم واجب الامداد ہیں حق ہے ہمارا بھی جناب
صورت سے کیوں بیزار ہو بھولے ہو کیا اُم الکتاب

مذہب بدل لیں کیا کریں کچھ اور ہی کہلائیں ہم
تم تو نہیں سنتے ذرا آخر کہاں مر جائیں ہم

ناٹک میں ناچیں کیا کریں سیخا نو کی چلمیں بھریں
یا جھوٹے ٹکڑوں سے دلیں بھوکے ہوں تو کیا کھائیں ہم

چوری کا پیشہ ڈال لیں یا داؤں جا جا کر یہ دیں
عریاں ہیں تن کیونکر ڈھکیں چادر کہاں سے لائیں ہم

فاقوں سے ہیں ہم نیم جاں گن لو ہماری پسلیاں
محنت کے ہم قابل کہاں اٹھ اٹھ کے جب گر جائیں ہم

کہتے ہیں آسائش کسے ہم جیسے آئے تھے چلے
پیدا ہوئے تو کس لئے کس کام کو دکھلائیں ہم

جب دل ہمارا ہل گیا تو عرشِ اعظم ہل گیا
قدسی تڑپ جائیں ابھی آنسو اگر بھر لائیں ہم

اللہ کے پیارے ہیں وہ جو پیار کرتے ہیں ہمیں
تم سمجھے بوجھے آپ ہو کس طرح سے سمجھائیں ہم

تم سایۂ دامن میں لو تم ہاتھ تو سر پر رکھو
خوفِ خدا کچھ تو کرو ایسا نہ ہو مٹ جائیں ہم

شاعر سے پوچھو تو ذرا یہ کام بھی عقبیٰ کا ہے
کیجے بھلا ہو گا بھلا دستور یہ دنیا کا ہے

آغا شاعر قزلباش دہلوی

کلیجے کا داغ

میری دُعا کو بابِ اجابت ہی بند تھا
زینہ نہ بامِ عرش کا اِتنا بلند تھا
اچھا ہُوا کسی سے نہ ۔ وہ دردمند تھا
تیرِ اجل کو آہ ! نہ درماں پسند تھا

دھڑکن گئی نہ دل کی ۔ نہ دردِ جگر گیا
بالیں سے نااُمید تری چارہ گر گیا

آنکھوں کا نور ۔ رُخ کی صباحت کدھر گئی
وُہ آہ ! تیری چاند سی صُورت کدھر گئی
بچپن کے مُسکرانے کی عادت کدھر گئی
ہونٹوں کی لال لال وہ رنگت کدھر گئی

ہونٹوں پہ اب ہنسی ہے ۔ نہ جُنبش زبان کو
کیا جانے کیا ہوا مری ننھی سی جان کو

جیسے خزاں میں پھُول سے نکہت اُڑی ہوئی
چہرے سے آہ ! یُوں ہے صباحت اُڑی ہوئی
رُخ سے گلاب کی سی ہے رنگت اُڑی ہوئی
دِل سرد ۔ جسم سے ہے حرارت اُڑی ہوئی

آنکھیں کنول سی ہیں ۔ نہ وُہ چہرہ ہے پھُول سا
لوگو ! ہے آج کچھ مرا ننھّا ملول سا

مجھ کو خبر نہ تھی کہ یہ ظالم کمیں میں ہے
پنہاں اجل کا دستِ ستم آستیں میں ہے
قالب یہاں ہے ۔ رُوح بہشتِ بریں میں ہے
آنکھوں میں نُور ہے ۔ نہ صباحت جبیں میں ہے

زانو پہ سو گیا مرے سر رکھ کے آہ تو
کھولیگا آنکھ کب مرے نورِ نگاہ تو

مجھ کو مگر ہے آہ ! وُہی مامتا تری
گو مجھ سے اب نگاہ نہیں آشنا تری

اگلی سی وہ اگرچہ نہیں ہے ادا تری — اِس غم میں بھی شبیہ ہے تسکیں فزا تری
تو کوئی دم میں خاک کا پیوند ہی سہی
بوسے تو لے رہی ہوں میں لب بند ہی سہی

صبر و سکوں کا کر نہ سفینہ تباہ تو — ماں کا سمجھ کے توڑ دلِ داد خواہ تو
سب نورِ آنکھ ہے مرے نورِ نگاہ تو — یعنی ہے مجھ غریب کا روزِ سیاہ تو
مَیں نے سمجھ کے خاک کا پُتلا زمین کو
حافظ خدا ترا تجھے سونپا زمین کو

ایذا سے جانِ زار جو کاہش طلب رہی — دن بھر پسر کی یاد میں مَیں مضطرب رہی
جب نصف شب گزر گئی - اور نصف شب رہی — دِل میں نہ آہ! طاقتِ رنج و تعب رہی
نیند آ گئی تو طرفہ تماشا نظر پڑا
اک کُنجِ پُر فضا لبِ دریا نظر پڑا

پچھلے پہر کا وقت تھا - جاں بخش تھی ہوا — اور میرے ساتھ تھا مرا ننّھا ٹہل رہا
صورت تھی پیاری پیاری وہ معصوم دلربا — اِک پھول تھا گلاب کا گویا کھِلا ہوا
پھولوں کی بو سے بادِ صبا عطر بیز تھی
سر پر شعاعِ نور کی اِک جلوہ ریز تھی

چہرے پہ نور کی جو کرن تھی چمک رہی — تھی گورے گورے گالوں پہ سُرخی جھلک رہی
وقتِ خرامِ ناز کمر تھی لچک رہی — شبنم اُدھر گلاب تھی رُخ پہ چھڑک رہی
رُخ پر جو چاندنی نے اُجالا تھا کر دیا
مکھڑے کا اور حُسن دوبالا تھا کر دیا

کہتا تھا مسکرا کے - مجھے یوں دکھا کے پھول — کس رنگ کے یہ گل ہیں یہ ہیں کس ادا کے پھول

کلیاں گلاب کی ہیں۔ نہ یہ موتیا کے پھول — دلکش عجب ہیں اس چمنِ دلکشا کے پھول
دُنیا کی ہی ہوا اُنہیں چھو بھی نہیں گئی
اُڑ کر ہے اُنکی غارتِ بو بھی نہیں گئی

اس کُنجِ دلنشیں کی ہے آب و ہوا پسند — دُنیا کی اب نہیں مجھے اماں! ادا پسند
ہو جس کو خلد کا چمنِ دلکشا پسند — کانٹوں کو دہر کے وہ کرے آہ کیا پسند
دُنیا سے آہ! اب مجھے دلبستگی نہیں
مَیں شاد ہوں کہ مجھ کو غمِ خستگی نہیں

مَیں جانتا ہوں ضبط کی عادت ہے کم تمہیں — برسوں رُلائیگا مرے مرنے کا غم تمہیں
ڈھارس بندھاؤ دل کو عبث ہے الم تمہیں — رونا نہ اب مجھے۔ مرے سر کی قسم تمہیں
اشکوں سے میرے غم میں نہ آنکھوں کو تر کرو
دُنیا میں کچھ دنوں خوش و ناخوش بسر کرو

(ماخوذ از انگریزی) سرور جہان آبادی

شاخِ بریدہ

اک روز گلستاں میں جو میرا گذر ہوا — لطفِ بہار و منظرِ بستاں تھا دلکشا
جادو بھرا تھا گل کا اُدھر حُسنِ جانفزا — بلبل اِدھر ترانۂ اُلفت سے خوش نوا
سبزے کا فرش بادِ بہاری بچھا گئی
شبنم بھی موتیوں کا خزانہ لٹا گئی

کلیاں تھیں اک ادائے تبسم دکھا رہی — تھیں مسکرا کے بلبلاں گویا گرا رہی
بادِ صبا انہیں تھی کبھی گدگدا رہی — منہ چوم کر کبھی تھی گلے سے لگا رہی
شمشاد کے گلے کا کبھی ہار بن گئی
سنبل کے گیسوؤں کا کبھی تار بن گئی

شاخیں گلوں کی گاہ صبا تھی ہلا رہی — تھی گاہ طفلِ غنچہ کو جھولا جھلا رہی
مستانہ چال سے تھی کبھی لڑکھڑا رہی — اندازِ لغزشوں کے کبھی تھی دکھا رہی
سوسن کی ہمزباں تھی کبھی ہمکنار تھی
نسرین و نسترن کی کبھی رازدار تھی

سنبل کھڑی تھی زلف پریشاں کئے ہوئے — گیسو میں مشکِ نافہ کو پنہاں کئے ہوئے
شانوں پہ تار تار تھی پیچاں کئے ہوئے — گویا تھی قید سارا گلستاں کئے ہوئے
سو سو طرح کا پیچ تھا ایک ایک بال میں
سارا چمن اسیر تھا زلفوں کے جال میں

تھیں خندہ ہائے گل میں عجب جاں نوازیاں — نالوں میں بلبلوں کے نہاں جاں گدازیاں
پیچے کے پیچ پیچ میں افسوں طرازیاں — نرگس کی چشمِ مست میں سو سحر سازیاں
کچھ کر رہی تھی غنچوں کو نرگس اشارتیں
آنکھوں سے تھیں ٹپک رہی اسکی شرارتیں

مرغانِ بوستاں بھی تھے بیتاب سر بسر — بےچین اُڑ رہے تھے چمن میں اِدھر اُدھر
گویا تھے ڈھونڈتے وہ کسی کو شجر شجر — قربان کر رہے تھے وہ دل شاخ شاخ پر
نرگس پہ نسترن پہ گل و سبزہ زار پر
شمشاد پر صنوبر و سرو و چنار پر

دھانی لباس پہنے عروس بہار تھی | زیب گلو کیے ہوئے پھولوں کے ہار تھی
ہر برگ گل سے شان جمال آشکار تھی | جوبن کے اس ابھار پہ جنت نثار تھی

شہرت بہار حسن کی تھی آسمان پر
تعریف اس کی مرغ جناں کی زبان پر

اس بوستاں کی سیر میں میں بسکہ محو تھا | پیش نظر تھی گلشن فردوس کی فضا
اک چیز پر قدم مرا ناگاہ جا پڑا | آئی صدا کہ "دیکھ تو او بندۂ خدا"

"چلیے نہ آنکھ بند کیے یوں غرور سے
اس گلستاں سے چل دیے لاکھوں حضور سے"

اس دردناک صدا نے مرا دل ہلا دیا | جھٹکی سی لگ کے خواب سے گویا جگا دیا
گلشن کا لطف سیر و تماشا بھلا دیا | پردا تھا بیخودی کا جو دل پر۔ اٹھا دیا

میں نے کہا معاف مری کیجیے خطا
ہیں کون آپ صاف مجھے دیجیے بتا؟

بولی کہ۔ حال پوچھتے ہو عاجزوں سے کیا | تم کو غرض ہے بیکسوں اور دل جلوں سے کیا
قصہ سنو گے درد کا بدقسمتوں سے کیا | کیونکر کہیں سلوک ہوا غمزدوں سے کیا

کہنے کی تاب مجھ میں نہ سننے کی آپ میں
مرغ چمن کا نغمہ نہیں اس الاپ میں

پتھر سا کس طرح دل تفتہ بنائیے | کیونکر زباں تک آتش سینہ کو لائیے
قصہ جگر کے سوز کا کیونکر سنائیے | جور و جفائے چرخ کہاں تک بتائیے

"نے دل ہوں چشم تر ہوں کہ خون چکیدہ ہوں
جو کچھ[۵۱] کہ ہوں وہ ہوں غرض آفت رسیدہ ہوں"

[۵۱] خواجہ میر درد

دل کا۔ جگر کا۔ پہلو کا سینے کا۔ جان کا — دردِ دروں سناؤں میں کس کس مکان کا
بیدرد۔ درد۔ مجھ میں ہے سارے جہان کا — کیا کچھ بیاں کروں میں ستم آسمان کا

"نے بلبلِ چمن۔ نہ گلِ نودمیدہ ہوں
میں موسمِ بہار میں شاخِ بریدہ ہوں"

فصلِ بہار کو کبھی مجھ پر بھی ناز تھا — مجھ سے نسیمِ صبح کا راز و نیاز تھا
عارض کا میرے سبزہ کبھی جاں نواز تھا — پنہاں مرے جمال میں قدرت کا راز تھا

میں بھی نشانِ رحمتِ پروردگار تھی
مجھ سے بھی شانِ حسنِ ازل آشکار تھی

گجرے مرے اتار جو لیتی کبھی خزاں — پہناتی پھر بہار نئی اور پہنچیاں
پاؤں میں میرے رہتا تھا آبِ رواں رواں — سر پر تھا میرے ابرِ بہاری کا سائباں

پھولوں سے جب بہار سجاتی مری جبیں
تاروں میں پھر نہ ہوتی تھی کیا کیا چناں چنیں

جوبن پہ میرے بزمِ گلستاں تھی زرنگار — میرے گلوں سے پُر تھا کبھی دامنِ بہار
میرے بھی پھول تھے کبھی نازک گلوں کے ہار — ممنوں کبھی مرے تھے حسینانِ گلعذار

فصلِ بہار کی میں دلارام تھی کبھی
باغِ جہاں میں میں بھی تو خوش کام تھی کبھی

القصہ گلستاں میں تھی میں بھی ہری بھری — غنچوں۔ گلوں سے رہتی تھی جھولی مری بھری
انداز میں مرے بھی تھا اعجازِ دلبری — تھی خوش نصیب میں بھی تہِ چرخِ چنبری

بے رحم باغباں نے اب خار زار میں
پھینکا ہے مجھ کو کاٹ کے فصلِ بہار میں

حالِ زبوں میں اپنا کروں ہائے کیا بیاں — عبرت فزا ہے میری مصیبت کی داستاں
گلپوشِ حسن کا صحنِ چمن میں تھا آشیاں — اب خار و خس میں اسکی ملیں ہائے ہڈیاں

اس ظلم پہ بھی جی نہ بھرا باغبان کا
گلشن سے استخواں مری گلخن کو لیچلا

زیبا نہیں غرور مبارک جمال کا — کیجے نہ اعتبار بہارِ کمال کا
کھٹکا ہے اس چمن کو خزاں کے زوال کا — ہر گل کے زیرِ پہلو ہے کانٹا ملال کا

رنگِ زمانہ گاہ چنیں است و گہ چناں
در باغِ عمر گاہ بہار است و گہ خزاں

نورتن

بازار یہاں گرم سودیشی کا رہے — ۱ — سودا جو رہے سر میں تو خویشی کا رہے
گائیں بھی جو ہندی تو اب اپنی گائیں — جو راگ رہے ساز میں ۔ دیشی کا رہے

جو دیس کا خادم رہے انسان ہے وُہ — ۲ — بن جائے جو ہمدردی جان ہے وُہ
لڑ جائے جو اپنوں کی بھلائی کے لئے — وہ جان نہیں ملک کا جانان ہے وُہ

ہو جوش جسے قوم کی ہمدردی کا — ۳ — ہے وصف اسی شخص کی پامردی کا
جو چھت کی طرح عام پہ سایہ رکھے — گرمی کا اُسے ڈر ہے نہ تو سردی کا

حکمت کے طلبگار رہو صنعت سیکھو — ۴ — طالب رہو حرفت کے ۔ تجارت سیکھو
گر جسمِ ترقی کی بقا ہو منظور — ان چار عناصر کی حفاظت سیکھو

جو بارِ بھلائی کا اُٹھا لیتے ہیں — ۵ — وُہ خاک کو اکسیر بنا لیتے ہیں

۵ سودیشی سے ہماری [illegible] بھلائی [illegible]

[illegible] میں جو سُرمے کی طرح اَے طالبؔ — آنکھوں سے انہیں لوگ لگا لیتے ہیں
[illegible]ن سے کہاں مُلک بنا کرتا ہے ۶ سو جمع ہوں تب نفع ہوا کرتا ہے
تنکے سے صفائی نہیں ہوتی طالبؔ — جاروب سے گھر پاک ہوا کرتا ہے
دھیان اپنی غرض کا ہمیں سو جان سے ہو ۷ آرائشِ تن شوق سے ہو شان سے ہو
کچھ قوم کی حالت نہ سنوارے کوئی — صد حیف کہ یہ کام نہ انسان سے ہو
جس مُلک کے ہو اُس کو بگاڑو نہ کبھی ۸ جس ڈال پہ بیٹھو اُسے کاٹو نہ کبھی
رہنا سیکھو دیا سلائی کی طرح — جس گھر میں رہو اُس کو جلاؤ نہ کبھی
تم دین کے جھگڑے نہ نکالو پہلے ۹ دُنیا کو مگر اپنی سنبھالو پہلے
مسجد میں دیا جا کے جلانا پیچھے — اپنے گھر میں دیا جلا لو پہلے

(طالب بنارسی از بمبئی)

کبھی کی یاد

گئے وہ دن کہ مجھ کو روز و شب آرام رہتا تھا — یہی آرام تھا اِک کام جس سے کام رہتا تھا
مری تصویر سے ظاہر تھی اک صورت مسرت کی — مسرت صاف تھی تصویر گویا میری صورت کی

مجھے مسرور رکھتا تھا خیالِ خوابِ روحانی
نسیمِ آرزو کرتی تھی کیا کیا گوہر افشانی

تماشائے تجلی تھا زبس مدِ نظر مجھ کو — جمالِ یار کا آئینہ تھا دیوار و در مجھ کو
فروغِ دیدِ بینش مری نظروں میں پنہاں تھا — نظارہ ماہِ کنعاں کا مرا خوابِ پریشاں تھا
مے و ساقی کی پروا کیا کرے آئینِ مشتاقی — خیالِ یار تھا مے اور ہوائے یار تھی ساقی
شرابِ بیخودی چلتی تھی ہر دم میری محفل میں — اُٹھاتا تھا قیامت اشتیاقِ آشنا دل میں

چمن تھا میرا مسکن گل مرے ہمراز تھے سارے
تکلف برطرف معشوق کے انداز تھے سارے
نہ تھی کچھ فکر مستقبل نہ کچھ اندیشۂ ماضی
دل اپنے حال سے خوش تھا میں اپنے حال سے راضی
برنگ طائر گلشن کہ ہو مصروف گانے میں
مزے آتے تھے بس مجھکو محبت کے ترانے میں

([illegible])

غزل اقبال

زمانہ دیکھے گا جب مرے دل سے محشر اٹھیگا گفتگو کا
مری خموشی نہیں ہے گویا مزار ہے حرف آرزو کا

جو موج دریا لگی یہ کہنے سفر سے قائم ہے شان اپنی
گہر یہ بولا صدف نشینی ہے مجھکو سامان آبرو کا

نہ ہو طبیعت ہی جنکی قابل وہ تربیت سے نہیں سنورتے
ہوا نہ سرسبز رہ کے پانی میں عکس سرو کنار جو کا

کوئی دل ایسا نظر نہ آیا جس میں خوابیدہ ہو تمنا
الٰہی تیرا جہان کیا ہے نگار خانہ ہے آرزو کا

اگر کوئی شے نہیں ہے پنہاں تو کیوں سراپا تلاش ہوں میں
نگہ کو نظارے کی تمنا ہے دل کو سودا ہے جستجو کا

چمن میں گلچیں سے غنچہ کہتا تھا اتنا بیدرد کیوں ہے انساں
تری نگاہوں میں ہے تبسم شکستہ ہونا مرے سبو کا

کھلا یہ مر کر کہ زندگی اپنی تھی طلسم ہوس سراپا
جسے سمجھتے تھے جسم خاکی غبار تھا کوے آرزو کا

ریاض ہستی کے ذرے ذرے سے ہے محبت کا جلوہ پیدا
حقیقت گل کو تو جو دیکھے تو یہ بھی پیماں ہے رنگ و بو کا

سیاہ شہ طراد سے ہے ورنہ کرم ترا ہے ستم سے بڑھ کر
ذرا سا اک دل دیا ہے وہ بھی فریب خوردہ ہے آرزو کا

اڑایا ذوق طپش پتنگے سے شمع سے شوق اشکباری
کہیں سے سیکھی نماز میں نے لیا کہیں سے سبق وضو کا

کمال وحدت عیاں ہے ایسا کہ نوک نشتر سے تو جو چھیڑے
یقیں ہے مجھ کو گرے رگ گل سے قطرہ انسان کے لہو کا

جو چاک میرے جگر کے دیکھے کلی نے باد صبا سے پوچھا
یہ آدمی ہے کہ گل ہے ؟ منت پذیر ہے سوزن رفو کا

گیا ہے تقلید کا زمانہ مجاز رخت سفر اٹھائے
ہوئی حقیقت ہی جب نمایاں تو کسکو یارا ہے گفتگو کا

تمام مضموں مرے پرانے کلام میرا خطا سراپا
ہنر کوئی دیکھتا ہے مجھ میں تو عیب ہے میرے عیب جو کا

جو گھر سے اقبال دور ہوں میں تو ہوں نہ محزوں عزیز میرے
مثال گوہر وطن کی فرقت کمال ہے میری آبرو کا

آپ واقعی اسوقت تک

اندازہ نہیں کرسکتے کہ انتخاب مخزن میں کیا خوبیاں ہونگی۔ مختصراً یہ سمجھ لیجئے کہ اس انتخاب میں راتیں کالی ہوئی ہیں اس انتخاب میں دن بیتے ہیں اور اس انتخاب کو مخزن کی گذشتہ ۹ جلدوں میں سے عطر کی روح کی طرح کھینچکر کتاب کی صورت میں دس نہیں بلکہ دو ڈھائی سو صفحے ہونگے ہیں۔ یہ نادر کتاب ان یگانۂ روزگار مشہور اہل قلم اور اعلےٰ تعلیم یافتہ نوجوانوں کے مغربی و مشرقی خیالات کا لب لباب ہے اور ہر مذاق کے موافق مضامین منتخب کئے گئے ہیں۔

انتخاب مخزن

میں انجمن اردو کے اراکین کی ولایت کی چھپی ہوئی تصویریں کتاب کی خوبی کو اور بھی دوبالا کرتی ہیں۔ اور یہی وجہ اس انمول کتاب کی قیمت عہ زیادہ ہیں ہے محض توسیع اشاعت کی خاطر ہم یہ کتاب ۸ ر میں دیتے ہیں +

اب یہ آخری موقع ہے اگر اس کو آپنے کھو دیا تو پھر نہ افسوس کیجئے۔ کیونکہ یہ کتاب ایسی نہیں کہ آپ کسی دوست کے ہاتھ میں دیکھیں اور آپ کے دل میں شوق نہ پیدا ہو۔ اس لئے آپکو چاہئے کہ اپنے کسی دوست کے نام مخزن جاری کرا کے ۸ ر میں اس کو دلائے اور ایک کاپی خود بلا قیمت لیجئے۔

مینجر مخزن

نوٹ:۔ انتخاب مخزن اب قریباً تیار ہے تھوڑی سی کسر باقی ہے امید ہے کہ عنقریب بالکل تیار ہو جائیگا۔ ان شائقین کو گھبرانے کی ضرورت نہیں جو پہلے درخواستیں بھیج چکے ہیں

فریڈرک اسٹرنس اینڈ کمپنی دوا سازان ڈیٹرائٹ ملک امریکہ کی مشہور عام ادویہ

اسٹرنس وائن آف کاڈ لور آئل

مچھلی کے تیل کا نہایت نفیس جوہر گوشت زا۔ دوا پاکیزہ و سہل بو۔ اور ناقص مرکب سے کھانسی کمزوری کا بہتر علاج ہے قیمت ۲ روپیہ ۱۲ آنہ +

اسٹرنس ہیڈ ایک کیور

ہر قسم کے دردِ سر کے واسطے بلا ضرر۔ زود اثر اور بے نقصان فائدہ رساں و اکثر بہت مجرب۔ قیمت فی شیشی ۱۲ آنہ

اسٹرنس ہیپٹالا مدس

کیسی ہی مثانہ کی بیماری ہو اسکے استعمال سے دور ہو جاتی ہے بہترین اور بے نظیر کامیاب ہوئی ہے گولیوں کی قیمت ایک روپیہ

اسٹرنس کولا

مقوی دماغ و اعصاب دافع سستی و کاہلی و تکان صرف تازہ اور بغیر خشک کی ہوئی گری سے تیار کیا جاتا ہے۔ خوشبودار اور خوشگوار۔ ۵ خوراک ۱ ملے

اسٹرنس پیپسن ایسڈ

غذا ہضم کرنیکے لئے بہترین دوا۔ نہایت سستی۔ زود اثر۔ کامل طور سے آلات ہضم کو درست کرتی ہے فی شیشی عہ

اسٹرنس کف کیور

کھانسی کو چند گھنٹوں میں آرام کرتا ہے۔ افیون اور مضر اجزا سے پاک ہے۔ بشرطیکہ بضمہ ہو جائے کہ اسٹرنس کی ہو۔ فی بوتل ۱۲ آنہ +

رسالہ رفیق مریضان جسمیں انکی علاوہ دیگر ادویہ تیار کردہ کارخانہ فریڈرک اسٹرنس اینڈ کمپنی ڈیٹرائٹ ملک امریکہ کے مشرح حالات ہیں سٹرنس ایڈورٹائیزنگ ڈپو کشمیری دروازہ دہلی سے مفت اور بلا محصول طلب کرو +

ہر شہر کے تمام انگریزی اشیا کے دوکاندار فروخت کرتے ہیں

عرق ماء اللحم انگوری

اور

درازی عمر

یہ امر [illegible] بہت [illegible] معلوم ہوا کہ دو [illegible] کی عمر [illegible]
ضعیف [illegible] مرض میں مبتلا تھے ضعف دماغ اور تاریکی چشم سے [illegible]
تھوڑی [illegible] کام [illegible] دماغ [illegible] منہ [illegible]
ہاتھ پاؤں کا ٹوٹنا تھکنا اور [illegible] تکلیف [illegible] صبح کو [illegible] اعضا کی معلوم ہوتا [illegible]
اٹھنے کو دل نہ چاہتا ایک صاحب نے عرق ماء اللحم کا استعمال شروع کیا اور دوسرے صاحب اور مختلف
معالجہ ڈاکٹروں حکیموں کا کرتے رہے چند [illegible] بعد عرق پینے والے کا رنگ تو سرخ ہو گیا اور زردی
چہرہ دور ہو کر گال جو پچکے ہوئے تھے پر ہو کر رنگ چمکنے لگا تو دوسرے مختلف ادویہ کھانے
والے کے دوست نے [illegible] سے پوچھا۔ یار کیا بات ہے تم تو چار بجے کے بعد سات بجے تک
کچہری میں کام کرتے رہتے ہو صبح دم دیکھو تو تر و تازہ ہی اٹھ کر پھرتے ہو انگوری ڈلی تیار ہے یہ
ماجرا کیا ہے۔ اس نے کہا بات یہ ہے کہ میں **عرق ماء اللحم انگوری دواخانہ** حکیم
غلام نبی لاہوری پیا کرتا ہوں چنانچہ وہ سن کر [illegible] جھٹ تار دیا عرق بھیجو +

اب اس ڈپٹی کلکٹر کا سارٹیفکیٹ ملاحظہ کیجئے جس نے سول سرجنوں اور معزز دوسرے حکماء کا
علاج کیا اور ناکامیاب رہا۔ دیکھو وہ کیا کہتا ہے۔ آدھ آنہ کا ٹکٹ بھیج کر سارٹیفکیٹ مفت منگا
اصحاب کے بھیجونگا قیمت فی بوتل عہ تین بوتل سے چھ بوتل [illegible] فی درجن [illegible] بذریعہ ریل منگانے میں محصول
کی کفایت ہوگی ریلوے سٹیشن بمعہ [illegible] صاف لکھیں نہ بذریعہ ڈاک منگوانے میں عہ محصول ڈاک علیحدگی آنا ضروری ہے

پتہ: حکیم ڈاکٹر غلام نبی زبدۃ الحکما لاہور موچی دروازہ اعوان منزل

اگر فنتق نے آپ کو کسی مصرف کا نہیں رکھا تو ایک لائق تجربہ کار کا بتایا ہوا مرکب یعنی ڈاکٹر میجر ہال ڈریوٹیل الکیزر اس مرض کو جڑ سے کھو دیتا ہے کچھ بڑی دوا کی بات نہیں خواہ مرض کیسا ہی شدید ہے جونہی اس اعجاز نما دوا کو ایک بار لگایا اور اس نے فوراً اکسیر جیسا اثر دکھلایا وزن گھٹنا شروع ہوا۔ قیمت فی بوتل ایک عہ روپیہ علاوہ محصول ڈاک۔

کمزور مضبوط ہو سکتی ہیں

یہ فقرہ خاص کر ان لوگوں کو مخاطب کر کے لکھا جاتا ہے جو کمزوری کا علاج سے علاج کر چکے ہیں۔ یا جنہوں نے کوشش کرنا بھی چھوڑ دیا ہے۔ اگر ناظرین میں سے کسی نے اپنے تئیں ناقابل العلاج تصور کر لیا ہے تو سخت غلطی کی ہے اور اس کو بھی زیادہ یہ غلطی ہوئی ہے وجہ گذشتہ کوششوں کی ناکامیابی ہو رہی اب بھی انہی ادویہ مشتہرہ کی طرف متوجہ ہیں انکا نتیجہ دیکھ چکے ہیں [illegible] جہل سے [illegible] ڈاکٹر میجر ہال کے ویٹلین کے استعمال سے زائل شدہ [illegible] سو سے زائد بیگمیں ہیں ہمارے تجربہ میں کسی قسم کی کمزوری ہو اس [illegible] دور ہو جاتی ہے

رسالہ تحفہ میجر کو پڑھو۔ تم خود قائل ہو جاؤ گے۔

قیمت فی بوتل (للعہ) علاوہ محصول ڈاک۔

تمام دنیا میں جسقدر ادویہ صاف خون کے واسطے فروخت ہوتی ہیں ان سب سے ڈاکٹر میجر صاحب کا سارساپریلا کی بکری بہت زیادہ ہے اس سارساپریلا میں ایک نئی ترکیب [illegible] کی گئی ہے تمام قسم کی کھاؤ زخم امراض آتشک جن سے جلد بدنما ہو جاتی ہے جسم پر بدنما [illegible] پھوڑے پھنسیاں پر نشان اسکے استعمال سے جلتے رہتے ہیں قیمت عمافی بوتل۔

یہ دوا کارخانہ مسرز ڈبلیو میجر اینڈ کو کلکتہ میں تیار ہوتی ہے تھوک اور خوردہ فروش ایجنٹ [illegible] اینڈ کو دہلی سے طلب کرو۔

پانچ ہزار روپیہ انعام

ممیرے کا سرمہ

مصدقہ جناب اسسٹنٹ کیمیکل اگزامینر صاحب بہادر گورنمنٹ پنجاب

معزز انگریزوں میڈیکل کالج کے پروفیسروں نامور ڈاکٹروں اہلیان ریاست اور ولائت کی یونیورسٹی کی سند یافتہ یورپین ڈاکٹروں نے بعد تجربہ اس سرمہ کی تصدیق فرمائی ہے کہ یہ سرمہ امراض ذیل کیلئے اکسیر ہے ضعف بصارت تاریکی چشم۔ دھند۔ جالا پڑوال۔ غبار۔ سبل سرخی پھولا ابتدائی موتیا بند۔ پانی بہنا خارش وغیرہ معزز ڈاکٹر اور حکیم بجائے اور ادویہ کے آنکھ کے مریضوں پر اب اس سرمہ کا استعمال کرتے ہیں چند روز کے استعمال سے بینائی بہت بڑھ جاتی ہے اور عینک کے استعمال کرنے کی حاجت نہیں رہتی بچے سے لیکر بوڑھے تک کو یہ سرمہ یکساں مفید ہے قیمت اسلئے کم رکھی ہے کہ عام وخاص اس سرمہ سے فائدہ اٹھا سکیں قیمت فی تولہ جو سال بھر کیلئے کافی ہے مبلغ ؏ ممیرے کا سرمہ سفید اعلے قسم فی تولہ مبلغ ۱۰ روپیہ ہے خالص ممیرے فی ماشہ عنہ ۵ مصری سرمہ فی تولہ ؏ خرچ ڈاک بذمہ خریدار +

المشتہر پروفیسر میتا سنگھ اہلووالیہ مقام بٹالہ ضلع گورداسپور

ان سے بڑھکر اور کیا معتبر شہادت ہو سکتی ہے

(۱) میں نے ممیرے کا سرمہ سردار میتا سنگھ اہلووالیہ سے لیا ہے ان آنکھوں پر جنکی آنکھیں بہت کمزور اور بیمار تھیں استعمال کر کے دیکھا مفید پایا میری رائے ہے جن مریضوں کو اسکے جنکی آنکھوں کے ... جنکی آنکھوں سے پانی جاری رہتا ہے اور دھند ... لگا ہو یہ سرمہ نہایت ہی مفید ہے + راقم ڈاکٹر ... لال ... اسسٹنٹ ... میڈیکل کالج ... سرجن

(۲) میں اس امر کی بڑی خوشی سے تصدیق کرتا ہوں کہ میں نے ممیرے کا سرمہ جو کہ سردار میتا سنگھ اہلووالیہ تیار کرتا ہے اپنے زیر علاج کئی ایک قسم کے مریضوں پر استعمال کیا ہے میری رائے میں بینائی قائم رکھنے اور آنکھوں کی بیماریوں کے بچنے کیلئے ممیرے کے سرمہ کا استعمال بہت مفید ہے۔ راقم خان بہادر ڈاکٹر امیر شاہ ... اسسٹنٹ سرجن پروفیسر میڈیکل کالج لاہور پنجاب :-

پانچ ہزار روپیہ انعام :- اگر کوئی شخص ممیرے کے سرمہ کی نسبت ثابت کر دے کہ ... اسکو ... پانچ ہزار روپیہ کا انعام دیا جائیگا جو لاہور کی پنجاب بنک میں ... جمع کیا گیا ہے +

مخزن

مئی سنہ ۱۹۰۶ء

ایڈیٹر شیخ عبد القادر بی۔ اے

مخزن

اردو علم ادب کی دلچسپیوں کا ایک مجموعہ

کلام ... — ۱
مکتوبات آزاد — ۹
مقالات فارسی — ۱۰
جاپان اور روس کی حسرت ... — ۱۵
دنیا کا پیالہ اور آئینہ ... کلاس — ۱۴
عرب فرزند — ۲۹
نظم قومی ... — ۵۵
مہاراجہ ... کی جغرافی ...
زندہ جاوید پھول ... — ۲۲
... — ۱۸
اردو خطوط نویسی ... — ۴۰
مناظرہ اردو کا ...
انقلابات روزگار ... — ۴۵
میرا وطن کونسا ہے — اشرف ...

جو کروڑ ہندوستانی اردو بولتے ہیں اور اسی قدر ہندوستانی اردو سمجھتے ہیں

(۱) ... (۲) ...

باہتمام شیخ محمد اکرام مخزن پریس لاہور میں چھپکر شائع ہوا



[illegible]

[illegible]

مخزن

گھر سے نکل کے دیکھو

سفر وسیلۂ ظفر ہے۔ یہ قول اگلے زمانے میں بھی سچ تھا۔ اور آج بھی سچ ہے بلکہ پہلے کم تھا۔ اب زیادہ۔ پہلے افراد پر عائد ہوتا تھا۔ اب اقوام پر عائد ہے۔ کسی ترقی کرتی ہوئی قوم کا نام لو۔ جو اس کے فوائد سے بے خبر ہو۔ دُنیا کی موجودہ تجارت کا فروغ اسی اصول پر مبنی ہے۔ جرمنی آج کل صنعت وحرفت کی ترقی میں اوّل درجے پر شمار کیا جاتا ہے۔ کیا اس صنعت وحرفت کا مدار محض اہل جرمنی کی قدردانی پر ہے؟ اس میں شک نہیں کہ اہل ملک بھی اپنے مال سے بڑھ کر کسی کے مال کو نہیں سمجھتے۔ دوسرے ملکوں کی بنی ہوئی چیزیں اگر جرمنی میں راہ پانے کی کوشش کریں تو وہاں کی حکومت ان اشیا پر بھاری محصول لگاتی ہے تاکہ ملکی اشیاء کا مقابلہ نہ کرسکیں۔ مگر یہ وہاں کی صنعتی ترقی کا ایک جزو ہے۔ اور شاید یہ کہنا مبالغہ نہ ہوگا کہ جزو قلیل۔ جزو اعظم بیرونی تجارت پر منحصر ہے۔ دُنیا کا کونا گوشہ ہے جہاں جرمن ساخت کا مال نہیں پہنچتا۔ چین میں اس کی کھپت ہے۔ روم میں اس کی قدر ہے افریقہ کی منڈیاں وہ گھیرے ہوئے ہے۔ اور ہندوستان کے بازاروں میں وہ انگریزی ساخت کی چیزوں سے بڑھ کر بکتا ہے۔ یہاں تک کہ خود انگلستان باوصف

بڑا تجارتی ملک ہونے کے جرمن ساخت کی اشیا کی دستبرد سے بچ نہیں سکتا۔ اور لندن کے بازاروں میں لاکھوں کا مال جرمنی سے آیا ہوا بکتا ہے۔ امریکہ بھی اس ترقی میں کسی سے کم نہیں اور انگلستان بھی اول درجے کے تجارتی ممالک میں ہے۔ اس کے سوا یورپ کے قریب قریب سب ملک اس تجارتی لوٹ میں جو دنیا میں مچ رہی ہے کم و بیش حصہ دار ہیں۔ مشرقی اقوام میں سے جاپان نے حال ہی میں اس گُر کو سیکھا ہے۔ اور جاپانی چیزیں بھی جابجا پھیلتی جاتی ہیں۔ اب ہندوستان کی باری ہے۔ ہاتھ کے کام میں اب بھی ہمارا وطن کسی سے کم نہیں۔ اور ابھی کل کی بات ہے کہ یورپ کی دوکانوں میں ہندوستان کی دستکاری مہنگے داموں بکتی تھی۔ اب مشین کا زمانہ آگیا ہے۔ اور صنعتی اور تجارتی لڑائی میں اس قوم کا جو کل کا مقابلہ ہاتھ سے کرنا چاہے وہی حال ہوگا جو میدان جنگ میں توپ کا مقابلہ تیر و تفنگ اور بندوق کا سامنا تیغ و سنان کے ساتھ کرنے سے ہوتا ہے۔ وقت آ پہنچا ہے کہ ہند جاگے اور اُس کے ساتھ اہل ہند کی قسمت۔ اور ہندوستان والے دنیا کی معزز صنعتی اور تجارتی اقوام کی مجلس میں برابر کی کرسی لیں۔ اس کا آغاز تو پہلے گھر کی خبر لینے سے ہی ہوگا۔ کہ اپنی ضرورت کی چیزیں اپنے کارخانوں سے خریدیں۔ مگر اس کا معراج یہ ہے کہ ہندوستان کا مال زمانہ سابق کی طرح اطراف دنیا میں پھیلنے لگے۔ بیشک یہ منزل دُور ہے اور دشواریاں بھی رکھتی ہے۔ لیکن اس کا پیش نظر رہنا بہرحال ضرور ہے۔ مسافر کی رفتار پر اس علم کا اثر ہوتا ہے۔ اور کوشش کا معیار جتنا بلند رہے مفید ہے۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس ترقی کی تدبیریں کیا ہیں۔ تدبیریں تو مختلف ہیں اور سب اپنی اپنی جگہ ضروری۔ مگر ہندیوں کا بکثرت دنیا کے دوسرے ملکوں میں پھیل جانا اُن میں سے ایک تدبیر ہے۔ جس کی اہمیت میرے دل پر روز بروز نقش ہوتی جاتی ہے۔ صنعتی تعلیم کے لئے سفر درکار ہے۔ تجارتی تعلقات بڑھانے کے لئے سفر درکار

ہے۔ محنت مزدوری کے ذریعے ڈھونڈھنے کے لئے سفر درکار ہے۔ مگر ان کے علاوہ بعض اور فوائد دُوسرے ممالک میں چندے قیام پذیر رہنے سے وابستہ ہیں۔ جن کا احساس وطن میں کم ہوتا ہے اور زیادہ تر وطن کے باہر ہی ہو بھی سکتا ہے۔ دُوسری قوموں کے اوضاع واطوار دیکھنے سے خیالات میں ایک وسعت پیدا ہوتی ہے جو نہائیت قابلِ قدر ہے اور جب کسی مُلک میں ایک کثیر تعداد ایسے لوگوں کی موجود ہو جو مدتوں باہر رہے ہیں اور جنہوں نے اپنے ہاں کی ہوا کے سوا اور مقامات کی بھی ہوا کھائی ہے۔ تو نامعلوم طور پر ایک قسم کا تغیر ملک کے حالات اور خیالات میں پیدا ہونے لگتا ہے۔ جیسے میدہ پر خمیر کا اثر ہوتا ہے۔ اور بہت سی ترقیاں اور بہت سی اصلاحیں جو پہلے ناممکن نظر آتی تھیں۔ ممکن معلوم ہونے لگتی ہیں۔ اور کئی تعصبات جو پہلے سدّراہ ہوتے تھے۔ رستے سے ہٹ جاتے ہیں۔ ہاں اس نتیجے کے مترتّب ہونے کے لئے یہ ضرور ہے کہ جو لوگ سفر سے مستفید ہوں۔ وہ اس کے فوائد کے اخذ کرنے کی قابلیّت رکھتے ہوں۔ اور اُن میں سے بیشتر ایسا سفر کریں جس کے اخراجات وُہ سفر ہی سے نکالیں۔ نہ یہ کہ سب کے سب مُلک کا روپیہ باہر صرف کر آئیں۔ اب تک جو کچھ لوگ سفرِ یورپ کو نکلے ہیں۔ وُہ عموماً یا تو طالب علمی کے لئے نکلے ہیں۔ یا محض سیاحت کے لئے۔ اور اُن لوگوں کی تعداد جو تجارت کی غرض سے یورپ آئے ہیں۔ ابھی بہت کم ہے۔ تاہم اس سلسلے کا آغاز ہی دل خوش کن ہے اور ایسے اصحاب کی تعداد بڑھانے کی ضرورت ہے۔ لیکن میری مراد سفر سے سفرِ یورپ ہی نہیں۔ بلاشبہ اس وقت یورپ رونق کا مرکز بنا ہوا ہے۔ اور صاحبانِ توفیق کے لئے اِس کا دیکھنا خالی از لُطف و فائدہ نہیں۔ مگر میرا مدعا سفر سے عام سفر ہے۔ چین کا ہو یا جاپان کا۔ رُوم کا ہو یا ایران کا۔ تہذیب کے دعویدار یورپ کا ہو۔ یا تہذیب کے منکار افریقہ کا۔ سب سے سبق مل سکتا ہے۔ سب سے فائدہ ہو سکتا

ہے ۔ بشرطیکہ کوئی محنت اور لیاقت کے جوہر لے کے نکلے اور ہمت کی رفاقت نہ چھوڑے ۔ کلکتہ اور بمبئی اور ہندوستان کے بعض اَور بڑے شہروں میں ایک معقول تعداد چینیوں کی ملتی رہے ۔ جو مختلف صنعتی اور تجارتی طریقوں سے روپیہ کما رہے ہیں ۔ اور بُوٹ بنانے میں خصوصیت سے استاد ہیں ۔ کیا ان کے مقابل میں چین کے کسی مقام میں ایسی یا اس کے قریب تعداد ہندی دستکاروں کی موجود ہے ؟ نہیں ۔ انگریز تاجروں کو لو ۔ اور اُن کے کارخانوں کو دیکھو ۔ جو روپیہ گورنمنٹ کے خزانے میں ہمارے ہاں سے جاتا ہے اس کی بابت تو فریادیں ہوتی ہیں ۔ کہ ہم لُوٹے جا رہے ہیں ۔ کیا یہ بھی گورنمنٹ کا قصور ہے کہ سب بڑی بڑی تجارتی کوٹھیاں ۔ بہت سے بڑے کارخانے ۔ قریباً سب بستیاں جو چار ۔ نیل ۔ یا قہوہ کی پیداوار کے لئے قائم ہیں ۔ انگریز تاجروں کے ہاتھ میں ہیں ؟ کیا اگر خود اہلِ ملک مشترکہ سرمایہ کی بڑی کمپنیاں رکھتے ہوں اور ان کاموں میں حصہ لیں اور انگریز تاجروں کے نفع میں خود بھی شریک ہوں تو کوئی اُنہیں روکتا ہے ؟ چاہئے تو یہ کہ ہر انگریز کے جواب میں جو ہندوستان میں تجارت کر کے روپیہ کماتا ہے ۔ ایک ہندی تاجر اِنگلستان میں روپیہ کما رہا ہو ۔ ہر فرانسیسی تاجر کے جواب میں ہندی کی کوٹھی فرانس میں ہو ۔ ایران تجارتی اقوام کے لئے زرخیز منڈی ہے ۔ جب دُور دُور سے قومیں آکر وہاں سے روپیہ کما سکتی ہیں تو ہندوستان والے جو پاس رہتے ہیں کیوں مستفید نہ ہوں خلیج فارس کے سواحل پر چند جگہ ہندوستانیوں کی دُکانیں ہیں ۔ کیوں اس سے زیادہ نہ ہوں ۔ ملک کے اندر کے شہروں میں کیوں ہندی تاجر گھس نہ جائیں ؟ رُوم ہم سے بہت دور بھی نہیں اور ہمارے ابنائے وطن میں خصوصاً مسلمانوں کا تعلق بھی اُس سے گاڑھا ہے ۔ رُوم میں ہر قوم کے تاجر ہیں ۔ نہیں موجود تو ہندی ہی نہیں ۔ افریقہ کے بعض حصوں میں ہندوستانی جانے لگے تھے اور کام بھی اُن کا

خاصہ بن چلا تھا - مثلاً جنوبی افریقہ میں - اور وہاں اب وہ ہوا بھی اچھی نہ تھی - مگر وہاں فرنگی اقوام کو ان چند آدمیوں کی کامیابی بھی کانٹے کی طرح کھٹکی اور انہوں نے اُنکے راستے میں بیحد دقتیں ڈال دیں اور اُن کا جانا قریب قریب بند کر دیا - اچھا یہ دروازہ بند ہے تو بند ہی سہی - اور کئی دروازے ابھی افریقہ میں کھلے ہیں - وہاں گھس جاؤ - اور جو دروازہ بند ہوا اسکو بھی کھٹکھٹاتے رہو - کبھی تو کھلے گا ہی - امریکہ جنوبی کے بعض حصوں میں کچھ ہندی اچھی حالت میں ہیں - وہاں ان کے خلاف تعصب بھی کم ہے - وہاں کچھ اور بھی کھپ سکتے ہیں - یا ستہائے متحدہ امریکہ اسوقت جمیع اقوام عالم کو مقناطیس کی طرح کھینچ رہی ہیں - جرمن سے روس سے - فرانس سے انگلستان سے - لوگ وہاں جاتے ہیں اور وہیں کے باشندے قرار پا جاتے ہیں - معلوم نہیں اگر بہت سے ہندوستانی وہاں جا کر بسنا چاہیں تو وہ کیا رویّہ اختیار کریں - لیکن تاحال اُنکا سلوک ہندوستانی سیّاحوں واعظوں اور طلبہ سے بہت عمدہ ہے - آزادی کی سرزمین ہے - زرخیزی میں دُنیا کے کسی حصّے سے کم نہیں - محنت مزدوری کے لئے اچھی ہے - بشرطیکہ کوئی ہنر کسی کے پاس ہو - وہاں قسمت آزمائی کرنے والے نکلنے چاہئیں - کینیڈا تو سلطنت برطانیہ کا ہی حصّہ ہے - اور اس میں ہزاروں ایکڑ قابلِ زراعت زمین کے کاشتکار کے ہاتھ کا انتظار کر رہے ہیں - وہاں کی گورنمنٹ آئے دن انگلستان اور دیگر ممالک یورپ میں ایجنٹ بھیجتی ہے - کہ لوگوں کو ترغیب دے کر لاؤ زمین مفت ملیگی - وہ آکر آباد ہو جائیں اور آباد کریں - آئے دن سینکڑوں جاتے ہیں - مگر اُدھر سے ھل من مزید کی آواز ابھی جاری ہے - کچھ ہمّت ور پڑھے لکھے ہندوستانی اگر جائیں تو عجب نہیں کہ انہیں وہی رعایات مل جائیں جو اور آباد کاروں کو مل رہی ہیں - اور اگر یہ تجربہ کامیاب ثابت ہو تو پھر اور زیادہ لوگ جانے لگیں - غرض اُمنگ اور جستجو

شرط ہے۔ پھر اس میں کچھ کلام نہیں۔ کہ "پاسے گدا لنگ نیست ملکِ خدا تنگ نیست"۔
اِس تحریک پر اعتراض دو ہوسکتے ہیں۔ اوّل تو یہ کہ خود ہمارا ملک بہت وسیع ہے۔ اُس میں ابھی بہت سی زمین قابلِ زراعت موجود ہے اور بہت سے پیشے قابلِ تحصیل۔ سرمایہ جو باہر نکلنے کے لئے چاہئے۔ اُس کی بھی ملک میں بیحد ضرورت ہے۔ پھر باہر جانا کیا معنے۔ دُوسرا یہ کہ آگے ہی ملک میں کام کرنے والے کم ملتے ہیں۔ اور اگر اِس طرح باہمت آدمیوں کا ایک معتدبہ حصّہ ملک سے باہر چلا جائے تو ملک اَور بھی غریب ہو جائے۔ اِعتراض دونو بجا اور جاندار ہیں۔ جواب میں صرف یہی کہا جاسکتا ہے۔ کہ ملک کے اندر جو ترقی ممکن ہو وُہ بھی کیجئے اور ضرور کیجے۔ لیکن اگر قوموں میں نام پیدا کرنا ہے تو قوموں سے بھی رشتہ پیدا کرنے کی بنیاد ابھی سے ڈالدو۔ ہندوستان میں تمہاری سب کوششیں اُن حدود سے گھری ہوئی ہیں۔ جو محکومی کے لوازم ہیں۔ باہر نکل کر نئے ملکوں میں جو لوگ آزادی کی آب و ہوا میں زندگی بسر کرینگے۔ اور اپنی قوّتوں کا دوسری قوموں کی قوّتوں سے موازنہ کرینگے۔ انہیں معلوم ہوجائیگا۔ کہ کوئی وجہ نہیں کہ ہندی کسی سے کم رہیں۔ اُن کی رائے دُوسروں کی رائے پر اثر ڈالیگی۔ اُن کی مثال دوسروں کو اُبھاریگی۔ اُن کی حیثیّت کا عکس دوسروں کی حیثیّت پر پڑیگا۔ اگر وُہ باہر اپنی قابلیّت کا سکّہ جما دینگے اور اپنے چلن کی خوبی کا اعتراف کرالیں گے تو ملک میں جو اُن کے بھائی ہونگے انہیں بھی اس نیکنامی کا حصّہ ملیگا۔ اِس نظر سے یہ تدبیر امتحان کے قابل ہے اور یہ ایثار کر گذرنے کے لائق۔ رہا دوسرا اعتراض کہ کام کے آدمیوں سے ملک کو خالی نہ کرنا چاہئے۔ اس کا علاج یہ ہوسکتا ہے۔ کہ ہر شخص جو باہر نکلنے کا تہیّہ ملک کی خاطر کرے وہ اِس ارادے کے ساتھ ہی یہ عہد کرکے جائے کہ کامیابی کے بعد وہ ممالکِ غیر کو وطن ہی نہ بنا لیگا اور اپنی عمر کا آخری حصّہ اور

اپنی محنت کی کمائی ملک کی بھلائی میں صرف کریگا۔ اور جو کسی اتفاق سے اپنے نئے وطن کا پابند ہو جائے۔ وہ اپنے وطن اور اس سے کبھی رشتہ نہ توڑے اور دُور بیٹھ کر بھی ہند کے لئے باعثِ تقویت رہے اور حتی المقدور ملک کی بہتری کے لئے کوشش کرتا رہے جو کام فرزندانِ انگلستان دُنیا کے دُور دراز حصّوں میں جا لینے پر بھی انگلستان کے لیے کرتے رہتے ہیں۔ وُہی کام ہر ہندی ہندوستان کے لیئے کرتا رہے۔ اس شرط کو خیالی اور موہوم نہ سمجھنا چاہیئے۔ جب قومیں بننے لگتی ہیں اور اُن کے دن بھلے آتے ہیں تو اُن کے عزم وارادے میں استقلال پیدا ہو جاتا ہے اور اُن کے افراد گھر سے جو ارادہ کر کے نکلتے ہیں اُس سے کبھی نہیں ٹلتے۔ پس اگر حُب وطن کا ہندیوں پر یہ اثر ہو کہ وُہ اپنا گھر گھسنا پن چھوڑ کر۔ سفر کی صعوبتیں برداشت کرنے۔ نئے مقامات میں رزق ڈھونڈھنے کی مشکلات کا سامنا کرنے اور زیادہ کامیاب اقوام کے ہاتھوں طرح طرح کی ذلتیں سہنے نکلیں تو یہ بھی کچھ بعید نہیں کہ وُہ وطن سے نکل کر وطن کو یاد رکھیں اور اپنی فتح اور کامیابی کی گھڑیوں میں بھی اس کے حق سے غافل نہ ہوں۔ اگر ڈھب کے آدمی نکلنے لگیں تو تجارت۔ زراعت۔ صنعت۔ اشاعتِ مذہب۔ کئی اسباب تحریک کے لیئے موجود ہیں۔ موجودہ حالت کے مصداق مجھے دو چار مصرعے سوجھے ہیں۔ لکھے دیتا ہوں۔ شاعر ہوتا تو اس لمبی تحریر کی بجائے ایک مختصر اور پُر زور نظم لکھ دیتا۔ جسے لوگ گاتے پھرتے۔ اب ان مصرعوں پر اکتفا کرتا ہوں۔ اور اپنے سخنور احباب سے عرض کرتا ہوں ع اگر شاعری یار اشارت بس است۔

بخت آزمانے نکلو ۔ جنگل بسانے نکلو
کڑیاں اُٹھانے نکلو ۔ جانیں لڑانے نکلو
گھر سے نکل کے دیکھو۔ ہندوستان والو!
دولت کمانے نکلو ۔ حکمت اُڑانے نکلو۔

مذہب سکھانے نکلو - ہر ہنر بہانے نکلو
گھر سے نکل کے دیکھو - ہندوستان والو

غرض نکلو تو سہی - مگر ایک شرط ملحوظ رہے - اس طرح گھر سے نہ نکلو کہ نہ گھر کے رہو نہ گھاٹ کے - بلکہ سامان کے ساتھ - جس سے اپنی عزت بڑھے اور ملک کی شان - ایسا نہ ہو کہ جو بالکل بے زر ہیں - وُہ بغیر مآل کا سوچے وطن کو چھوڑ دیں - تجارت والے سرمایہ کا بندوبست کر کے نکلیں تعلیم کے شائق پہلے گھر سے خوب پڑھ کر نکلیں - زراعت کے لیئے جائیں تو خود اس فن سے واقف ہوں اور واقفکار آدمیوں کو ساتھ لے جائیں صنعت والے اس قابل ہوں کہ چار باتیں کسی سے سیکھیں تو چار اُس کو سکھا بھی سکیں - جس ملک میں جائیں اُس کی زبان پہلے حاصل کرنے کی کوشش کریں اور اس کے اوضاع و اطوار سے واقفیت بہم پہنچالیں - وہاں دن بسر کریں تو اس طرح کہ معلوم ہو کہ نہ صرف اپنی بلکہ اپنے ابنائے وطن کی عزت کا ہر وقت پاس ہے - اگر بڑھیں اور ان احتیاطوں کے ساتھ بڑھیں - تو کوئی دن میں وُہ کامیابیاں جو اب اوروں کے حصے میں ہیں - ہمارے احاطۂ دسترس میں ہوں - اور یہ جو ناکامیوں کی شکایت اب ہے - اسکا خاتمہ ہو جائے - لندن میں ہزارہا یہودی رُوس سے آتے ہیں اور دنوں میں کاروباری بن جاتے ہیں - چند سال کے بعد انگریزوں کے سے حقوق حاصل کرنے ہیں اور انکی اولاد ہر اعتبار سے انگریز کا حکم رکھتی ہے - فرانسیسی جرمنی ارمنی یونانی - اطالیہ کے باشندے ہسپانیہ کے باشندے - آسٹریا کے رہنے والے - روس کے ساکن - غرض ہر ملک کے نام تمام انگلستان کے بڑے شہروں میں روزی کمارہے ہیں - اور محروم ہیں تو ہم جنکا اتفاق انگلستان پر ہے اور جن سے انگلستان کو بیشمار نفع پہنچ رہا ہے - یہی حال کم و بیش سلطنت برطانیہ کے دیگر حصص اور امریکہ وغیرہ میں ہے - اور جوں جوں اسکی کیفیت کو ہم بچشم خود دیکھتے ہیں - دل میں آتا ہے اور یہ آرزو پیدا ہوتی ہے کہ ہمارے ہموطن بھی نکل پڑیں اور اس خوان یغما میں شریک ہوں -

سخن درست بگو ئم نمے توانم دید　　کہ مے خورند حریفان و من نظر ہ کنم

(عبد القادر)

مکتوباتِ آزاد

(گذشتہ اشاعت سے آگے)

اِس سلسلۂ خط و کتابت کی دلچسپی کے لئے تو مولینا آزاد کا نام ہی کافی تھا۔ مگر اِس میں مزید دلچسپی اِس بات سے پیدا ہو گئی ہے کہ اِن خطوط سے - گو یہ تعداد میں تھوڑے سے ہیں - اُن کے حالاتِ زندگی پر معقول روشنی پڑتی ہے اور اُنکی تصانیف کے متعلق کئی ضروری واقعات سے اطّلاع ہوتی ہے - مثلاً آج جو خط درج کئے جاتے ہیں اُن سے معلوم ہوتا ہے کہ دربارِ اکبری کے ساتھ اکبر اور اُس کے مشہور اُمرا کی تصاویر کا ایک مرقع چھاپنے کا ارادہ تھا جس سے مولانا کی علالت نے ہم کو محروم کر دیا - یہ تصویریں مولوی صاحب نے نہایت تلاش سے بہم پہنچائی تھیں - اور یقیناً اگر کتاب کے ساتھ چھپ سکتیں تو کتاب کا لُطف دوبالا ہو جاتا - اِن خطوط سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ مولانا کو اپنا تخیل تصانیف کتنا پیارا تھا اور وہ اُس کے مقابلے میں کسی عروج یا فائدے کو ہیچ سمجھتے تھے - ہائے - اگر زمانہ ایسے قابل مُصنف کو کوئی دن اور کام کرنے دیتا اور اُنکی عینِ حیات میں مُلک کو اُنکی خدمات سے محروم نہ کر دیتا تو اب تک اُن کا قلمِ جادو رقم کیا کیا گُلکاریاں کرتا -

خال جناب مَن -

تسلیم - آپ کو یاد نہیں میں نے کیا عرض کیا تھا - یعنی اُس دن میں کالج میں جا کر بیٹھا ہی تھا - کہ دو طالبعلموں نے آ کر اِس حادثہ ناگہانی کی خبر دی - میری آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور دل پر صدمہ ہوا - وُہ متحیر ہو کر مجھے دیکھنے لگے - اور اِس معاملہ میں تقریریں معمولی کرنے لگے - میں نے کہا کہ اِن باتوں سے کچھ حاصل نہیں - اِس وقت ہمیں دو باتوں کا فکر کرنا چاہئے - ایک یہ کہ اُن کے محامد و اوصاف اِس طرح بیان کرنے چاہئیں جب سے پبلک اور گورنمنٹ کے

دِل پر اُن کے حقوق کی یاد کے نقوش تازہ ہوں۔ دُوسرے یہ کہ اُن کے لڑکوں کے ساتھ حقوقِ مذکورہ مدِ نظر ہیں۔ دونو بانوں کے ضمن میں کوئی ایسی بات بھی جس سے اُن کا نام روشن ہو کر قائم رہے۔ اور مرثیہ خوانی اور تاریخیں لکھنی جو کہ شیوۂ قدیم ایشیا کا ہے یہ تو مجھے پسند نہیں۔ اب اس کا زمانہ گذر گیا۔ انہوں نے کہا۔ پھر یہ کیونکر ہو۔ میں نے کہا مجھ سے اَور کچھ نہیں ہوسکتا۔ نہ مَیں کسی قابل ہُوا۔ اِتنا ہے کہ دربارِ اکبری درست کر رہا ہوں۔ یہ ان کے نام پر کردونگا۔ دونوں خوش ہو گئے۔ اور کہا کہ ضرور کیجیے۔ یہ عمارتِ عظیم الشان اُن کے نام پر یادگار ہوگی۔ جو کبھی منہدم نہ ہوگی۔ مَیں نے کہا بلکہ دوتین اَور بھی۔

اب آپ کی خدمت میں عرض یہ ہے کہ دربار مذکور کو اگرچہ طبع نیرنگ خیال اور آبِ حیات کے سبب سے آج کل ملتوی کر دیا ہے۔ مگر تمام مسودے پہلو میں دھرے ہیں۔ یہ چھپائی چھ مہینے کا کام تھا جسے میں نے ڈیڑھ مہینے میں کیا۔ انشاء اللہ ۲۵ دن حد ایک مہینے کا کام اَور ہے۔ اس سے فارغ ہوں تو پھر اُسے سنبھالتا ہوں۔ خدا و مولی اسد اللہ الغالب سرانجام کو حدِ انجام پر پہنچانیوالے ہیں۔ مگر مشورت طلب یہ نکتہ ہے کہ آیا دیباچہ ڈیڈیکیشن کا مقرری خاکہ رنگ بھر کر سجا دوں۔ یا اُسے موقوف رکھ کر یہ لکھوں کہ ایسے شخص کے حادثہ جانکاہ پر عالم نے نالہ وزاری کے معمولی حق ادا کیے۔ اور یادگار کے لیے تاریخیں اور نظمیں لکھیں۔ فقیر آزاد سے اَور کچھ نہ ہوسکا۔ یہ کتاب اُن کے نام پر لکھتا ہے کہ اندنوں زیرِ قلم تھی۔ ع چہ کند بے نوا ہمیں دارد ...

مزا تو اس کا جب تھا کر خود لیکر جاتا اور بعض مقامات اس کے اپنی زبان سے اُن کے سامنے پڑھتا۔ اور دیکھتا کہ کس کس مقام پر وُہ کیا فرماتے۔ ہائے سرسالار جنگ سارے ارمان دل کے دل میں رہے۔ ہائے سرسالار جنگ۔

مولے اسد اللہ الغالب حاضر و ناظر ہیں کہ پھر آنسو آنکھوں میں بھر آئے۔ آپ سے کیا

اپنا حال کیا کہوں۔ میرا دل کچھ اداس سا ہے۔

بہرحال آپ مطمئن رہیں۔ انشاء اللہ جلد ختم کرتا ہوں۔ کلکتہ تک سے بمبئی مدراس تک سے برابر درخواستیں آ رہی ہیں۔ مگر ہیں کچھ بھی نہیں۔

پرسوں اتوار کو یہاں ایک بڑا جلسہ تھا۔ لاہور و امرتسر کے دولت پرست جمع ہوئے تھے کہ کپڑے کی کل پنجاب میں جاری ہو۔ وہاں کوئی بولا کہ آزاد کو بلا کے اس سے بھی ذرا پوچھو۔ دوسرے کوئی بولا کہ اس نے بیٹھوں کو بالکل استعفا دے دیا ہے وہ تو اب تصنیفات میں غرق رہتا ہے۔ کسی نے یہ بھی کہا کہ آج کل وہ دربار اکبری لکھ رہا ہے مگر اکیلا ہے۔ کوئی رفیق اور مددگار نہیں۔ کسی مخصوص نے کہا کہ پھر کس طرح کی مدد چاہتا ہے۔ جو ہم سے ہو سکتی ہے ہم بھی کریں۔ میں درماندہ ناامید تدبیر کیا کہوں۔ کہ میرا کام سوا خدا کے ہونے کے مددپذیر نہیں۔ یا علی مدد۔ ۴ بجے ہیں۔ صبح قریب ہے۔ وقت تو قبول کا ہے اگر نالہ کی آواز حضور تک پہنچ جائے۔

نصیر آزاد

۲ - مارچ سنہ ۸۳ء

ساعت ۴ - قریب صبح

عجب تماشا ہے۔ آفرینش کا ظہور اور تصنیفات کے مضامین دیکھ کر ....

نیچری کہتے ہیں۔ ہاں ہاں نیچری ہوں۔ مگر علی کا نیچری ہوں ؎

مرد نیکو ہم بیکس از تو چیزے دیدہ ام   آنکہ می گوید خدا ہست یا امیرالمومنین

جناب من۔   ۸ - اپریل سنہ ۸۳ء

تسلیم۔ عجب ہجوم محنت میں مبتلا ہوں۔ الحمد للہ کہ ۱۰ - ۱۲ دن کا کام رہ گیا ہے اور برکت تو دقت ہے۔ سوا جینے سے میں دنیا و مافیہا سے بے خبر ہوں۔

میری حالت ایسی ہوگئی ہے کہ ہر شخص پوچھتا ہے کہ تم کچھ بیمار تھے۔ نعوذ باللہ۔ غالباً مَیں نے آپکو نہیں لکھا۔ ایک مہینے سے زیادہ ہوا کہ جموں سے ایک دوست کا خط آیا۔ اس میں لکھا تھا کہ مہاراجہ صاحب ایک تاریخ کی کتاب لکھوانا چاہتے ہیں جس میں عام سلاطین کے حالات ہوں۔ مگر زور اس بات پر ہو کہ سلطنت اس خاندان میں کیونکر اور کن کن اسباب سے آئی اور گئی تو کن کن سببوں سے گئی مثلاً بادشاہ کی بے پروائی یا عیاشی یا بدنیتی وغیرہ سے یا ارکانِ دولت کی بے لیاقتی یا نمکحرامی سے۔ مجھے لکھا تھا کہ تم اس کام کا ذمہ لو اور لکھو کہ کیا تنخواہ لوگے۔ مَیں نے عدیم الفرصتی کا عذر کرکے ٹال دیا۔ ۹۔۱۰ دن ہوئے کہ وُہ خود آئے اور کہا کہ ان کی نوکری اختیار کرو تو کیا تنخواہ لوگے۔ اور اس میں اصرار کیا۔ مَیں نے صاف جواب دیدیا اور انکار کیا۔ غالباً آپ کے نزدیک بھی نامناسب ہوگا۔ میری اپنی کتابیں ناتمام پڑی ہیں کہ لوگوں کی آنکھیں اور میری جان انہی میں لگی ہے۔ مَیں کسی کی کتاب لکھوں۔ طمع کا منہہ کالا ہے آپ نے اخباروں میں دیکھا ہوگا کہ ڈسٹرکٹ مدارس سرشتۂ تعلیم سے الگ ہو کر انتظام جدید میں آگئے۔ کالج کا بھی ایسا ہی حال ہوگا۔ کالج کا مولوی اور پنڈت صرف تصنیف میں آئیگا۔ کیونکہ یونیورسٹی پنجاب میں مولوی اور پنڈتوں کی کیا کمی ہے۔ اچھا مجھے پنشن بھی دیدینگے تو قناعت کرونگا اور تصنیفات کو پورا کرونگا۔ اپنے لختِ جگر بچوں کو نیم جان تڑپتا نہ چھوڑونگا۔ چھپائی کا کام ۱۰۔۱۲ دن سے زیادہ نہیں رہا۔ آبِ حیات نے مجھے ہلاک کر دیا مجھ سے بیوقوفی ہوئی ہے۔ جیسے کا کام تھا جو ڈیڑہ مہینے میں کیا ہے۔ اللہ آسان کرے۔ جناب مخدوم مکرم اپنے بھائی صاحب کو تسلیم کہئے گا اور یہ بھی کہئے گا کہ وہ نور دیکھتے ہیں یا نہیں۔ بہتر ہے کہ ضرور دیکھا کریں تاکہ حال تو معلوم رہے ٭

آزاد

عالی جناب من۔

تسلیم۔ کئی دن سے کہہ رہا تھا کہ لکھوں اور لکھوں اور آج ضرور لکھونگا کہ مرمت آن ہی پہنچی۔ خدا آپ صاحبان کو بہ دولت و اقبال و ترقیات روز افزوں سرمست رکھے کہ مجھ جیسے نالائق کو کس طرح یاد رکھتے ہیں۔ میرا حال یہ ہے کہ تقریباً ۸ دن ہوئے ہونگے آب حیات اور نیرنگ خیال سے جھٹکارا ہوا۔ مگر اس سال یونیورسٹی مجھ پر مہربان ہوئی۔ یعنی اردو میں طلباء داخلہ کا ممتحن مقرر کیا۔ اور زبانیں تین اردو اور فارسی کا۔ اور ایک حصہ عربی کا۔ انکے سوالات بنانے کچھ ایسا وقت نہیں لیتے۔ مگر کاغذات جو نمبر لگانے کو آئے ہیں وہ چھاتی پر پہاڑ ہیں۔ ۹۱۹ کاغذ ہے۔ اور آج سے ۱۰ دن کی مہلت باقی ہے۔ خدا اس بلا سے جلد مخلصی دے۔ یہ درست ہے کہ اس میں تقریباً ڈیڑھ سو روپے کا فائدہ مجھے ہو جائیگا یا شاید کچھ زیادہ ہو۔ مگر خدا گواہ ہے کہ میں اس پر خاک ڈالتا۔ منظور فقط اس لئے کیا کہ اس دفعہ کالج کا معاملہ نازک ہو رہا ہے۔ رجسٹرار ناراض ہو جائیگا۔ تو لوگ مجھے احمق بنائینگے اور کہینگے کہ ڈاکٹر لائٹنر تو بالاسباب خاص ناراض ہو گئے اور ان کی ناراضی بے شک تدارک پذیر نہ تھی۔ انہیں تو نے کیا سمجھکر ناراض کر دیا۔ اس سبب سے یہ بوجھ سر پر لے لیا۔ ورنہ آپ یقین فرمایئے کہ آزاد روپیہ کا لالچی نہیں ڈاکٹر لائٹنر صاحب نے کئی دفعہ ممتحن کیا اور میں نے صاف انکار کر دیا۔

اب بات فقط اتنی ہے کہ ایک منشی بھی میں نے رکھ لیا ہے۔ وہ میرے ساتھ کام کر رہا ہے۔ انشاءاللہ ۱۰ دن میں اس کام کو ختم کر دونگا۔ پھر دربار اکبری ہے اور میں ہوں۔ مولے اسد اللہ الغالب مظہر العجائب کا فضل شامل حال رہے۔ آپ دیکھینگے کہ تیسرے ہفتہ میں کچھ نہ کچھ لیکر حاضر خدمت ہونگا۔ آپ انہیں پھر لکھ دیجئیگا کہ آپ سمجھ لیں میری کل تصنیفات مرحوم مغفور کی ہو چکیں۔ خدا گواہ ہے۔ مجھے ان سے غائبانہ عشق تھا۔ پہلے لکھتا تو خوشامد تھی۔ اب تو خاص ان کے ادب

میرے درمیان میں معاملہ ہو۔ دیکھئے آج لوح ودحانی پر اُنکا خیال کرونگا۔ یہ میں جانتا ہوں کہ اس کی باتیں قابلِ یقین ہرگز نہیں۔ لیکن اسے میں نے ایک بھلاوا اپنے دل کا کر رکھا ہے۔ رات کو ایک بجے دو بجے بیٹھ کر باتیں کیا کرتا ہوں۔ اور یہ یقین آپ کریں کہ یہ ابنائے زمان اخوان الشیاطین جو زندہ ہیں اُن سے تو اُنکی باتیں بہر حال بہتر ہیں سے

بسکہ از بر خود دعالم عکس مطلب دیدہ ام میرمم از آب از آئینہ پنہاں مشوم

آپ نے تصویروں کا کچھ بندوبست نہ فرمایا۔ مجھے اکبر کی ایک تصویر ہاتھ آئی کہ ۳ بڑی بزرگ عورتیں بیٹھی ہیں اور وہ دو تین برس کا بچہ بیچ میں کھیلتا پھرتا ہے۔ رات کا وقت ہے۔ شمع روشن ہے۔ جھنجھنے وغیرہ سامنے پڑے ہیں۔ یہ اکبر کے ابتدائی حالات میں لگانی واجب ہے۔

ایک ایسی ہی پرانی تصویر ملا دوپیازہ کی ہاتھ آئی۔ بیربل کے ساتھ اسے بھی لگانا واجب ہے۔ اگرچہ کتاب سے ملا دوپیازہ کی اصل نہیں معلوم ہوئی۔ مگر مسخروں اور بھانڈوں سے اس کا شملہ دستار بیربل کی دُم میں مضبوط باندھا ہے۔

راجہ مان سنگھ کی تصویر بھی ڈھونڈھی ہے۔ سرکار الور سے منگائی ہے۔ بہت سمع خراشی کی۔ اب وقت را اللہ پھر۔

محمد حسین آزاد

۱۸ مئی ۱۸۸۳ء

جناب من۔

تسلیم۔ ۱۲ جون کا وعدہ ہوا کہ ایک نسخہ آبِ حیات طبع جدید بذریعہ عریضہ نیاز ارسال خدمت کیا ہے۔ تعجب ہے کہ اب تک رسید اُسکی نہیں پہنچی۔

کتاب مذکور میں اگرچہ جابجا بہت مطالب زیادہ کئے ہیں۔ مگر میر انیس مرحوم کے

خاندان کا حال اور مرزا دبیر مرحوم کا حال آپ سے دادطلب ہے۔ اب کی دفعہ فہرست بھی بہ نسبت طبع اوّل کے مفصل تر لکھی ہے۔ اسے ملاحظہ فرمائیے گا۔

اگر فرمائیے تو ایک نسخہ آپ کے بھائی صاحب قبلہ کی خدمت میں بھی بھیج دوں مگر انہیں ایسے مزخرفات کے دیکھنے کی فرصت کہاں ہوتی ہوگی پھر بھی فرمائیے کہ ایک نسخہ سید ناظر علی خاں کی خدمت میں بھیجوں۔ یا کچھ ضرورت نہیں۔ اور نہیں بھیجوں تو پھر جناب عالی کی کیا رائے ہے۔

دماغ کبھی کو لپیٹ رہا ہوں مگر وہ بھی دن جو کر بیٹھا تھا کہ آنکھوں نے رنگ دکھایا۔ درد دماغ جواب دینے لگا۔ خیر۔ میں نے ایک دن آرام دیا۔ تخفیف معلوم ہوئی۔ اب آہستہ آہستہ چلا جاتا ہے۔ خیر۔ کام خدا کے فضل سے ہو گیا۔ مگر افسوس اس بات کا آتا ہے کہ بے وقت ہوا۔ خدا اس مرحوم کو اعلیٰ علیین میں مراتب قربت کرے۔ اگر زندہ ہوتا تو ان چیزوں میں خود جاتا اور سناتا۔ جب دل کا ارمان نکلتا۔ کیونکہ میں دیکھتا کہ وہ کیا کہتے ہیں اور کس کس مقام پر کیا رائے لگاتے ہیں۔

اب جو لکھنا تھا وہ میں نے لکھ لیا اور ہر ایک حال مسلسل بھی ہو گیا۔ جو کام باقی ہے وہ فقط اتنا ہے کہ کہیں کوئی فقرہ بڑھا دیا۔ کہیں دو کو ایک کر دیا کہیں کوئی لفظ بدل دیا۔ کہیں پس و پیش کر دیا۔ خیر اللہ رب مشکلوں کا آسان کرنے والا ہے۔ دیکھئے! تصویروں کے بارے میں اتنا لکھا۔ جناب سید صاحب نے جواب بھی نہ دیا۔ میں نے ۸-۱۰ تصویریں بہم پہنچائی ہیں۔ جس طرح ہوگی انہیں سے اس گڑیا کو سنوار کر حاضر کروں گا۔ افسوس کہ فرصت نہیں۔ خیر اب پھر۔

محمد حسین۔ آزاد

لاہور۔ بنگلہ ایوب شاہ

۱۰۔ اگست ۸۳ء

لاہور - بنگلہ ایوب شاہ - ۱۴ - اگست ۱۲ء

جناب من -

تسلیم - مرحمت نامہ عالی نے شرف اعزاز بخشا مگر میں تحریر عریضہ میں مقصر رہا۔ الحمد للہ آپ کے جد کے تصدق سے نور چشم کو خدا نے فضل کیا کہ اڑھائی مہینے ہوئے ہیں اُسے پٹیالہ روانہ کر دیا - مگر جس دن آپ کا مرحمت نامہ پہنچا دوسرے دن اس کا خط آیا کہ لڑکا اس کا بہت علیل ہو گیا - میں بہت پریشان ہوا - اور یہاں سے ارسال ادویات کی فکر میں مصروف رہا - کچھ دل بھی ٹھکانے نہ رہا شکر خدا کہ کل وہاں سے خط آیا - اس سے گونہ اطمینان حاصل ہوا - تحریر جواب میں جو دیر ہوئی معاف فرمائیگا -

دو نسخے آب حیات حیدر آباد کو روانہ کر دیئے اور آپ کے بھائی صاحب کو عریضہ لکھ دیا ہے کہ ایک نسخہ اپنے کتب خانہ میں رکھیں - دوسرے نسخہ کے لئے اس قدر مرحمت فرمائیں کہ ایک عریضہ میری طرف سے لکھوائیں - اور حضور نواب سید لائق علی خاں بہادر کی خدمت میں پیش فرمائیں -

جن جن نسخوں کے لئے آپ نے ارقام فرمایا ہے - بیشک حصول مقاصد اور مطلب برآری کا رستہ یہی ہے مگر کیا کروں کہ طبیعت ایسی واقع نہیں ہوئی - میں ہمیشہ یک رخ بازی کھیلا ہوں اور خدا چاہے تو یہی چال چلونگا جیت یا ہار خدا کے ہاتھ ہے - کبھی تو ہمارا پانسہ بھی سیدھا پڑیگا - ؎

رسیدہ مژدہ کہ ایام غم نخواہد ماند　　چناں نماند چنیں نیز ہم نخواہد ماند

امرت سر کے باب میں روز بندوبست کرتا ہوں - پھر یہی کہتا ہوں جو گھڑی اس کام میں صرف ہو جائے وہی غنیمت ہے - کاغذ گو پھیلے رہتے ہیں - آپ جانتے ہیں کبھی بیٹھا کبھی لیٹا رہتا ہوں اور کاٹ پھانس - کتر بیونت کیے جاتا ہوں - جو منشی میں نے رکھا تھا بہت خوب تھا - اس کے دادا اور پھر اس کے والد میرے والد مرحوم کے پاس تھے -

ان کی بھ امدمزاولت اچھی تھی ۔ صحت پھر عسک دینا اور کھانا وغیرہ ذرا لیا اور بلایا ۔ ۔ پہلے ہنس کر آپ ذکر کی ۔ ڈیڑھ مہینے کے بعد کچھ وہ گیا کچھ میں نے رخصت کر لی اب میں ہوں اور یہیں ہے اس احوال غالب دل کا ایک سفر ضروری بلکہ مجبوری آپیش آ گیا ۔ تب آپ کو سلام کرنے آ جاؤنگا

حیدر آباد آپ بھی ذرا فرما کر لکھ بھیجیں کہ حضور نواب صاحب بالقابہ کی خدمت میں کتاب پیش فرما دیں اور جو مناسب ہو زبانی عرض فرما دیں ۔

محمد حسین آزاد

جناب من

تسلیم ۔ کاش ۱۵ ۔ ۲۰ دن پہلے تشریف لے جاتے میں ضرور آپ کے ہمرکاب چلتا اور ایک دو شعر ۔ ایک دو جلسے لکچروں کے دیکھتا اور دکھاتا اب سوائے حسرت و ارمان کے کیا ہو سکتا ہے ۔ آپ کا خط میں نے صبح کے ۸ بجے پایا ۔ ارادہ ہوا کہ خود جا کر ملنے کا بندوبست سوچوں کہ اتنے میں مصور آیا جس کا کئی دن سے انتظار تھا ۔ اسے راجہ مان سنگہ اور ملا دو پیازہ کی تصویر دے رکھی تھی کہ نقل اتار دے ۔ مگر کی تصویر اکبر کے وزیر نے محبت قدیم کی رعایت سے بھیجی ہے اور ملا دو پیازہ کی تصویر بھی ایک جگہ سے ہاتھ آئی ہے یہ بہت پرانی اور بدرنگ ہے ۔ مصور نے جو نقل اتاری دونوں جگہ سے قابل اصلاح ہے ۔ ۱۰ بجے تک بیٹھا اور وعدہ کر گیا کہ کل پھر آؤنگا چونکہ اس کا ہاتھ آنا بھی مغتنمات سے ہے اس لئے کل بھی نہیں حاضر ہو سکتا ۔ انشاء اللہ پرسوں حاضر خدمت ہونگا ۔ آپ سے بڑی التجا یہی ہے کہ دونوں پر تصویریں بخشش فرمائیں ۔

غالباً آپ کو یاد ہوگا کہ میں لکھ چکا ہوں کہ دو نسخے بصیغہ رجسٹری آپ کے بھائی صاحب کی

خدمت میں بھیج دیئے ہیں۔ ۲۶ - اگست کو روانہ کئے تھے۔ اب تک رسید نہیں آئی۔ معلوم نہیں کہ آبِ حیات نثر و جنابِ عالی کے ملاحظہ سے بھی گذرا ہے یا نہیں اگر مناسب جانیں تو ذرہ او نظرِ خورشید تک پہنچا ہیں کسی قسم کا طلب یا اُمید نہیں ہے فقط اتنی خوشی مطلوب ہے جو ہر مصنف کو اپنے کام کے پھیلانے میں ہوتی ہے۔ اس خیال سے مبادا محروم الخدمت رہ جاؤں۔ یہ نیاز نامہ لکھ کر روانہ کرتا ہوں خیر اندیشے از بسیار کچھ باتیں تو آپ تک پہنچ جائیں +

آزاد

لاہور۔ بنگلہ ایوب شاہ

۱۳ ستمبر ۸۳ء

آنریبل پنڈت گوپال کرشن گوکھلے سی۔ آئی۔ ای۔ (جنکی تصویر اس ماہ کے مخزن کے لیے باعث زینت ہے) کا نامِ نامی کسی مزید تعارف یا التعریف کا محتاج نہیں۔ آپکی زندگی کا حالات ہندوستانیوں کے لئے اولوالعزمیوں اور بلند حوصلگیوں کا ایک نہایت ہی مفید سبق اور قابلِ تقلید نمونہ پیش کرتا ہے۔ آپ ۱۸۶۶ء میں بمقام کولہاپور پیدا ہوئے اور ایف۔ اے تک وہیں تعلیم پائی۔ پھر بمبئی کے ایلفنسٹن کالج میں تحصیلِ علم کے لئے گئے۔ ریاضی میں آپ نے خصوصیت سے امتیاز حاصل کیا۔ آپکے والدین چونکہ تعلیمی اخراجات کے زیادہ متحمل نہ ہوسکتے تھے اور آپ کو وظیفہ بھی نہ مل سکا تو مجبوراً فکرِ معاش ہوئی آپ کو انجمن بیگ کالج پونا میں داخل ہونے کی کوشش کرنی پڑی۔ [illegible]۔ آپ نے ۱۸ برس کی عمر میں اشاعتِ تعلیم کے لئے اپنی زندگی کے بیس سال وقف کر دیئے۔ پبلک خدمات کے سرانجام دینے میں آپنے ایک خاص ممتاز درجہ حاصل کیا۔ گورنمنٹ نے بھی وائسرائے کی کونسل کا ممبر مقرر کرکے آپکی خداداد قابلیت کا اعتراف کیا۔ گذشتہ سال انڈین نیشنل کانگریس کے آپ پریذیڈنٹ منتخب ہوئے۔ اب آپ پھر اپنے ملک کی خدمت کے لئے انگلستان تشریف لے گئے ہیں +

جاپان اور اسکی حیرت انگیز ترقّی

(اشاعت گذشتہ سے آگے)

اس وقت کے بعد جاپان کی تاریخ ان اصولوں کی تکمیل میں نہایت بلیغ کوششوں کی تاریخ ہے۔ اور ان کے متعلق ہم ایک واقعہ کا بھی ذکر کرنا چاہتے ہیں۔ جو تاریخ اقوام میں اپنی نظیر آپ ہی ہے۔

یقین نہیں آتا اور یہ بات فطرت انسانی کے خلاف معلوم ہوتی ہے کہ اعیان و اُمرا کا ایک جم غفیر اپنی بڑی بڑی جاگیریں بڑے بڑے حقوق اپنی دولت اپنی حشمت خود اپنی مرضی سے شہنشاہ کے حوالے کر دیں لیکن جاپانی اعیان و اُمرا نے ایسا ہی کیا۔ ایک میموریل جو کئی اُمرا نے دستخط کر کے دربار شاہی میں بھیجا اس کا یہ مضمون تھا "جس جگہ ہم رہتے ہیں شہنشاہ کی زمین ہے جو کھانا ہم کھاتے ہیں شہنشاہ کی رعایا کا پیدا کردہ ہے ہم اس کو کس طرح اپنی ملکیت بنا سکتے ہیں۔ ہم نہایت ادب سے اپنے مقبوضات اور اپنے ماتحتوں کی فہرست دربار شاہی میں داخل کرتے ہیں۔ ہماری درخواست ہے کہ شہنشاہ جس کو چاہیں انعام دیں جسکو چاہیں سزا دیں جس طرح چاہیں جاگیریں تقسیم کریں دیوانی فوجداری اور فوجی احکام سب دربار سے صادر کئے جائیں اور سب چھوٹے بڑے معاملات ملکی مرضی شاہی کے مطابق طے کئے جائیں" چنانچہ ۱۸۷۱ء میں سلسلہ تعلقداران و جاگیرداران موقوف ہو گیا۔ قابلیت اور لیاقت کے اشخاص دربار میں اور ملکی خدمات پر رفتہ رفتہ مامور ہوتے گئے۔ ۱۸۹۴ء میں عہدنامہ جات پر نظر ثانی کی گئی اور جاپان کو دیگر طاقتوں سے ہمسری کا رتبہ حاصل ہو۔

۱۸۷۴ء میں فارموسا پر حملہ کر کے اُن کی بے اعتدالیوں کی سزا دی گئی۔ ۱۸۷۵ء میں روس سے جزیرہ سگھالین میں سرحدی تنازعات فیصل ہوئے ۱۸۷۶ء میں کوریا کے ساتھ عہد نامہ کیا گیا۔ ۱۸۸۱ء میں پارلیمنٹ قائم کی گئی اور پارلیمنٹ کے آئین قائم کرنے کے لئے آئیٹو ہیروبومی کو یورپ بھیجا گیا۔ ۱۸۸۵ء میں کیبنٹ پریوی کونسل قائم کی گئی جسکا پریزیڈنٹ کونٹ آئیٹو مقرر کیا گیا۔ اور دیوانی اور فوجداری قوانین نہایت شستگی کے ساتھ مدون کئے گئے۔ شہنشاہ جاپان کو تخت سلطنت پر جلوہ گر ہوئے تین برس گذرے تھے کہ مارکوئیس آئیٹو کی وزارت کو فوجی اخراجات میں زیادتی کی وجہ سے شکست ہوئی اس موقعہ پر شہنشاہ نے یہ پیغام بھیجکر وقت رفع کی اہم نے حکم دیدیا ہے کہ ہمارے خانگی اخراجات میں تخفیف کیجائے تاکہ تین لاکھ روپے سالانہ ملکی حفاظت کے لئے آئندہ چھ برس تک برابر صرف کئے جائیں نیز ہم نے حکم دیا ہے کہ ملازمان سرکار میں سے ہر ایک اپنی تنخواہوں کا دسواں حصہ بحری اخراجات کے لیئے دے۔ ان مشکلوں کے حل کرنے کے لئے ہمیں اُمید ہے کہ آئین و قوانین کے مطابق ہمارے وزرا اور قائم مقام کوشش کرینگے اور ہم اپنی رعایا کے ہر متنفس سے اُمید رکھتے ہیں کہ وہ بھی اس معاملہ میں اپنے فرائض کو انجام دیگا۔ اس پیغام نے گویا تمام ملک میں ایک برقی حرکت کا کام کیا۔ ۱۸۹۴ء میں جاپان اور انگلستان اور دیگر طاقتوں میں عہدنامے ہوگئے جنکی روسے ممالک غیر کو تجارت دی گئی مگر مقامی حکومت کے تمام حقوق اُن سے لے لئے گئے۔ اور جاپان دُنیا کی بڑی بڑی خودمختار طاقتوں کے عقد ثریا میں نہایت آب و تاب کے ساتھ چمکنے لگا۔

۱۸۹۴ء میں چین و جاپان کی لڑائی کے موقع پر اور اب دس برس پیچھے روس و جاپان کی لڑائی کے موقع پر جو جو کارہائے نمایاں جاپان نے دکھائے ہیں اور دکھا رہا ہے۔ اُسکے اوّل درجہ کی طاقت ہونے کا بیّن ثبوت اور روشن دلیل ہیں۔ اس حیرت انگیز

ترقی کی وجہ کونٹ اکوما نے خود اس طرح ایک تقریر میں بیان کی ہے۔

اگر ہم تاریخ یورپ پر نظر ڈالینگے تو ہم کو ایک قاعدہ ترقی کا معلوم ہوگا جو مقتبسات سے یہی ہے کوئی قوم خواہ اس کے آئین اور طرز حکومت کچھ ہی ہوں اسی وقت تک بہبودی کی حالت میں رہ سکتی ہے کہ جب تک خیال انسانی کی عظیم الشان موجوں کے ساتھ ساتھ تیرتی جاتی ہے۔ بہاؤ سے الگ ہو کر چلنا یا مخالف سیل رواں جانیکی کوشش کرنا قومی بربادی کا باعث ہوتا ہے۔ ہماری قومی ترقی کی وجہ یہ ہے کہ ہم ابتدا سے ان اصول پر کاربند رہے ہیں جو ہمارے شہنشاہ المعظم نے قائم کیا ہے یعنی تمام روئے زمین میں علم تلاش کرنا اور ہر ملک سے اس کی خوبیاں اخذ کر لینا شائستگی اور تمدن کے معاملات میں اقوام زمانہ سے گوئے سبقت لیجانے کی کوشش کرنا یہی عروج جاپان کی وجہ ہے کسی مذہبات کی تقلید کرنے میں ہمیں پیش و پیش نہیں۔ ترقی انسان کی موج کی طغیانی کے ساتھ ساتھ تیرنے میں ہم کبھی نہیں تھکتے اور کسی بری رسم کے ترک کرنے میں خواہ کسی قدر نقصان اور خود نثاری درکار ہو کبھی دریغ نہیں کرتے معاملات ملکی میں قوم کے لوگوں کی رائے کی شنوائی ہوتی ہے۔ اس اصول کی بدولت جو تمام علم سے روشن ہے جسکو ہم نے تمام زمانہ میں پھر کر حاصل کیا ہے ہمارے آئین اور طریقہ حکومت عدل اور عقل پر مبنی ہیں۔ قوم کی آزادی میں فرق نہیں آیا۔ تجارت اور تعلیم کے معاملات میں اصلاح کی گئی اور ہر قسم کی قومی زندگی آزادی کے ساتھ ترقی پذیر ہوگئی۔ گویا اس اصول کی بدولت جاپان کو ترقی انسانی کی سیل روانگی کے ساتھ ساتھ تیرنے میں بہت کچھ مدد ملی ہے۔ تیس برس سے زائد حکومت جاپانی نے تعلیمی معاملات میں نہایت توجہ اور جانفشانی سے کام لیا ہے اور پولیٹیکل سوشل اور جنگی امور میں طالبعلموں کو بہترین تعلیم کمال فیاضی کے ساتھ دی گئی ہے۔ اسی طرح صنعت حرفت تجارت اور زراعت میں بھی طالب علموں کو امداد دی گئی ہے۔ ہمارا ملک بین الاقوام تجارت

سکے۔ اُن میں بڑی بڑی طاقتوں کا جواب ہے۔ جاپانی صرف لڑنا ہی نہیں جانتے بلکہ زراعت، تجارت اور صنعت و حرفت کے معاملے میں بھی دستگاہ کامل رکھتے ہیں گذشتہ دس سال میں ملکی دولت چھ سات گنی زیادہ ہو گئی ہے۔ اور گذشتہ دس سال میں یعنی جنگ چین سے نہایت [illegible] کے بعد آجتک ملکی دولت سہ گنی ہے۔ جاپان کی فتوحات جنگی اور بحری [illegible] اس سے بلکہ اس بات سے کہ گذشتہ دس سال میں ملکی دولت کتنی ہو گئی ہے۔ ثبوت ملتا ہے کہ جاپانی فتوحات ہر صیغہ میں جاری ہیں

جاپان کی مالی حالت کی نسبت اخبار ناینٹینتھ سنچری میں لکھا ہے کہ جاپان کے منافع بخش ذرائع غیر ملک کے ساہوکاروں کے ہاتھ میں بالکل نہیں جیسا کہ اکثر نوترقی یافتہ ممالک میں پایا جاتا ہے بلکہ اس کے تمام بندرگاہ ریلیں بحری اور برقی کارخانے ٹیلیگراف ٹیلیفون دخانی انجن اور کانیں سب اہل ملک کے ہاتھ میں ہیں۔ جاپانی روپیہ سے یہ سب کام چلائے جاتے ہیں۔ اور باوجود اس کے جاپانی سیونگ بنک۔ راہن کمپنیاں۔ بیمے کی کمپنیاں روز بروز روپیہ کی بھرمار سے مالدار ہوتی جاتی ہیں سنہ ۱۹۰۲ء میں سات ہزار آٹھ سو سولہ ایسے کارخانے تھے جن میں دخانی انجن کام کرتے تھے۔ اور دو ہزار نو سو اکانوے کارخانوں میں موٹر سے کام لیا جاتا تھا باقی ہاتھ سے کام کرنیکے کارخانے جدا تھے۔ قریباً پانچ لاکھ کام کرنے والے ہیں جن میں باسٹھ فیصدی عورتیں ہیں کلیں اور موٹر انجن [illegible] بنانے کے کارخانے موجود ہیں۔ کپڑا ریشم کاغذ دیا سلائی چٹائیاں۔ برتن اور [illegible] وغیرہ بنانے میں جاپان اکثر ممالک سے گوئے سبقت لے گیا ہے اور کسی سے کم تو ہرگز نہیں۔ موجودہ جنگ سے جاپان کی تجارت میں بالکل فرق نہیں آیا بلکہ جس طرح جنگ چین ترقی تجارت کا باعث ہوئی تھی اسی طرح امید کی جاتی ہے کہ جنگ روس بھی موجب ترقی جاپان ہو۔

جاپان میں تعلیم موجودہ کی تاریخ سنہ ۶۸ سے شروع ہوئی ہے۔ آج لوگوں کو بکمیں

جاپان میں تعلیم مغربی کا شوق پیدا ہوا تھا چنانچہ سنہ ۱۸۶۰ء میں بمقام ٹوکیو ایک ٹرانٹ ایجوکیشن قائم ہوا سنہ ۱۸۷۲ء میں نصاب تعلیم مرتب کیا گیا اُس وقت شہنشاہ نے اپنا منشا ان الفاظ میں ظاہر کیا کہ اس وقت سے ہمارا منشا ہے کہ تعلیم اس قدر عام کر دیجائے کہ کوئی گاؤں ایسا نہ ملے جس میں ناخواندہ خاندان موجود ہوں اور کوئی خاندان ایسا نہ ملے کہ جس میں ایک بھی ناخواندہ شخص نظر آئے۔ ممالک غیر میں تعلیم کے لئے پہلے بہت سے طالب علم بھیجا کرتے تھے۔ چنانچہ سنہ ۱۸۷۳ء میں دو سو پچاس طالب علم سرکاری خرچ پر تعلیم کی غرض سے ممالک غیر میں بھیجے گئے۔ رفتہ رفتہ خود جاپان ہی میں ہر قسم کے تعلیمی ذرائع مہیا ہو گئے جو طالب علم غیر ممالک سے علم و ہنر سیکھ کر آئے انہوں نے یہاں تک دستگاہ حاصل کی کہ خود معلم بن بیٹھے چنانچہ سنہ ۱۸۸۵ء میں صرف گیارہ طالب علموں کو غیر ممالک میں سرکاری خرچ پر بھیجنا کافی سمجھا گیا۔ اہل جاپان زیادہ تر اپنی مدد آپ کرنا چاہتے ہیں ممالک غیر کے دست نگر رہنا نہیں چاہتے۔ علوم و فنون کی تعلیم گاہوں میں بھی جہاں پہلے انگریز۔ امریکن۔ فرانسیسی یا جرمن پروفیسر ہوتے تھے۔ اب جاپانی پروفیسر ہوتے ہیں سنہ ۱۹۰۰ء میں اعلان کر دیا گیا ہے کہ تمام ابتدائی مدارس میں تعلیم مفت دیجایگی۔ اہل جاپان تعلیمی معاملات میں بہت دلچسپی لیتے ہیں اور دل کھول کر عطیے دیتے ہیں سنہ ۱۹۰۲ء میں سوا لاکھ پونڈ کے عطیات مدرسوں کو دیئے گئے۔ ایک برس میں چھتیس لاکھ ایکڑ زمین چودہ ہزار تین سو بطور دوسیر شمن علماء کی طرف سے وصول ہوئیں۔

پہلے یہ دستور تھا کہ اگر کسی کے ہاں اولاد نرینہ نہ ہوتی تھی تو گھر میں دوسری ڈال لیا کرتے تھے۔ اکثر خود بیویاں ہی اپنے خاوندوں کو دوسری شادی کی ترغیب دیا کرتی تھیں لیکن سنہ ۱۸۸۰ء میں فرمان شاہی کی رو سے یہ اعلان کیا گیا کہ حرم کی اولاد ناجائز وارث سمجھی جائیگی اس طرح سے یہ بری رسم اب قریباً معدوم ہو گئی ہے۔ جاپان کا علمی محکمہ

نہایت قابلیت کے ساتھ اپنے فرائض کو انجام دیتا ہے۔ تھوڑا ہی عرصہ ہوا کہ ایک جاپانی فوجی افسر نے ایک انگریز سے کہا کہ ہم بیماری کو بالکل نیست و نابود کر دینا چاہتے ہیں۔ روس بیس لاکھ فوج میدان کارزار میں جمع کر سکتا ہے اور ہم صرف پانچ لاکھ لیکن یہ بات سب جانتے ہیں کہ لڑائیوں کے موقع پر اگر ایک آدمی گولی سے مرتا ہے تو چار آدمی بیماری کی وجہ سے مر جاتے ہیں۔ روس کا اس جنگ میں یہی حال ہوگا۔ ہم نے ایسا انتظام کیا ہے کہ بیماری سے کوئی مرنے نہ پائے اور ہر ایک سپاہی میدان جنگ میں کام آئے۔ پس ہم کو روس کی کثیر التعداد فوج سے کچھ بھی اندیشہ نہیں ہے اور ہم اُن سے کسی طرح کم نہیں۔ خواہ جاپانی افسر کا خیال آخر کار سچ نکلے یا غلط جو جو کارہائے نمایاں اس وقت تک جاپان دکھا چکا ہے اُن کو مد نظر رکھ کر ہم یہ تو ضرور کہہ سکتے ہیں کہ شکست فتح نصیبوں سے ہے۔

یکم جولائی سنہ ۱۹۰۴ء سے پہلے ایک ہزار زخمی ٹکایو کے ہسپتال میں داخل ہوئے۔ جن میں سے ایک آدمی بھی نہیں مرا۔ اہل جاپان کے خصائل اور عادات کے متعلق بعض باتیں بیان کرنی نہایت ضروری معلوم ہوتی ہیں۔

اوّل حب وطنی در اصل اہل جاپان کا مذہب حب وطنی ہی ہے۔ بادشاہ وقت کے ساتھ وفاداری اور ملک کے لئے جان نثاری ہر ایک جاپانی کا دین و ایمان ہے اہل جاپان کی نگاہ میں جان کی کچھ وقعت نہیں ہے۔ گویا ہر وقت ہتھیلی پر سر رکھے ہوئے ہیں۔ نام پر جان دیتے ہیں۔ جہاز کیشو مارو جب گرفتار ہوا تو اس پر جس قدر جاپانی افسر اور سپاہی وغیرہ تھے اُنہوں نے بے عزتی کے ساتھ مغلوب ہونے سے خودکشی کر لینے کو ترجیح دی۔ دو ہزار ریزروسٹ جنکو محکمہ طبی نے لڑائی کے ناقابل قرار دیدیا اُنہوں نے لڑائی میں جانے پر اصرار کیا ورنہ خود اپنے تئیں ہلاک کر دینا چاہا۔ بہت سی بیبیوں اور بچوں نے اپنی جانیں اس لئے کھوئیں کہ اُن کے مرد جنگ میں جانے سے

باز نہ رہیں ۔ پورٹ آرتھر کے دہانے کے قریب جب جہازوں کو ڈبونے کی تدبیر کی گئی تو بہت سے ملاحوں نے عرضداشت دی کہ ڈوبنے کی ڈیوٹی اُن کے سپرد کیجائے اور اُنہوں نے اپنی انگلیاں کاٹ کر اس عرضی پر اپنے خون سے مہریں لگائیں ۔ دنیا میں شاید پرجوش لوگ اور بھی ہونگے مگر ایسے لوگ جن کا جوش انکے غور و فکر کا نتیجہ ہوتا ہے اور سوچ بچار نے کے بعد بھی قائم رہتا ہے ۔ شاید کہیں نہ ملیں ۔

اسی لڑائی کے موقعہ پر جب امیرالبحر ٹوگو کے ایک بیٹے نے نہایت بہادری کے ساتھ اپنی جان نثار کی تو سرکار کی طرف سے اس کے والدین کو پنشن مرحمت ہوئی مگر اُنہوں نے پنشن لینے سے اس بنا پر انکار کر دیا کہ بجائے کسی رنج کے ہم کو تو خوشی ہوئی ہے اور افتخار حاصل ہوا ہے کہ ہمارا بیٹا ملک کے کام آیا ۔ جب ایک کروڑ پونڈ کا قرضہ سرکار نے لیا تو بہت سے لوگوں نے سو پونڈ کے نوٹ کی بجائے ایک سو بیس پونڈ دینے پر اصرار کیا ۔ بہت سے بنک اس بات پر ناراض ہوئے کہ سارا قرضہ انہیں سے کیوں نہیں لیا گیا ۔ یہ تو یہ ایک مجرم نے جو پھانسی دیئے جانے کو تھا اپنے آخری وقت کی خوراک وار فنڈ کو دیدی ۔ مدرسہ کے لڑکے وار آفس میں عرضیوں پر عرضیاں دیئے جاتے ہیں کہ ہم کو کسی نہ کسی خدمت پر لڑائی میں بھیجا جائے ۔ اِن عرضیوں پر خون سے دستخط کرتے ہیں اور یہ کوئی غیر معمولی بات خیال نہیں کی جاتی ۔

ڈاکٹر کاوامورا چین کی لڑائی کے موقعہ پر نہایت زخمی ہو گیا تھا ایک سپاہی نے اسکو اُٹھا کر لیجانا چاہا جب ڈاکٹر کو ہوش آیا تو پوچھا کہ کیا تم توپ پر متعین ہو اُس نے کہا ہاں ڈاکٹر نے کہا کہ جاؤ مجھ کو نہیں چھوڑ اور فوراً اپنے کام پہ حاضر ہو اُس نے کہا کہ میری توپ بیکار ہو گئی ہے ڈاکٹر نے کہا کہ اس صورت میں تم کو کسی دوسری توپ پر جانا چاہیئے ۔ زخمیوں کو اُٹھانا تمہارا کام نہیں ہے ۔

تھوڑی دیر بعد وہ لوگ آئے جنکا فرض زخمیوں کا اُٹھانا تھا اور ڈاکٹر کو اُٹھا کر

ہسپتال لیگئے۔ وہاں پہنچکر ڈاکٹر نے پانی کی ایک ٹب منگائی اپنے زخمی پاؤں اُس میں ڈال دیئے اور ہسپتال کے دیگر زخمیوں کے علاج میں ایسے اطمینان کے ساتھ مصروف ہوگیا گویا زخمی ہی نہ تھا۔

سرجن یوسوٹی ہروشی کو جب اُس کی خدمات کا انعام دینے لگے تو اُس سے پوچھا کہ تم کیا چاہتے ہو۔ اُس نے جواب دیا کہ مجھے دو برس کے واسطے لنڈن سینٹ ٹامس کے ہسپتال میں بھیجا جائے کہ میں وہاں تجربہ حاصل کر کے ملک کی بہتر خدمت کرسکوں

ایک بوڑھیا کے جب اپنے دو بیٹوں کے لڑائی میں کھیت رہنے کی خبر ملی تو اُس نے آہ تک بھی نہ کی لیکن جب اس کے تیسرے بیٹے کے مرنے کی خبر آئی تو رو پڑی لوگوں نے سبب پوچھا تو جواب دیا کہ میرے رونے کی وجہ یہ ہے کہ میرا اب کوئی بیٹا نہیں کہ جو ملک اور شہنشاہ پر نثار ہوسکے۔ جاپانی وقت کے بڑے پابند ہیں۔

چنانچہ مسٹر آرنلڈ ڈیوسی اپنی نایاب کتاب "فار ایسٹ" میں جاپانی بحری ملازمان کا دیگر ممالک کے ملاحوں سے مقابلہ کرتے ہیں اور اُن کی رائے ہے کہ "پابندی وقت چال چلن اور حسن انتظام کے لحاظ سے جاپانی جہازوں کو دیگر طاقتوں کے جہازوں سے بہت کچھ امتیاز حاصل ہے۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ جس سرعت کے ساتھ جاپان ترقی کر رہا ہے وہ ایسی حیرت انگیز ہے کہ یورپین طاقتوں کو اندیشہ پیدا ہوگیا ہے کہ کہیں زمانہ پھر پلٹا نہ کھائے اور یہی مشرقی طاقت یورپ کی شائستگی کو مغلوب نہ کر لے۔ چنانچہ سنہ ۹۵ء میں شہنشاہ جرمن نے ایک تصویر کھچوا کر شہنشاہ روس کی خدمت میں بھیجی اور اس کے نیچے یلو پرل (یعنی خطرہ اقوام زرد رنگ) لکھا۔ اس تصویر میں ایک اونچی چٹان پر فرشتہ میکائیل کھڑا ہوا ہے جس کے ہاتھ میں تیغ شرر افشاں ہے یہ فرشتہ بہت سی خواتین کو نصیحت کر رہا ہے اور اس خطرے سے آگاہ کر رہا ہے جو ایک دریا کی طرف سے وادی کے راستہ سے آ رہا ہے۔

اسی تصویر میں بائیں طرف خطرہ کی تصویر اس طرح کھینچی ہے کہ آتشیں جلال کے مانند بادلوں کے طوفان میں سے نکل کر جو ایک شہر کے جلنے سے پیدا ہو رہے ہیں۔ ایک اژدہا پر سوار ایک زرد رنگ کا پست قد شخص بڑھا آ رہا ہے تعجب ہے کہ خطرہ کی شکل کو ہیبت ناک نہیں بنایا ہے بلکہ آلتی پالتی مارے ایک سادھو کی طرح گیان دھیان میں بیٹھا ہے۔ اگر غور سے دیکھا جائے تو یورپ کو جاپان سے اس قسم کا کوئی خطرہ نہیں ہے جسکا یو پیرل میں اشارہ ہے۔ دراصل خطرہ وہ ہے جسکا نقشہ کیوٹو ہاسن ایک جاپانی مصور نے کھینچا ہے۔ اس تصویر میں بہت سے کارخانے دکھائے ہیں جہاں بے انتہا لوگ غالباً دن چین میں ۲۴ میں سے ۱۵ گھنٹہ لگاتار کام کر رہے ہیں۔ ان کے مقابلہ میں مغربی اجیر جو ہمیشہ زیادہ مزدوری طلب کرتے ہیں اور کم وقت کام کرنا چاہتے ہیں کہاں ٹھہر سکتے ہیں۔ چین کے لکھوکھا باشندے ان میں سے ہر ایک صوفی منش کفایت شعار ذہین و مزدور ہے اور جو خوش خوش لگاتار محنت کرنے کا عادی ہے جو اس قدر کم مزدوری طلب کرتا ہے کہ جس میں ایک مغربی اجیر اپنا گذارہ بھی نہ کر سکے مغربی اجیروں کو مشکل میں ڈال دینگے جاپان کے اثر سے چین بھی اب کچھ جاگ اٹھا ہے اور ممکن ہے کہ چین اور جاپان کی ترقی کا اثر ہندوستان میں کچھ رنگ دکھائے۔ مگر ہندوستان اسی صورت میں ترقی کر سکتا ہے جب ان سبقوں کو سیکھے جو جاپان کی تاریخ ہم کو سکھا رہی ہے۔ سوامی وویکانند نے جاپان جا کر ایک خط لکھا تھا جو اکثر اخباروں میں شائع ہو چکا ہے۔ اس سے اقتباس کرنا اس جگہ نامناسب نہ ہوگا۔

"میری خواہش ہے کہ ہمارے بہت سے نوجوان جو اب تک ہندوستان کو ہی تمام اچھائیوں کا مرکز سمجھتے ہیں ہر سال جاپان آیا کریں تم ہندوستانیوں کی ہستی ہی کیا ہے۔ تم ہو کیا چیز۔ تمام عمر باتیں کرنے میں کھو دیتے ہو یا دنیا کو ترک کر ہو گیا

پیغمبر ہو اور اِن لوگوں کو دیکھو اور جاکر اپنے منھ شرم سے اپنے دامن میں چھپاؤ۔ تم سب کے سب فضول اور مسلوب العقل ہو گھر سے باہر نکلنے میں تمہاری ذات جاتی ہے ایک ہزار برس سے جہالت کی تاریکی میں پڑے ہو۔ ایک ہزار برس سے اپنی طاقتیں کھانے پینے کی چھوت پر بحث کرنے میں ضائع کر رہے ہو۔

صدیوں کے سوشل نظامات انسانیت کا مادہ تم میں سے جدا کر رہے ہیں سوچو تو سہی۔ تم نے کیا اور کر کیا رہے ہو۔ سمندر کے ساحلوں پر کتابیں ہاتھ میں لئے جہل تقدس کر رہے ہو۔ اہل یورپ کے دماغی نتائج کے پریشان فقرے بغیر سمجھے زبان سے رٹتے ہو اور تمام کوشش صرف اتنی بات تک محدود ہیں کہ تیس روپیہ کی کلرکی مل جائے یا وکیل بن جاؤ جو آجکل ہندوستانی نوجوانوں کی سب سے بڑی خواہش ہے۔ کیا سمندر میں کافی پانی نہیں ہے کہ تم سب کو تمہاری کتابوں کو اور تمہاری یونیورسٹی کے چوغوں اور تمغوں کو ڈبو سکے۔ آؤ مرد بنو اپنے تنگ سوراخوں میں سے نکلو اور دنیا کو دیکھو۔ دیکھو اور قومیں کس طرح ترقی میں آگے بڑھتی جا رہی ہیں۔ کیا تم میں اپنی نوع کی محبت موجود ہے۔ کیا تم میں اپنے ملک کی محبت موجود ہے اگر ہے تو آؤ ہم مکرر اعلیٰ اور بہتر چیزوں کے حصول کے لئے کشمکش کریں۔ پیچھے مڑ کر نہ دیکھو خواہ تمہارے عزیزوں اور قرابتیوں کے رونے اور چلانے کی آوازیں تمہارے کان میں آئیں پیچھے نہیں آگے ہی آگے دیکھو ہندوستان کو ضرورت یہ ہے کہ کم از کم ایک ہزار نوجوان قربانی کے لئے تیار ہوں مگر وہ مرد ہوں حیوان نہ ہوں۔ سرکار انگریزی خدا نے تمہاری جہالت دور کرنے کے لئے بھیجی ہے اور مدراس نے سب سے پہلے انکو جگہ دی۔ اب مدراس کس قدر آدمی پیدا کر سکتا ہے جو خود غرض نہ ہوں اپنا فرض پوری طرح انجام دے سکیں جو ایک نیا رنگ پیدا کرنے غریبوں کے ساتھ ہمدردی کرنے بھوکوں کے لئے خوراک مہیا کرنے اور عوام الناس کو نئی روشنی پہنچانے کے لئے کوشش کرنے میں جان تک دیدیں اور ان لوگوں کو جو اپنے بزرگوں کے نظام کی وجہ سے درجہ انسانی سے گر کر حیوان بنگئے ہیں پھر انسان بنا دیں

غرب افریقہ

گو سفر آج کل عام چیز ہو چلا ہے۔ تاہم ہندوستان میں بہت کم لوگ ایسے ہونگے جنہوں نے مغربی افریقہ کا عزم کیا ہو کیونکہ علاوہ بُعد المشرقین کے مغربی افریقہ کی آب و ہوا کے بدنام ہونے کے باعث خیال کیا جاتا ہے محض سیر و سیاحت کے لئے کوئی وہاں کیوں جانے لگا۔ مگر روزی عجیب چیز ہے۔ حال میں ہمارے چند باہمت پنجابی بھائیوں نے وہاں سرکار انگریزی کی ملازمت کے سلسلے میں جانا قبول کیا ان کی جماعت انگلستان سے ہوکر افریقہ کی سمت گئی۔ اس جماعت میں مخزن کے ایک پرانے خیرخواہ سید عالم شاہ صاحب ہیں ان کا ایک خط جو مقام سرالیون سے ۱۰۔ مارچ کو لکھا ہوا ہے ہدیہ ناظرین ہے۔ امید ہے کہ ان کی بدولت اس ملک کے جو دن بدن آباد ہوتا جاتا ہے حالات ہندوستان تک پہنچتے رہینگے۔ تاکہ اگر یہ جماعت وہاں کی آب و ہوا عموماً موافق پائے تو اور لوگوں کو ہمت دلانے اور تشویق کے لئے یہ تحریریں مفید ثابت ہوں:-

۳۔ مارچ ۱۹۰۶ء کو ہمارا جہاز لورپول سے روانہ ہوا۔ رستہ جہاز کا چونکہ خلیج بسکے کے ساتھ تھا اور خلیج مذکور کے تلاطم کی شہرت عام ہے۔ اس لئے جہاز لہروں سے متاثر ہوتا چلا آیا اور ناتجربہ کار مسافروں کو ایک گونہ تکلیف محسوس ہوتی۔ مگر بسکے کے چکر سے نکلکر سمندر بالکل ساکن رہا۔ ۹۔ مارچ کو ابھی آٹھ بھی بجنے نہ پائے تھے کہ جہاز نے لاس پامہ کے بندرگاہ میں آ لنگر ڈالا۔ خشکی پر اُترنے کے شوق نے ہم سب کو سخت بیقرار کر رکھا تھا۔ مگر دس بجے تک اُترنا نہ ہوسکا۔ آخر دس بجے اُتر کر بذریعہ ایک بجرے کے کنارے پر پہنچے۔ وہاں سے ٹریموے میں سوار ہوکر لاس پامہ

میں جا داخل ہوئے۔ یہاں کے رستے وغیرہ دیکھ کر وطن یاد آگیا۔ ویسے گرد کا نشان نہیں دیکھا تھا مگر اس مقام پر گرد اڑ اڑ کر آنکھوں میں پڑنے لگی۔ سڑکوں کا انتظام خاطر خواہ نہیں ہے۔ یہاں کی آب و ہوا اچھی ہے نہ زیادہ سردی نہ زیادہ گرمی۔ انگلستان سے بہت لوگ یہاں موسم سرما میں چلے آتے ہیں۔ سردی سے بھی بچ جاتے ہیں اور ایک نئی جگہ کی سیر بھی ہو جاتی ہے۔

شہر لاس پامہ کنیری کا مشہور شہر ہے۔ شہر کی عمارات اچھی ہیں۔ بازار بھی تنگ نہیں ہیں۔ لاس پامہ جزیرے کے شمال مغرب میں واقع ہے۔ نہایت پُر فضا مقام ہے قدرتی مناظر اور جائے وقوع کے لحاظ سے یہ مقام بہت اچھا ہے۔ البتہ قدرت نے یہاں کے باشندوں پر ایسی عنایت نہیں کی جیسی یہاں کی سرسبزی سے توقع تھی۔ یہاں کے لوگ گو ایسے بدصورت نہیں ہیں لیکن خوبصورتی سے بھی دور ہیں۔

اس جزیرے کی زمین بہت زرخیز ہے۔ ہر قسم کی پیداوار یہاں ہوتی ہے۔ علاوہ اور چیزوں کے گنا بھی یہاں پیدا ہوتا ہے اور اچھا شیریں ہے۔ مغربی شہروں کی طرح ایک مارکیٹ بنی ہوئی ہے۔ جہاں کل اشیائے خوردنی فروخت ہوتی ہیں۔ یہاں کے لوگ اخلاق میں بھی اچھے نہیں۔ بلکہ کج خلقی تک پہنچے ہوئے ہیں۔ گورنمنٹ کا انتظام بہ حیثیت مجموعی خاصہ ہے۔ یہ جزائر زیر حکومت ہسپانیہ ہیں۔ چیزیں یہاں ہندوستان کی نسبت بہت گراں ہیں۔ مگر بہ نسبت یورپ یا انگلستان کے یہاں ارزانی ہی سمجھنی چاہئے۔ یہاں کوئی چیز انسانی صنعت کی قابل دید نظر نہ آئی۔ ایک عجائب خانہ تھا۔ لیکن وہ شاید اس لئے عجیب ہے کہ اس میں کچھ بھی نہیں۔ سب سے بہتر عمارت اس شہر میں ایک گرجے کی ہے۔ یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ چند دکانیں اہل ہند کی بھی تھیں۔ جو بمبئی کے رہنے والے ہیں لیکن وہ بدظنی کی شکایت کرتے ہیں۔ یہ لوگ اس جگہ غنیمت معلوم ہوئے اور اس وقت بڑی

خوشی ہوئی جب انہوں نے اپنی اردو میں پوچھا کہ آپ پنجاب کے رہنے والے ہیں - لاس پامہ میں نہ کوئی ہماری زبان سمجھتا تھا نہ ہم کسی کی ۔ دونو طرف گنگ ۔ سفر میں یہ موقعہ بھی عجیب پڑتا ہے کہ طرفین کو خدا کے ہاں سے زبان دی گئی ہے - مگر اختلاف زبان کے سبب ساکت کھڑے ایک دوسرے کا منہ دیکھ رہے ہیں گویا حیوان ناطق ہی نہیں ہیں -

جزائر کینیری کے باشندے معلوم ہوتا ہے کہ پیدا تو ترقی کئے گئے تھے مگر مغرب نے بزور بازو انکو اپنی طرف کھینچ لیا ہے ۔ مردوں کا لباس یورپ کا لباس ہے اور عورتوں کا بھی علیٰ ہذا القیاس ۔ لیکن ایک فرق نمایاں اب تک باقی ہے کہ یہاں کی عورتیں سر پر کپڑا لیتی ہیں اور رنگت روغن میں بھی مغربی عورتوں سے متمیز ہو سکتی ہیں -

لاس پامہ کی سیر میں تقریباً چار گھنٹے صرف ہوئے جی تو چاہتا تھا کہ چند روز آدمی یہاں اقامت کرے مگر باگ دوسرے کے ہاتھ میں تھی ۔ تین بجے واپس جہاز میں آ گئے اور چار بجے جہاز نے لنگر اٹھایا ۔ جزائر کینیری سے چلکر سفر نہایت آرام سے ہوا ہے ۔ سمندر کہیں متلاطم نہیں ملا ۔ پرسوں راس ورد کے سامنے جہاز پہنچا یہ راس سنی گمبیا کے مشرق میں ہے جغرافیہ میں تو اس کی تعریف سب نے پڑھی ہوئی ہے اور نقشہ پر بھی نوکدار سی چیز دیکھی ہوئی ہے مگر آنکھ سے اصل راس کو دیکھنا بکلی مختلف ہے ۔ یہاں کے دیسی لوگ کشتیوں پر سوار ماہی گیری کر رہے تھے ۔ یہ کشتیاں خوبصورت بنی ہوئی تھیں اور جب ان کے سوار ہمارے نزدیک آئے تو اشارے سے سلام کیا ۔ ان لوگوں کے لباس سے ظاہر ہوتا تھا کہ تمدن سے خارج نہیں ہیں ۔ بعض مقامات پر یوں ہوا کہ یک لخت بڑی بڑی مچھلیاں پانی سے نکلکر جہاز کے ساتھ ساتھ چھلانگیں مارنے لگیں ۔ ایسا دکھائی دیتا تھا کہ دوڑ میں مقابلہ کر رہی ہیں ۔ اور ایک دوسری سے بڑھنا چاہتی ہیں ۔ انکے بدن کی صفائی ۔ انکی پھرتی اور وہ سہولت جس سے وہ ادھر ادھر حرکت کرتی تھیں ۔ نہایت دلکش و خوش کن تماشا تھا +

زندۂ جاوید پھول

ناظرین! بچپن میں مَیں پھولوں کا بڑا شوقین تھا۔ مگر بدقسمتی سے گھر کے صحن کے آگے پھولوں کا کوئی تختہ یا چھوٹا سا گنج نہ تھا جس سے مَیں اپنی ننھی سی تفریح کو تروتازہ رکھتا۔ یہ ایک ناخوشگوار کمی تھی جو ہر گھڑی ہر وقت مغموم اور افسردہ خاطر بنائے رکھتی تھی۔ ننھی سی جان۔ اور پھولوں کا ارمان۔ اتنی جرأت کہاں کہ خود بازار جا کر گل فروشوں کی دوکان سے پھول مول لاؤں اور ان سے اپنا دل بہلاؤں۔ علاوہ اس کے باپ کی شفقت۔ ماں کی محبت اپنے صغیرسن بچے کو گھر سے تنہا باہر نکلنے کی بھلا کب اجازت دے سکتی تھی۔ مجھے کسی خاص قسم کے پھولوں سے رغبت نہ تھی۔ بلکہ میرا تعشق ان کے ساتھ عام تھا۔ میرا دل جیسا چنبیلی کی نرم و نازک نکیلی کلیوں سے مانوس تھا ویسے ہی مجھے گلاب کی ننھی ننھی خوشنما پنکھڑیوں سے بھی محبت تھی۔ مَیں نہ صرف پھولوں کو دیکھنے کا ہی شائق تھا۔ بلکہ میرے دماغ کو بھی انکی بُو سے ایک فطری مناسبت تھی۔ خوش قسمتی سے میرے ہمسایہ میں دو چار مالنیں بھی رہتی تھیں جو میری ماں کو کبھی کبھی پھولوں کے ہار اور گلدستے بنا کر دیجایا کرتی تھیں۔ مَیں انکو دیکھ کر بے اختیار باغ باغ ہو جاتا۔ اور مارے خوشی کے جامہ میں پھولا نہ سماتا۔ اور انکو لیکر اچھلتا کودتا ماں کی نظر بچا گھر سے باہر نکل جاتا اور اپنے ہم سن لڑکوں کے ساتھ بڑے شوق سے گلیوں میں کھیلا کرتا۔ بدنصیبی سے اگر میرے ساتھ کے کھلاڑیوں میں سے کوئی شریر بچہ میرے ہاتھ سے انکو چھین لیتا۔ تو میرے نازک دل کو سخت صدمہ پہنچتا اور مَیں نہایت آزردہ دلی اور مایوسی کے ساتھ روتا چیختا گھر کو واپس آتا۔ میری ماں مجھ پر بڑی شفیق تھی۔ مجھ کو غمگین اور مضطرب پا کر بازار سے پھولوں کے ہار فوراً منگوا دیتی اور مَیں انکو لے کر پھر اپنے چھوٹے چھوٹے رفیقوں

کے ساتھ کھیل میں مشغول ہوجاتا۔ مگر۔ آہ! یہ چھوٹا سا مشغلہ اس قابل نہ تھا جس سے
میں اپنے شوق کی پیاس کو جی بھر کر بجھا سکتا۔ کیونکہ مجھ کو تو اس بات کی دھن تھی کہ سوتے
جاگتے۔ اُٹھتے بیٹھتے۔ ہر وقت پھولوں کا ایک تروتازہ چمن میری آنکھوں کے سامنے
رہے حقیقت تو یہ ہے کہ میں کسی لمحہ اور کسی ساعت بھی انکو اپنی نگاہ سے جدا کرنا
نہ چاہتا تھا۔ اور مجھے اُن کی مفارقت نہایت ہی شاق اور ناگوار تھی۔ شفیق باپ نے
جب اپنے کمسن نونہال کو دل ہی سے پھولوں کا بے طرح شیدا پایا تو گلاب کے
کتنے ہی چھوٹے چھوٹے پودے لاکر صحن میں لگا دیئے۔ جن میں کچھ دنوں بعد متعدد
پھول آنے لگے۔ مگر اُن سے میری سیری نہ ہوئی۔ کیونکہ اُن کی بہار دیرپا اور مستقل
نہ تھی۔ وہ بہت جلد کملا جاتے تھے۔ مئی کی چلچلاتی ہوئی دوپہر کی ناقابل برداشت
دھوپ۔ اور باد سموم کے تند تند جھونکے۔ یہ دو ایسے قوی اسباب تھے جو بہت
جلد اُن کے مسکراتے ہوئے چہروں کو پژمردہ کر دیتے تھے۔ اور وہ اپنے ننھے ننھے
ہاتھ پاؤں سکوڑ کر مایوسی کے عالم میں ہمیشہ کے لئے سرنگوں ہو جاتے۔ مجھ کو یہ گوارا
نہ تھا کہ نیچر اس چھوٹی سی غیر ذی روح معصوم مخلوق کے ساتھ ایسا بُرا برتاؤ کرے
اور میری تفریح کے مشغلے میں مخل ہو۔ اس خیال سے میں اور بھی رنجیدہ خاطر رہنے لگا۔
اور مجھ کو اب پھولوں کے کسی ایسے زندۂ جاوید تختہ کی تلاش ہوئی جس کی بہار ہمیشہ
میری آنکھوں کے سامنے تروتازہ رہے۔ اور جس کی شگفتگی پر بے رحم زمانہ کا غاصب
ہاتھ اثر نہ کر سکے۔ مہربان باپ نے جب دیکھا کہ ننھا بچہ ہر وقت ملول اور اداس رہتا ہے
اور باوجود ان دلچسپ قدرتی مشاغل کے اُس کا سودا روز بروز بڑھتا جاتا ہے تو میری
دلبستگی کے لئے مختلف قسم کے سامان مہیا کئے۔ شہر کے بساطیوں کی دوکانوں
سے کتنے ہی رنگ برنگے گلدستے اور انواع واقسام کے گلدان منگوا کر میرے کمرے
میں جابجا آویزاں کر دیئے۔ میری چھوٹی سی میز کو مختلف قسم کے گل بوٹوں سے سجایا۔

میری ماں بھی حتی الامکان میری دلجوئی میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کرتی تھی۔ کبھی میرے دل بہلانے کے لئے میری قبا کے دامن پر گلاب کا کوئی خوشنما پھول کاڑھتی۔ کبھی کاغذ کے گل بوٹے تراش کر میرا دل اُن سے بہلاتی۔ مگر مجھ کو اُنکی ذرا بھی پروا نہ تھی۔ میرے قدرتی شوق کا دائرہ خدانخواستہ ایسا تنگ اور کوتاہ نہ تھا۔ جس کو چند انسانی صنعت کے تراشے ہوئے مصنوعی پھول اپنے اوچھے دامن میں ڈھک لیتے مجھ کو تو کچھ سودا ہی اور تھا۔ پھر بھلا ایسے ہیچ و لچر ناچیز مشاغل کا میرے دل پر کب اثر ہو سکتا تھا قطع نظر اسکے مجھ کو ابتدا ہی سے تصنع سے نفرت تھی اور میرے دل و دماغ فطرتاً مصنوعی اشیاء کی بیرونی نمود اور ظاہری زرق برق سے سخت متنفر تھے میں تو نیچر کے کسی ایسے دلکش۔ مگر مستقل نظارہ کا ہوا خواہ تھا جو ہمیشہ میری آنکھوں کے سامنے رہے۔ بالجملہ اب مجھ کو بقا کے پھولوں کی جستجو تھی۔ مگر ایسے زندہ جاوید پھولوں کا ایک فانی کے لئے ہاتھ آنا اور وہ بھی علی الخصوص اس ناپائدار دنیا میں جو بجائے خود فنا کا مرکز ہے اور جس میں ایک ایک منٹ پر مادی اشیاء کی ہئیت اور اُن کے اجزاء کی ترکیب و ساخت میں بےشمار تبدیلیاں واقع ہوتی ہیں کوئی آسان بات نہ تھی آپ جانئے چھوٹے بچے کا شوق بُرا ہوتا ہے اور پھر اُس پر ناکامی۔ یہ ایک ایسا نکیلا کانٹا تھا جو ہر وقت نشتر بنکر میرے جگر میں کھٹکا کرتا اور مجھ کو کسی پہلو چین نہ لینے دیتا تھا۔ میں اپنی کامیابی کے لئے کتنے ہی خیالی منصوبے باندھا کرتا اور میرے ننھے سے دماغ میں مختلف خیال گونجتے رہتے تھے۔ مگر بے سود۔ قصہ مختصر کمبخت شوق کی ناکامی بلائے بے درمان سی بنکر کچھ ایسی پیچھے پڑی کہ تھوڑے ہی دنوں میں چھوٹے بچے کو بستر علالت پر لٹا دیا۔ میرے رخساروں کی سُرخی جاتی رہی۔ ذرا سا منہ نکل آیا۔ اور اس غم میں گھل کر تابوت سے بدتر ہو گیا۔ میرے والدین نے بیفائدہ میری تسلی اور تشفی کی کوشش کی۔ نہ کہیں سے مجھ کو زندہ جاوید پھول

ہاتھ آئے۔ نہ میرے قلب ناشکیب کو تسکین ہوئی۔ میرا سودا نہ گیا پر نہ گیا۔

ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ میں شام کے وقت اپنی خوابگاہ میں ایک ہلکی سی مسہری پر لیٹا تھا۔ میری دایہ آہستہ آہستہ پنکھا جھلتی جاتی تھی۔ قریب ہی ایک چھوٹی سی میز پر گلاب کے پھولوں کے گلدستے گلدانوں میں رکھے تھے۔ جو اپنی دلآویزی سے ایک برقی کشش کے ساتھ بے اختیار دل کو اپنی طرف کھینچ رہے تھے مگر میرا دل اب اُن سے بالکل ہٹ گیا تھا۔ کیونکہ مجھ پر اُن کی بے ثباتی کی حقیقت پہلے ہی کھل چکی تھی۔ اور اُن کے دھوپ میں کملا جانے والے بشروں سے اُنکی ناپائداری کا سبق سیکھ چکا تھا مجھ کو یقین ہو گیا تھا کہ رات کا ظاہری حُسن محض ایک دھوکے کی ٹٹی ہے۔ اور کسی بازیگر کے تماشے سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا ممکن تھا کہ وہ اپنی خداداد خوبصورتی اور پاکیزگی سے کسی اور کم سن بھولے بھالے بچے یا کسی شوقین نوجوان کے دل پر جو میری طرح زندہ جاوید پھولوں کا جُویانہ ہوتا تھوڑی دیر کے لئے اپنا قبضہ کر لیتے۔ مگر میرے دل میں تو اب اُنکی ذرا بھی قدرومنزلت نہ تھی اور انکو نہایت حقارت او حسرت کی نگاہ سے دیکھتا تھا۔ میں اُنکی بے ثبات ہستی کا خیال کر کے اُنکی قسمت پر افسوس کر رہا تھا کہ اتنے میں میری آنکھ لگ گئی۔ دیکھتا کیا ہوں کہ شہر سے کچھ فاصلے پر کسی پُرفضا وادی کے دامن میں ایک آبشار بڑی دلفریبی کے ساتھ بہہ رہا ہے۔ پانی کی صاف شفاف ہموار سطح پر کتنے ہی کنول کے پھول شگفتہ ہیں۔ جن پر آفتاب کی ہلکی ہلکی کرنیں بڑی نظرفریبی کے ساتھ اپنا نُورانی عکس ڈال رہی ہیں۔ پھر آنکھ اُٹھا کر غور سے جو دیکھا تو انکی نرم و نازک لچکیلی ٹہنیوں پر کتنے ہی پانی کے سانپ لپٹے نظر آئے جنکی پیٹھ پر رنگ برنگے خوشنما داغ اور چتیاں پڑی تھیں۔ اور جو دیکھنے میں بہت ہی بھلے لگتے تھے۔ یہ خدا کی مخلوق ایسی چھوٹی تھی کہ ایک غائر نگاہ بھی اسکو بدقت محسوس کر سکتی تھی۔ آبشار

ئی ایک جانب تماشائیوں کا جمِ غفیر نظر آتا تھا اور دوسری جانب ایک سہانا خوشگوار کنج آنکھوں کے سامنے تھا جس کا نظارہ بے اختیار دل پر سحر و افسوں کا کام کر رہا تھا اور جس میں رنگارنگ پھول کھل رہے تھے جن کے تر و تازہ اور شگفتہ چہرے دیکھنے والوں کو دور سے اشارہ کر رہے تھے کہ انکی اچھوتی صباحت اور قدرتی نفاست کو ابھی زمانہ نے ہاتھ نہیں لگایا ہے۔ اور ان کا دامن رنگ انقلاب کے بدنما دھبوں سے بے لوث ہے جیسا کسی معصوم بچے کا دل دنیا کی نجاست اور معصیت کے رنگ سے پاک و صاف ہوتا ہے۔ مجھ کو ایسے خوبصورت پھول دیکھنے کا اس سے پہلے کبھی اتفاق نہ ہوا تھا۔ انکی بہار آنکھوں کو بہت ہی بھلی لگی۔ اور مجھ کو یقین ہو گیا کہ جن پھولوں کی مجھ کو تلاش تھی وہ غالباً یہی ہیں۔ میں ان کی طرف ٹکٹکی باندھے بڑے شوق سے دیکھ رہا تھا مگر ان کا ہاتھ آنا غیر ممکن تھا۔ کیونکہ وہ مجھ سے بہت دور تھے اور بیچ میں پانی کی دیوار حائل تھی۔ اس چھوٹے سے کنج میں کتنے ہی سبز پوش خضر صورت بزرگوار بھی ٹہل رہے تھے جن کے سروں پر پھولوں کی خوشنما کلغیاں اور طرے لٹکتے تھے۔ اور جن کے مقدس نورانی چہرے روحانی نیکیوں کی صیقل سے مجلّٰی نظر آتے تھے۔ ان کے متین اور سنجیدہ قدموں کی رفتار اس بات کی بیّن دلیل تھی۔ کہ انہوں نے اعلٰی درجہ کی عاقلانہ احتیاط اور صابرانہ استقلال کے ساتھ اس خطرناک آبشار کو عبور کرکے آپ کو اس کنج تک امن و حفاظت کے ساتھ پہنچایا ہے اور جواب اپنی پچھلی جانفشانیوں اور عرق ریزیوں کے صلے میں ان نایاب پھولوں کی گلگشت سے متمتع اور بہرہ یاب ہو رہے ہیں۔ میں اس دلچسپ تفریح میں ہمہ تن مصروف تھا کہ یکایک ہوا کے جھونکوں کی سنسناہٹ اور پتوں کی کھڑکھڑاہٹ نے میری محویت کے رخ کو بدل دیا اور میری نگاہ پھسل کر یک بیک مقابل کی صف پر جا پڑی۔ اب جو دیکھتا ہوں تو تماشائیوں کے مجمع میں سے کتنے ہی خوش رو جوان سطح آب پر تیرتے

دکھائی دینے۔ جن کے نوخیز اور بھولے بھالے چہروں سے مترشح ہوتا تھا کہ وہ ابھی دنیا میں داخل ہوئے ہیں۔ اور زمانہ کے نشیب و فراز۔ پست و بلند۔ اوج و حضیض سے بالکل ناآشنا اور نابلد ہیں۔ تقاضائے سن بتا رہا تھا کہ ابھی انکو دنیا میں طمانیت اور فراغت کے ساتھ ایک کامیاب عملی زندگی بسر کرنے کے لئے بیشمار تجارب اور مشاہدات کی ضرورت ہے۔ انکے دماغوں کے فانوس تعلیم کی برقی روشنی سے تو ضرور متجلّی تھے۔ مگر ابھی ان پر تجربے نے پالش نہیں کی۔ انکے قدم بعینہ زندگی کے دشوار گذار زینے کی ان خطرناک سیڑھیوں پر تھے جہاں زمانہ کی ٹھوکر اس سے پہلے کتنے ہی غیر محتاط۔ ناعاقبت اندیش عیاش طبع نوجوانوں کو دھکیل کر نکبت میں گرا چکی تھی۔ دنیا کی کتنی ہی غیر مفید تفریحیں اور نفسانی خواہشیں ان کے دامن سے بلائے ناگہانی کی طرح لپٹی تھیں۔ اس وقت ان پر ایک عجیب محویت کا عالم طاری تھا اور ایک غیر معمولی جوش و خروش کے ساتھ کنول کے پھول توڑنے کو جو پانی میں شگفتہ تھے آگے بڑھتے جاتے تھے۔ ان کی نگاہیں ایسی عمیق اور تیز پرواز تھیں جو سطح آب سے گذر کر سامنے والے گنج تک آپ کو باامن و عافیت پہنچاتیں اور ان خوشنما پھولوں کی گلچینی سے حظ اٹھاتی تھیں۔ حقیقت الامر تو یہ ہے کہ وہ اپنی محویت میں کچھ ایسے کھوئے گئے تھے کہ انکو ان پھولوں کا سان و گمان بھی نہ تھا۔ وہ خضر صورت بزرگوار جو سامنے کھڑے یہ تماشا دیکھ رہے تھے انکی بدقسمتی پر تاسف کرتے ہوئے انکو آنے والے خطرہ سے متنبہ کرنے اور باآواز بلند کہتے جاتے تھے کہ خبردار ان پھولوں کو ہاتھ نہ لگانا ان میں سانپ ہیں۔ مگر ان کے کانوں پر جوں بھی نہیں رینگتی تھی اور ان کی جانب برابر بڑھتے جاتے تھے۔ حتیٰ کہ اب بالکل قریب پہنچ گئے اور پھول چننے میں مشغول ہو گئے۔ ابھی مشکل سے دو چار پھول توڑے ہونگے۔ کہ سانپوں نے انکو کاٹنا شروع کیا اور انکے زہر سے متاثر ہوکر پانی میں غرق ہونے لگے۔ ہر چند ہاتھ پاؤں مارے اچھلنے کی کوشش کی۔ مگر اب کیا

ہو سکتا تھا۔ پانی کی موجیں ہمیشہ کے لئے انکو اپنے آغوشِ میں لے کر بیٹھ گئیں اور انکا شباب ان کی نفریحول اور تمام اُمیدوں پر جو ان پھولوں کے ساتھ وابستہ تھیں پانی پھر گیا۔ ناظرین! میں نے ایسا عبرت ناک سین پہلے کبھی نہ دیکھا تھا۔ مارے دہشت کے بدن پر رونگٹے کھڑے ہو گئے اور میری آنکھ یکا یک کھل گئی۔ اب جو آنکھیں مل کر دیکھا تو نہ وہ آبشار رہا تھا نہ وہ سہانا کنج نہ وہ تماشائیوں کا انبوہ نہ وہ وادی تھی بلکہ تھا اور میرا کمرہ۔ میری دائہ بھی مجھ کو تنہا سوتا چھوڑ کر کسی ضرورت سے دوسرے کمرے میں چلی گئی تھی۔ اب میں تنہائی میں اپنے خواب کی تعبیر پر غور کرنے لگا اور بہت دیر نہ گذری تھی کہ مجھ پر اس کی حقیقت کھل گئی۔

وہ آبشار ہماری زندگی کا سرچشمہ تھا اور پانی کی سطح پر جو کنول کے پھول شگفتہ تھے اور جن پر رنگ برنگے سانپ لپٹے تھے وُہ دُنیا کے کتنے ہی دلچسپ مگر مہلک نظارے تھے۔ جن کا دلکش سین بہت جلد نوجوانوں کو اپنا فریفتہ کر کر شہوت۔ معصیت۔ بدی۔ شرارت اور فسق و فجور کے چاہ ہلاکت میں گرا دیتا ہے۔ وُہ خضر صُورت بزرگوار جو سامنے والے کنج میں دکھائی دیتے تھے اور جن کے سروں پر پھولوں کی خوشنما کلغیاں اور طرّے مزیّن تھے۔ وہ محبِّ قوم مشاہیر ہیں جنہوں نے اعلیٰ درجہ کی مرتاض نفس کشی۔ محتاط ریاضت۔ غیر معمولی انضباطِ طبیعت اور پُرجوش ہمت کے ساتھ زندگی کے پُرخطر بحرِ زخار سے گذرتے ہوئے قومی اور ملکی خدمات کو بڑی سرگرمی اور جانبازی کے ساتھ انجام دیا ہے اور جن کے فرق پر انکی بے غرضانہ حبِ وطنی اور بے لوث جانبازی کے صلے میں بالآخر شہرتِ عام اور بقائے دوام کے زندہ جاوید پھولوں کے تاج رکھے گئے۔

اَے میرے بھولے بھالے نوجوانو! اگر تم کو بقا کے پھولوں کی جستجو ہے اگر تم جانتے ہو کہ ان روشن دماغ۔ عالی خیال مشاہیر کی طرح زمانہ تمہارے سر پر بھی زندہ

جاوید پھولوں کے تاج رکھے۔ اگر تمہاری آرزو ہے کہ تم کو بھی ان بزرگواروں کے پہلو بہ پہلو اس پُرفضا کنج میں (جس سے میری مراد حیات جاوید ہے) جگہ ملے۔ تو اُٹھو اور دُنیائے دنی کے گرویدہ کرنے والے نفس انگیز نظاروں اور شہوت انگیز تفریحوں کو (جو تمہاری ترقی کے جادہ میں سدِ راہ ہیں اور تم کو فاسقانہ زندگی کے مہلک راستوں پر لیجانے والی ہیں) بالائے طاق رکھ کر زندگی کے ابتدا کو پامردی اور احتیاط کے ساتھ عبور کرو۔ اگر تم دُنیا کی غیر ضروری اور معصیت آمیز دلبستگیوں کے دامن کو ہاتھ سے نہ چھوڑو گے اور یوں ہی بندۂ عیش و نشاط بنے ہوئے تو یاد رکھو کہ تمہارا بھی ویسا ہی ٹریجک انجام ہوگا جیسا کہ اُن بدنصیب نوجوانوں کا ہوا ہے جنہوں نے کنول کے پھولوں کی ظاہری خوشنمائی پر فریفتہ ہو کر اپنی ہستی بہا جانیں لطمۂ امواج فنا کے نذر کر دیں۔ اور داعیٔ اجل کو لبیک کہ کر ہمیشہ کے لئے گمنامی کے پردہ میں روپوش ہو گئے۔

اے یارانِ نشاط! یاد رکھو کہ دُنیا کا کوئی دلکش سین قابل التفات نہیں اور یہاں کی ساری تفریحیں اور مشغلے یہیں رہ جائینگے۔ ان چیزوں کو اس زندگی سے بہت کم مناسبت ہے جو ہم کو ایک ایسی رُوحانی دُنیا میں تنہا بسر کرنی پڑیگی جہاں زن و فرزند کی محبت۔ دنیوی عیش و عشرت۔ شان و شوکت اور مال و دولت ان میں سے کوئی بھی کام نہ آئیگا۔ دیکھو ایک نازک خیال شاعر دُنیا کی بے ثباتی کے مضمون کو چند دردناک اشعار میں کس خوبی کے ساتھ ادا کرتا ہے۔

ہاں بدر شو ز عالم فانی — ہوس دل درد چہ میرانی
ظاہرا گرچہ ہست نقش و نگار — باطنش جملہ ہست ویرانی
دیگراں آمدند و بگذشتند — چند روزے تو نیز مہمانی

(سرور جہان آبادی)

اُردو خطوط نویسی

تعلیم و تہذیب نے جہاں اور امور میں تراش خراش کی ہے اُردو خطوط نویسی کی روش کو بھی نہیں سلامت چھوڑا۔ ترقی یافتہ دماغ جیسی کے سمجھاتے ہو جھاتے خطوط نویسی کی طرز میں عجیب عجیب جدتیں پیدا کر رہے ہیں۔ یہ جدتیں بعض اوقات مختصر پرانے القاب کی صورت میں نظر آتی ہیں اور بعض اوقات ان میں اہل یورپ کی تقلید پائی جاتی ہے۔ پرانے القاب پہلے زمانے میں خواہ کتنے ہی شاندار اور معقول ثابت ہوتے ہوں۔ موجودہ زمانے کی عقل و تہذیب کے موافق ضرور قابل ترمیم ہیں۔

ایک عام مشاہدے کی اور ہر قوم و ملت کی مانی ہوئی بات ہے کہ اجانب کے ساتھ برتاؤ ہمیشہ تکلف اور ادب کے ساتھ ہوتا ہے اور اقارب کے ساتھ تکلف اور ادب کی ضرورت نہیں ہوتی۔ اجانب کے معاملات میں سوائے ادب و لحاظ کے کلمات کے محبت کے خیالات ظاہر کرنا نہ صرف غیر ضروری بلکہ سخت نامناسب ہے اس لئے کہ ایسی صورت میں اظہارِ محبت محض بناوٹ سمجھا جائیگا۔ مگر اقارب کے معاملات میں چونکہ اجانب کی سی مغائرت کی بو تک نہ ہونی چاہئے۔ اس لئے تکلفات و آداب کا خیال رکھنا واقعی غیر مستحسن ہے۔ ایسی صورت میں بجائے تکلفات و آداب کے اظہارِ محبت کرنا لازم ہے جو دراصل ابنائے جنس کے تعلق کی بنیاد ہے۔ سچ پوچھئے تو کل انسانی تعلقات و معاملات میں اظہار محبت ہونا چاہئے۔ مگر جیسا اوپر بیان کیا جا چکا ہے اجانب کے ساتھ اس کا عمل ضرورۃً ترک کر دیا گیا ہے۔

متقدمین حضرات نے اجانب کے لئے جو القاب تجویز کئے ہیں اُن کے

موزون ہونے میں کچھ کلام نہیں مگر چونکہ اُن میں طوالت اور شاعری زیادہ ہے اس لئے روزمرہ کے استعمال کے لئے مناسب نہیں معلوم ہوتے، البتہ اُن میں سے اکثر ہو قابل نہ ہوں کہ بعد اختصار و ترمیم استعمال میں لائے جائیں۔ اقارب کے لئے جو قدیم القاب مقرر ہیں ان میں خلاف اصول موضوعہ عجب گڈمڈ پائی جاتی ہے۔ باپ یا کوئی اور بڑے رشتے والا جب بیٹے یا کسی خورد سے خطاب کرے گا تو ہمیشہ محبت آمیز ہوگا مگر برعکس اس کے جب بیٹا یا خرد اپنے باپ یا کسی بزرگ سے کچھ کہنا چاہیگا تو ہمیشہ بہ تکلف اور باادب ہو کر کہیگا اور جہاں تک ممکن ہوگا بجائے محبت کے کلمات کے عزت و ادب کے الفاظ زبان سے نکالیگا۔ یورپ کے طرز تحریر و انداز گفتگو میں اصول مذکورہ کی پوری پوری پابندی ہے۔

ذیل میں ہم رواجات انگریزی کو محفوظ رکھکر القابات کی ایک فہرست درج کرتے ہیں۔

القاب اجانب کے لئے

(۱) بہت بڑے آدمیوں کے لئے :۔ اعلیٰ حضرت حضرت ۔ حضرت اقدس ۔ حضور والا ۔ حضور۔
متکلم ایسی صورت میں اپنے لئے :۔ فدوی ۔ کمترین خادم ۔ عاجز کے الفاظ کہے گا۔
تحفہ سلام ان القابات کے ساتھ جائز نہیں

(۲) ان سے ذرا کم رتبہ آدمیوں کے لئے :۔ جناب عالی ۔ بندہ نواز ۔ بندہ پرور۔
متکلم ایسی صورت میں اپنے لئے :۔ کمترین کا لفظ استعمال کریگا۔
تحفہ سلام ان القابات کے ساتھ بھی مناسب نہیں۔

(۳) ان سے بھی کم رتبہ اشخاص کے لئے :۔ جناب من ۔ جناب بندہ ۔
متکلم ایسی صورت میں اپنے تئیں بندہ یا خاکسار کہیگا۔
تحفہ سلام اس صورت میں بھی جائز نہیں۔

(۴) معمولی ذی رتبہ اجانب کے لئے جن سے کچھ شناسائی ہو ۔ مخدومی و مطاعی ۔ مخدومی ۔ مخدوم بندہ

متکلم کے لیے لفظ خادم یا نیازمند۔

تحفۂ سلام۔ تسلیم بصد نیاز۔

مخاطب کے خط کے لیے لفظ۔ عالی نامہ۔ والا نامہ۔

(۵) معمولی ذی مرتبہ اجانب کے لئے جن سے زیادہ شناسائی ہو مکرم و معظم بندہ۔ مکرمی و معظمی مکرم بندہ۔

متکلم کے لئے لفظ۔ خیرخواہ۔ خیرسگال۔ خیراندیش۔ خیرطلب۔

تحفۂ سلام۔ تسلیم بصد تعظیم یا تکریم۔

مخاطب کے خط کے لئے لفظ۔ گرامی نامہ۔

(۶) اجانب کیلئے جن سے اور بھی زیادہ شناسائی ہو۔ کرمفرمائے بندہ۔ عنایت فرمائے بندہ۔ الطاف فرمائے بندہ۔ کرم گستر مشفقی۔

متکلم کے لئے لفظ عقیدتمند۔ ارادتمند۔

تحفۂ سلام۔ تسلیم۔

مخاطب کے خط کے لئے لفظ۔ عنایت نامہ۔

القاب احباب کے لئے

(۱) اچھے خاصے دوستوں کے لئے: میرے پیارے مہربان۔ میرے پیارے میرزا صاحب میر صاحب وغیرہ۔

متکلم کے لئے لفظ۔ مخلص (صادق)۔

تحفۂ سلام۔ السلام علیکم یا سلمکم اللہ الرحمٰن

خط۔ اخلاص نامہ۔

(۲) گاڑھے دوستوں کے لئے۔ (دیکھئے ج القاب اقارب)

القاب اقارب کے لئے

بزرگ کی طرف سے خُرد کو:۔

عزیزی - عزیز فلاں - عزیز من نور چشم - قرۃ العین - میرے
پیارے فلاں - برادر عزیز - برخوردار برابر - میرے عزیز -
جان من - میری جان (حسب موقعہ) -
تحفہ سلام - جیتے رہو - سلامت رہو - خوش و خرم رہو - تمہیں اللہ کی امان -
(بطور قافیہ میری جان) -
متکلم کے لئے لفظ - ترقی خواہ -
مخاطب کے خط کے لئے لفظ محبت نامہ -
ب - خورد کی طرف سے بزرگ کو :-
ابا جان - اماں جان - بھائی جان - آپا جان - باجی جان -
تحفہ سلام - خدا آپ کو سلامت رکھے - خوش و خرم رکھے -
متکلم کے لئے الفاظ - فرماں بردار - فرماں پذیر -
مخاطب کے خط کے لئے لفظ - محبت نامہ - شفقت نامہ
ج - برابر والے کی طرف سے برابر والے کو :-
میرے عزیز - عزیزمی - جان من میری جان رہوی کیلئے استعمال ہوسکتے ہیں
تحفہ سلام - سلامت رہو - خوش و خرم رہو - سلمکم الحفیظ -
متکلم کے لئے لفظ - مشتاق - پابند محبت - اسیر محبت - محب حقیقی ازلی صادق -
دلدادہ - جان نثار - فدائی - شیدا (حسب ضرورت)
مخاطب کے خط کے لئے لفظ - محبت نامہ -
فائدہ - متکلم کے لئے جو لفظ تجویز کئے گئے ہیں اُن کے لئے یہ ضروری نہیں کہ خط کے تمام مضمون میں انہی سے کام لیا جائے - خاتمہ پر صرف ایک دفعہ کا استعمال عموماً کافی ہوسکتا ہے -

"آپ" اور "تم" کا فرق بدستور سابق۔

خطوط کی شکل تحریر کا جو طرز انگریزی ہے اس سے بہتر اردو کے لئے (بہ تغیر جزوی) دوسرا طرز مشکل ہے۔

مقام جانب چپ کو گوشہ کی طرف لکھنا چاہئیے۔ تاریخ جانب چپ گوشہ کی طرف۔ نام مقام کے نیچے۔ القاب معہ تحیۃ و سلام۔ جانب چپ کو تھوڑا سا حصہ کاغذ چھوڑ کر جس طرح نئے قطعہ عبارت (پیرا گراف) کو لکھا کرتے ہیں۔ یا اس سے بہتر شروع میں اور مضمون خط کا آغاز اس کے نیچے سطر بہ سطر۔ . . .

خاتمہ۔ (نیازمند۔ مخلص۔ بندہ وغیرہ یہ خاتمہ کے الفاظ ہیں) آخر میں جانب چپ دوگوشہ کی طرف۔ اور اس کے نیچے نویسندہ کا نام۔

(نمونہ)

لاہور
۲۶۔ اگست ۱۹۰۵ء

میرے عزیز سلمکہ تحفظ

محبت نامہ ملا . . . .

. . . .

. . . .

مشتاق } بشیر

پتہ سب سے اوپر

... نامہ الفاظ بغرض
بعالیخدمت دو الا درجت
بخدمت شریف
بعالی ملاحظہ
بملاحظہ
بمطالعہ

} علی قدر مراتب مضمون سرنامہ سے اوپر شروع میں ایک سطر صرف ان الفاظ کے لئے چھوڑ کر

(نمونہ) گولا گنج لکھنؤ

بعالیخدمت
مخدومی و مطاعی ا۔ ب۔ ج صاحب وغیرہ وغیرہ . . . . .

سید نذیر حسین }

انقلاباتِ روزگار

برین رواقِ زبرجد بخامۂ خورشید　　نگاشتہ سخن خوشش بہ آبِ زر دیدم
کہ اے بدولت دو روزہ گشتہ مغرور　　مباش غرہ کہ از تو بزرگ تر دیدم
شہے کہ تاجِ مرصع صباح بر سر داشت　　نماز شام ورا خشت زیر سر دیدم
ز حادثاتِ جہان غم ہمیں پسند آمد　　کہ خوب و زشت و بد و نیک در گذر دیدم

دنیا میں جس قدر تغیرات ہوتے ہیں اور انقلابات پے در پے وقوع پذیر ہوتے ہیں۔ اُن سے ہر کلام میں ایک معقول حصہ اس کے لیے وقف رہتا ہے۔ مگر فارسی کے شعرا نے زیادہ تر ان پر غور و فکر سے کام لیا۔ اور سچ تو یہ ہے کہ ان کے کلام بسا اوقات اس درجہ دردناک اثر دل پر چھوڑتے ہیں کہ دنیا آنکھوں میں دھواں سی نظر آنے لگتی ہے اور ہماری زندگی ایک بے وقعت حباب۔ بس ایک حباب کی طاقت لہروں اور موجوں کے روبرو کیا ہو سکتی ہے۔ یہ بالکل صحیح ہے کہ یہی آسمان اور یہی زمین۔ یہی چاندنی کے لطف اور یہی موسمِ بہار۔ یہی آفتاب کی کرن اور یہی ارمان بھری برسات ہزار ہا برس سے پُرلطف رہی اور ہمیشہ رہیگی۔ نسلیں گذر جاوینگی۔ ایک فرقہ مٹ کر دوسرا زور پکڑیگا۔ ایک کے بگڑنے سے دوسرا آباد ہوگا۔ ایک کے دل ہی میں ارمان رہجاوینگے اور وہ دنیا سے چل بسیگا مگر دنیا اور اس کے متعلقین اپنی رفتار پر چلے جاوینگے۔ گویا کہ وہ ویسے ہی تازہ ہیں جیسے کہ وقتِ پیدائش تھے۔ اگر خود انسان اپنی زندگی پر ذرا غور کرے اور فہمِ سلیم سے کام لے تو خود ان حالات سے اس قدر سبق ملیں گے جو اسکو بہت کچھ سمجھا دینگے کہ وہ کس قدر بے وقعت ہے اور کس قدر لاچار۔ انسان موٹر کار پر سوار ہوتا ہے

اور اس کی رفتار پر خوش اور خنداں ہے اور دیکھتا ہے کہ وہ اپنی مرضی سے چالیس میل تک فی گھنٹہ راستہ طے کر سکتا ہے۔ ریل پر تو اس سے بھی زیادہ تیز اور بہت سے ہمراہیوں کے ساتھ راہ طے کرتا ہے۔ انسان تار پر ایک ایک منٹ کی خبریں منگا سکتا ہے اور یہاں تک نازاں ہے حال کی ایجادات پر کہ مرنے والے عزیز کے آخری کلمات کو فونوگراف میں بند کر کے اس کی یادگاریں پاس رکھ سکتا ہے مگر پھر بھی باوصف ان بیشمار ترقیوں کے کیا انقلابات عظیم اور تغیرات کثیر میں کوئی کمی ہو سکتی ہے؟ انسان بھی بھی مثل ایک نادان بچہ کے ہے کہ جو چند دل افزا کھلونوں سے خوش ہوتا ہے اور سمجھتا ہے کہ یہ بہت بڑی کائنات اس کے لئے ہیں۔ حالانکہ محض کھیل تماشے کے چند کھلونے ہیں۔

یہ سچ ہے کہ آجکل کے تغیرات اور پرانے زمانہ کے تغیرات میں فرق ہے۔ اور بہت بڑا فرق۔ سعدیؒ کے زمانہ میں جو تغیرات ہوتے۔ ان سے وزیرزادے بقول اُن کے ایک ادنیٰ درجے کے افراد سے بھی نیچے ہو گئے اور انفار اُن کی جگہ آ بیٹھے۔ یہ تمرد طوائف الملوکی کا ہوا جو اب کمتر وقوع میں آتا ہے مگر پھر بھی یہ کس کو انکار ہے کہ ہمارے چند دن کے دیکھتے دیکھتے وُہ شریف خاندان اور وہ امیرزادے جو شہر اور ممالک میں بطور مثال پیش ہوتے تھے اب وُہ مشکل سے کچہری میں اہلمدی کے درجہ پر ہیں اور مشکل سے پیٹ پالتے ہیں۔ اور جو خاندان کہ زیر و ذلیل تھے وہ پڑھ کر یا جس طور سے اب ممکن ہے صاحب امتیاز ہیں اور باوقعت و باثروت اُن کے خاندان کی میراث یا جائداد کا جو حشر ہوا یا ہونا ہے وُہ تو ایک طویل داستان ہے۔ مگر اس میں کیا شک ہے کہ یہی انقلاب ہر وقت اور ہر لمحہ لاکھوں صورتوں میں ہمارے آس پاس ہوتے رہتے ہیں اور بسا اوقات ہم کو خبر بھی نہیں ہوتی ہے کہ کیا ہوا یا کیا نہ ہوا۔ "بادشاہی" اور "تاج مرصع" تو نہ ہمارے سر پر ہے جو ہم اس کے مرنے کو جانیں یا اس کے کھو جانے پر ملال کریں۔ مگر ہم یہ کر سکتے ہیں

کہ بعض بدنصیب لوگ جو کسی کے ساتھ جائز محبت کو "تاجِ مرصع" سے کم بہا نہیں تصور کرتے تھے اور اس کے موجود ہونے کو تاجِ مرصع سے کم باعث ناز و فخر نہیں جانتے تھے اُن کی حالت ہماری نظروں کے سامنے ہے جب اُن کا لعل جاتا رہا اور اس کا نہ ہونا گویا کہ بادشاہی چھن جانے سے کم پُر ملال اُن کے لئے نہ ہوا۔

ہم کو اُن پر ہنسی آتی ہے کہ وہ اس قدر دل کے بودے نکلے اور اس قدر بیوقوف اور محبت کے اندھے۔ مگر جو چاہو سو کہو وہ بجنسہ مثل ایک ذلیل شدہ صاحبِ تخت و تاج کے ہیں جس کی نگاہ برابر نہیں ہوتی اور جس کی ساری اُمیدیں تاج ہو کر اس کو غمگین ہمیشہ کے لئے بنا گئیں۔ تاج و تخت میں عظمت تھی پر عافیت نہیں۔ عزت تھی پر راحت نہیں۔ مال و متاع تھا پر اطمینان نہیں۔ غرور تھا پر اہلیت نہیں۔ مگر محبت کے نشہ میں وہ عافیت، راحت، اطمینان اور اہلیت سب کے مزے چکھتا تھا اور اس کے علاوہ ایک خاص قلبی راحت پاتا تھا جو اب نصیب نہیں اور ایک خاص مسرت تھی جو اب ترستے کو اور ترساتی ہے۔ اب تو نہ مونٹے کارلسکو بھاتی ہے نہ فونوگراف۔ یہ تو اصلی انقلاب ہے اور دراصل ان مشکلات میں ضبط اور صابر رہنے پر ہماری داد ہے۔

غرضکہ دُنیا میں انواع و اقسام کے انقلابات ہیں۔ ایک سے ایک بڑا۔ بسا گھر لٹ جاوے گھر برباد ہو جاوے دولت جمع ہو کر برباد ہو جاوے۔ خاندان کی عزت مٹی میں مل جاوے ذاتی حرمت اور عزت پر پانی پھر جاوے۔ عزت کے بدلے ذلت ہو۔ رفعت کے بدلے خواری تعظیم کے بدلے رسوائی۔ یہ سب کچھ مگر ان میں انسان کی ارادی قوت کو بہت کچھ دخل ہے۔ ذلت کے بعد پھر عزت حاصل کرو گو کہ بعد خیلے دشواری یہ ہوگا گھر پھر سے بناؤ۔ مال پھر سے جمع کرو۔ مگر وہ بدنصیب کہاں سے اور کس چیز سے اپنے ٹوٹے ہوئے دل کے سو ٹکڑوں کو جوڑے۔ یہ سچ ہے کہ نعم البدل لوگ کہہ کر اُمید دلا دینگے مگر یہ یاد کر لینا

جاتے ہیں کہ ہر چیز کا نعم البدل ہمیں ہوا کرتا ہے - ہم کو تو خدا کی بے نیازی پر جان سو بار قربان کرنی پڑتی ہے - جو رحیم و کریم ہے اور پھر بھی وُہ ظاہرا ظلم او ستم کرتا ہے جس سے ہزار رنگ کے اس کے بندے کے دل و جگر پارہ پارہ ہو جاتے ہیں - مگر وُہ بے نیاز ہے - یہ ظلم بھی تو صرف ہماری انسانیت سے ہے - اپنی خود غرضی سے - اور اس جرم کی سزا ہے کہ کیوں ہم نے دل اس قدر زیادہ لگایا کہ جو غیر معمولی ہو - یا کہ دنیا کو دنیا فانی نہیں جانا اور اگر جانا بھی تو اس کو دل سے مانا نہیں -

غرضکہ تغیرات ظاہری تو بڑے ہوں یا چھوٹے مگر جو دل سے تعلق رکھتے یا جو دل پر کارگر ہوتے ہیں وہ تمام ظاہری تغیرات سے عظیم تر ہوتے ہیں اور نہایت سخت اثر ہے تو ہم جانتے ہیں کہ اس قدر کلام کا نتیجہ عملی صورت میں کچھ نہیں نکلا - اور محض زبانی گفتگو ہی اگر کچھ بھی نتیجہ ہو سکتا ہے تو اس سے زیادہ نہیں ہے کہ جو انقلابات یا تغیرات ذاتی ارادے سے متعلق ہوں یعنی کہ جو آفات انسان کے روکے رکیں انکو ضرور عاقبت بین بنکر روکو مگر وہ آفات جن سے مفر نہیں اور جو کسی کے ٹالے ٹل نہیں سکتی ہیں اُن کا علاج اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے -

اپنی عزت یا خاندان کی وقعت یا اپنی قوم کی حرمت تو انسان کے سنبھالے سنبھلیں مگر دوست کی جُدائی - عزیز کی مفارقت جس سے دل پارہ پارہ ہو وہ کس کے ٹالے ٹلے او کس کے سنبھالے سنبھلے -

ایشیا کے باشندے تو محبت کے میدان میں بازی جیت چکے ہیں اور محبت کے زعم میں ستی کی رسم ایک عام رسم ہندوستان میں تھی - یورپ والے اپنے خیال میں جو چاہے سمجھا کریں - مگر زن و شوہر میں جس قدر اتحاد ہونا ہندوستان اور دوسرے ایشیائی ممالک میں ممکن ہے اس سے زیادہ یورپ میں نہیں ہو سکتی گو سارے وسائل موجود ہیں اور روزمرہ کے تجربہ میں برتنے جاتے ہیں - اور اس قسم کی ہزاروں

مثالیں ہیں - عورت کی محبت اگر واقعی محبت ہو تو بہت دیرپا کہی گئی ہے - مگر ہم کو دو چار ہندوستانی مسلمان ایسے ملے جو اپنی بیوی کی محبت میں ہزاروں یورپین سے آگے اور انہوں نے بیوی کی مفارقت کے بعد اس قدر سوگ کیا جو اصلی مفارقت کا غم کہا جا سکتا ہے -

ممکن ہے کہ اس قدر انہماک اور محبت کا شدید بخار ہندوستان کی زنانہ خصلت کا نمونہ ہو - مگر صداقت تو یہ ہے کہ محبت الاول یعنی بچپن کی محبت سچی محبت پاک محبت اور جائز محبت جسکو برسوں بعد والدین نے اعتراف کر کے حبیب اور محبوب کو ملایا ہو اور پھر دونوں کا ایک خاص مدعا پر نگاہ رکھ کر ساتھ ساتھ چلنا اور اس عرصہ میں علیحدگی یہ کس قدر عظیم صدمہ ہے -

اے زمانے ! اپنی چال چلا جا - اپنے منہ پر پردہ ڈالے رہ اور جو نجوم سے تجھے جاننا چاہے اُسے بھی اپنی اصلی صورت نہ دکھا - کیونکہ تیرا نقاب درحقیقت اللہ کی رحمت ہے کہ ہم مصیبت سے لاعلم ہو کر اس پر سے گذر جاتے ہیں - گو ہم ہزاروں کل ایجاد کریں اور سینکڑوں کو ردی کر دیں گے - آج کا لکھا ہوا کل غلط ثابت کریں - مگر پھر بھی تیری صورت ! نہ جانیں اور نہ کبھی جان سکیں - اور اگر بفرض محال جانیں تو خود خودکشی کر کے تباہ ہوں - یا مبادا کیا کیا نوبت پہنچے - تو اگر کچھ بتاتا ہے جو بڑی ٹھوکر کھا کر جاننا پڑا ہے وہ صرف یہ ہے کہ انسان کی محبت انسان کے ساتھ ایک حد تک جائز ہے جہانتک کہ محبت اپنے قبضہ قدرت میں رہے اور اُس کے آگے ناجائز - جو کچھ کبھی ہو انسان کی بے قدری اور اُس کی لاچاری آگے پیچھے سے اُسے گھیرے ہوتے ہے +

شاہ منیر عالم

کلامِ اکبر

خان بہادر سید اکبر حسین صاحب مدظلہ کی جو غزل آج ہم چھاپتے ہیں۔ وہ اُن کے خاص رنگ میں ہے۔ ظرافت و فن کا ایک خاص انداز ہوتا ہے۔ جو دوسروں میں نہیں ملتا۔ شعرائے ہند میں بالعموم انداز کی خصوصیت طرزِ نظم تک محدود رہی ہے۔ مگر یہ بہت کم ہوا ہے کہ طرزِ خیال میں خصوصیت امتیاز بنائی جائے۔ موجودہ زمانے میں خوش قسمتی سے چند ایسے اصحاب بھی ہیں۔ جو ایک طرزِ خیال کو اپنا بنائے ہوئے ہیں۔ اور وہ جو کچھ لکھیں۔ اسی خیال کی جھلک اُنکی تحریر میں آجاتی ہے مثلاً مولانا حالی کا کلام قوم کے احوال کے ماتم کے ساتھ مخصوص ہو چکا ہے۔ اور یہ رنگ اُن کے ہاں اس زور سے موجود ہے، کہ غزلیات دیوان بھی اس سے خالی نہیں۔ اسی طرح جناب اکبر کی شاعری اُس جنگ و جدل کی تاریخ ہے جو شرق اور مغرب کے اثرات کے درمیان ہمارے ملک میں جاری ہے۔ ممکن ہے اس جنگ کا انجام ہم اور ہمارے ہمعصر دیکھیں۔ اور ممکن ہے نہ دیکھیں۔ مگر کلامِ اکبر میں جابجا یہ پیشین گوئی موجود ہے کہ آخر مشرق میں مشرقی اثرات کا ہی غلبہ رہیگا۔ کیونکہ اس کے خلاف ہونا مشرق کا مٹ جانا ہے۔ اور یہ کسی ہمدرد ہند کا دل گواہی نہیں دیتا۔ کہ جو قوم زمانے کے اتنے صدموں کے بعد معدوم نہیں ہوئی۔ اب صفحۂ ہستی سے محو ہو جائیگی۔ اکبر کا ایک مطلع اسی خیال کو کس خوبی سے ادا کرتا ہے ؎

اور بھی دورِ فلک ہیں ابھی آنیوالے
ناز اتنا نہ کریں ہم کو مٹانے والے

ذیل کی غزل نہایت شگفتہ زمین میں لکھی گئی ہے اور بہت قابلِ قدر ہے:-

طفلِ نادانِ غافلِ غفلت ہوائے ذلت میں تن رہے ہیں
سمجھ نہیں ہے نظر نہیں ہے بنائے جاتے ہیں بن رہے ہیں

بہار ہی سے نہیں ہیں واقف خزاں کے ظلموں کو کیا وہ سمجھیں
یہ داغ تو ہیں انہیں کے دل پر جو محوِ رنگِ چمن رہے ہیں

فلک ہی نے ستایا ہے یہ شوق سے کرتے ہیں نالے
نہیں کو کچھ حس ہے گردشوں کا جو زیرِ چرخِ کہن رہے ہیں

یہ آخری صف میں آ گئے والے بہشت تک پہنچے ہیں پینے تھالے
محلِ حسرت ہیں اُن کے سینے جو زینتِ انجمن رہے ہیں

رہے ہیں جو برگ و خس کے خوگر انہیں ہو کیوں خار انکا منظر
ہے تو ہے انہیں کی مضطر جو سیتِ سرو و سمن رہے ہیں

بہت خفا تھے مسائلِ دیں کہ ہو رہی ہے ہماری توہین
اب انکو منطق منا رہی ہے وہ سر جھکائے ہیں مَن رہے ہیں

اگرچہ لفظوں کی بدلیوں میں چھپا ہے معنی کا چاند اکبر
مگر معانی ہیں ایسے روشن کہ نور کی طرح چھن رہے ہیں

پہلا سفید بال

اک دل پہ ہاتھ دھرے بیٹھی اک مہوش رعنائی تھی
آئینہ آگے رکھا تھا - رخ پر حیرانی چھائی تھی

جب سے ٹکڑے پر اس کے - غم کی بدلی گھر آئی تھی
سہمی سوکھی دلہن خطا مضطر شرمندہ گھبرائی تھی

آئینے سے جیا آنکھ ہوئی - نوجوانی کا یہ بھید کھلا
ہے ہے! اُس مہوش کے سر میں اِک پہلا بال سفید ملا

گو عمر ڈھلی تھی لیکن پھر بھی سرخی تھی رخساروں پر — چکنائی گالوں پر چھائی - یا روغن تھا انگاروں پر!
وہ گیسو چوٹ کیا کرتے تھے جو کل تک بیماروں پر — تھے جتنے خال سیہ تن میں سب ہنس مکھ تھے ان ماروں پر

چہرہ اُترا تھا غصّہ چڑھا تھا - لرزہ تن میں آیا تھا
غم چاند سے رُخ پر چھایا تھا - یا چاند گہن میں آیا تھا

کہتی تھی پھر گھبرا کے الٰہی یہ کیا ستیاناس ہوا — جو سنبل نافہ عنبر تھا - وہ سنبل آخر گھاس ہوا
یہ مشک ہوا کافور بنا - دل آج سیہ پر یاس ہوا — لالے ہونگے کالے بالوں کے - اب یہ نیا وسواس ہوا

جو زلف رسا کہلاتی تھی - کیا اب وہ رسن کہلائیگی؟
کیا آج جوانی چل نکلی؟ کیا اب سے ضعیفی آئیگی؟

وُہ گیسو جو مڑ کے ہوتے - ناگن سے پیارے تھے — وہ بال جو پیچ میں کھڑے پہ اژدر کہلاتے تھے
وہ بال بلا کے تیز جو دل پر پیچ ہزاروں کھاتے تھے — کل تک جن میں دل آیا - اب سر پہ بلا بن جاتے تھے

اُڑ جائے انگوٹھی ہیرے کی - مجھ کو دینے داغ جگر آئی!
ہیں میری شام جوانی کی کیا اتنی جلد سحر آئی!

ہر لٹ میں دُنیا لٹکی تھی - اور دارا اسی کو کہتی تھی — مخلوق اسی کی ماری تھی اور مار اسی کو کہتی تھی
کُنڈل مار کے پھیرے مارے - خونخوار اسکو کہتی تھی — مشکیں - آشفتہ - سرکش - سنبل - بار اسکو کہتی تھی

جس جوبن پہ غرور تھا میں وُہ آخر کار نہ کام آیا!
سر کا اِک بال سفید ہوا اور مرنے کا پیغام آیا!

جادو اس حلقے میں پھنسکر زنار اسی کو کہتے تھے — نافہ - عنبر - ظلمات - ختن - زنار اسکو کہتے تھے
اچھے اچھے اسیر مکر - بیمار اسی کو کہتے تھے — جادوگر - پُرفن - پیچیدہ - طرار اسکو کہتے تھے

وُہ کونسا ایسا دل تھا جو اس بحر میں غرق نہ تھا؟

اس دام میں کتنے اُلجھے تھے اور ان میں ہر مو فرق تھا

میں باغ گئی تو نرگس تھی - بے دم پھر آنکھ اٹھا نہ سکی   کوئی بلبل میری نغمہ سنجی کے مقابل آ نہ سکی
سوسن کی زباں تعریف - کو میری تا لب بھی نہ لا سکی   دانتوں سے میرے پیش کبھی تو موتی کی دن جا نہ سکی

دانا بھی میرے حسن ادا کا شیدا تھا دیوانہ تھا
وہ گیسو دام تھے جن میں ہر زلف سارے ہر تل دانہ تھا

کیوں آج تاب زدہ حسن مرا اب جینے کو تیار ہوا   کیا چوٹ لگی جو جوبن کو مرے سنگار سے انکار ہوا
یا رب یہ کیا ہوا زوال آیا کس دشمن کا دیدار ہوا   جو میرے سر پہ چڑھا میری جوانی کا آزار ہوا

ہیہات غضب! کیا ہو کہ کھیگا شوخ نگاہ نہ اب کوئی!
افسوس ستم! کیا مجھ کو کہ کا دل سے پیار نہ اب کوئی!

مجھ سے جو کہے دل کو ڈھارس دیکر پھر بہتر ہے آپ کو   تیرا طاق ہوں اب بھی حسن میں تیرے مانند نہ یا خوف کو
جن سے خیال تمام ہوں - کو طبیعت گھبرائی   اک بال جو پکا بھی تو کیا موجود ہوا ابھی رعنائی

خورشید کو دعوی حسن کا ہو تو چرخ سے آج اتر آئے
مہتاب کو غرہ ہو تو میرے آگے آئے - ادھر آئے

ناگاہ ندا اک غیب سے آئی - ہاں اے مہوش بیزار نہ ہو   رفتار زمانہ دیکھ کے چل اسکی شاکی زنہار نہ ہو
اس جہاں میں کونسا گل ہے جو مرجھا کر خار نہ ہو   تو دل کو اپنے ڈھارس دے - بیکار الم میں خوار نہ ہو

جب زیست گھٹی - اور عمر بڑھی - تو اور بڑائی پائیگی
جو خام خرد کہلاتی تھی وہ پختہ سر کہلائیگی

جو ناز تیری زینت تھا - اب ہو وہ اپنی دختر کو   اپنے افشاں سے چن دے اپنے بہو کے چہرہ انور کو
اولاد کو اپنی پہنا دی تو اپنے سارے زیور کو   اب دیکھ زینت آبرو کو - اب دیکھ تو اپنے گھر بھر کو

بیٹی بہوؤں میں بڑائی کا یہ تجھ کو آج نوید ملا
اے مہوش کیا غم ہے سر میں گر پہلا بال سفید ملا

[illegible]   [illegible]

مٹی کا پیالہ اور آئین پروف گلاس

طعنہ سے ساغر بلور نے اک دن یہ کہا — کیوں میاں مٹی کے پیالے! یہ نکھرنا کیسا؟
تم کو جب دیکھتا ہوں نری نظر آتے ہو — خشک ہیں ہونٹ مگر پانی پئے جاتے ہو
پانی اک نعمت معبود ہے کیا پاک و لطیف — اُس سے ہر وقت تراوش میں رہو تم کثیف
توبہ توبہ! یہ ذرا بھی نہیں بھاتا مجھ کو — نہیں باتوں پہ بہت غصہ ہے آتا مجھ کو
جنس اعلیٰ ہوں میں شربت کا مزا دیتا ہوں — مرا حصہ ہے کہ آئینۂ رخسار ہوں میں
پانی مجھ میں ہو میں لوگ تو چھلکے اچھا — رنگ لاتی ہے مے ناب اُچھلکے اچھا
مجھ میں جو شے ہو اُسے دیتا ہوں میں دُگنی آب — جس کا میں ظرف ہوں کیا کہنے ہیں کیا اسکا جواب
صاف باطن ہوں کدورت سے میں گھبراتا ہوں — اک ذرا سی بھی ہو کالک تو دکھا جاتا ہوں
پھول سا ہلکا ہوں صد باعث نازش ہوں میں — خاک تو وہ ہے تو - پر کالۂ آتش ہوں میں
تم یہ اپنی شکل و شمائل جو مری ریس کرو — یہ حماقت نہیں تو کیا ہے ذرا بولو تو
بھاڑ سا منہ ہے - یہ بدروپ قطع بے ہنگم — بوجھ بھی خیر سے ادھسیرے کا ہے کم سے کم
نازنینوں کو کبھی آپ پہ رغبت بھی نہ آئے — ہاتھ دُکھ جائیں جو دو چار دفعہ ہاتھ لگائے
گرد جو بیٹھ گئی منہ پہ اُٹھائے نہ اُٹھے — میل جو جم گیا چہرے پہ چھٹائے نہ چھٹے
ساتھ والوں کو بھی اپنا سا کئے جاتے ہو — جس جگہ رکھے ہو اُس چیز کو شرماتے ہو
تم سے بہتر ہے جو ہو کاسۂ چوبیں کی ہوس — اور پھر خیر سے رکھو لب لعلیں کی ہوس
کنٹری میڈ تمہیں کہتی ہے دنیا ساری — ڈھیلے سے بڑھ کے لگائے نہ کوئی بیوپاری
بھیک کا ٹھیکرہ ہے آپ کا مشہور لقب — ولد الجاریۃ انجب - انجب - انجب
اسی برتے پہ ہے ہم چشمی کا دعویٰ مجھ سے — جاؤ اب ڈوب مرو منہ نہ دکھانا پھر کے

ہنسکے پیالے نے کہا واہ یہ خوش خوب کہا   بھائی صاحب مری جانب سے عبث ہے غصہ
گالیاں دینی شریفوں میں ہیں معیوب بہت   خود بخود چھیڑ کا اچھا ہی یہ اسلوب بہت
آپ جلتے ہیں جلا کیجئے جوتی سے مری   کہ نتیجہ ہے سدا رشک و حسد کا یہ ہی
آپ کی طرح سے ایسا بھی تو نازک نہ بنے   کہ ذرا ٹھیس لگی اور ہوئے دو ٹکڑے
یہ تنک ظرفیاں کیا خوب ہیں اے نیک اساس   کریں لبریز تو مشکل ہے بجھا ایک ہی پیاس
ٹوٹ جاؤ تو چبھو ہاتھ میں بھی پاؤں میں بھی   ساتھ آرام کے تکلیف بھی مضمر رکھی
آپ جن خوبیوں پر مشفق من سمجھے ہیں   عقلمند انکو نمائش ہی کہا کرتے ہیں
خرچ ہی خرچ ہے مالک کا خریداری سے   چار دن بھی تو نہیں ٹکتے ہو دشواری سے
برف جب تک نہ ہو پانی کا مزا کچھ بھی نہیں   ظاہری شان ہو تم اس کے سوا کچھ بھی نہیں
تم کو ہے غیر ولایت سے بنا کر بھیجا   میں اسی ہند کی ہوں خاک جناب والا
جنکو ہے حب وطن انکے تو دل سے پوچھو   ذرہ ذرہ ہے مرا مہر منور ان کو
سوندھی سوندھی مری خوشبو ہی تو ٹھنڈا پانی   اسی مٹی سے ہوا کرتا ہے میٹھا پانی
سانولا پن مجھے مرغوب ہے ہندی ہوں جناب   آپ گورے ہیں تو گوروں ہی کو بلوائیں شراب

آغا شاعر قزلباش دہلوی

نظم قومی

(جو انجمن حمایت اسلام لاہور کے گذشتہ اجلاس میں پڑھی گئی)

مقام عبرت ہے دور گردوں - ذرا بصیرت کی آنکھ وا کر   فلک کے پردوں میں ساز کیا ہے - کبھی تو یہ راگنی سنا کر
ہے کیسا یہ انقلاب جاری زماں میں سارے مکاں میں ساری   نہ اس سے خاکی بچا نہ ناری - فلک پہ پہنچا زمیں پہ چھا کر

کہیں بلندی کہیں ہے پستی۔ یہی ہے رمز صفاتِ ہستی   اسے ابھارا اسے دبا کر۔ اسے جگایا اسے سلا کر
جہل میں پائیں گلستاں ہیں۔ ملی ہیں ماہی پیاس جاں میں   سدا قوی اور ناتواں میں۔ رہا تنازعہ جہاں میں مل کر
دمشق کا گاہ دور دوراں۔ ہے گاہ یونان کا فروخاں   کبھی ہے ایراں کبھی ہے توراں۔ گئی یہ نوبت بجا بجا کر
کل ایشیا کی تھی کامرانی۔ ہے آج یورپ کی لنترانی   غرض یوں ہی دور آسمانی بگاڑتا ہے بنا بنا کر
خدا کی عادت رہی سدا لا یغیر اللہ ما بقوم   مگر بدلتی رہی ہیں قومیں عمل کی پاداش اپنی پا کر
یہ بحرِ امواج کے تھپیڑے۔ ڈبوتے ہیں غافلوں کے بیڑے   ہیں پہنچے ساحل پہ اہل ہمت طلب کے چپو چلا چلا کر
کئے جوانوں نے دشت رنگیں لیے بلوں سے حصار سنگیں   لہو کو دریا بہا بہا کر۔ سروں کی بھینٹیں چڑھا چڑھا کر
جو قوم سے لو لگا رہے ہیں۔ وہ نقد جاں تک لٹا رہے ہیں   وہ کاخ ملت بنا رہے ہیں۔ بنائیں اپنے گھروں کی ڈھا کر
ہیں جن کے سینوں میں دل بھڑکتے وہ شکل اس سے نہیں جھجکتے   ہیں مثلِ پروانہ سر پٹکتے وہ عشق میں بال و پر جلا کر
ہیں ابرو گرتے پڑے جاتے۔ رہ ترقی میں بڑھتے جاتے   ہیں بام دولت پہ چڑھتے جاتے۔ کمند ہمت لگا لگا کر
الٰہی خیر اپنے قافلے کی نہیں ہے جسے فکر مرحلے کی   یہ مست خواب اب بھی سو رہے ہیں تھکے ہیں سب انکو جگا جگا کر
کچھ الٹی قسمت ہے انکی پھوٹی۔ کہ اوج عزت کی آس ٹوٹی   ابھی تو شاخ مراد سے یہ۔ گرے ہیں جھولے جھلا جھلا کر
یہ دولت و مکرمت کی ارزانی۔ تو سب ہے اپنی تھی رانی   مگر یہ سیلاب کی روانی۔ تو لے گئی دین و دل بہا کر
دلوں میں اپنے نہاں ہیں کینے۔ بھرے ہیں بغض و حسد سے سینے   یہ رہ گئی قوم کے دفینے۔ وہ گنج الفت لٹا لٹا کر
ہیں رہنما انکا زور ہر سو۔ ہیں پیشوا انکا شور ہر سو   بنا ہے کیا کیا طلسم کثرت۔ وہ رنگ وحدت مٹا مٹا کر

رہو گے اس دار و گیر دوراں میں ہمدمو مستِ خواب کب تک
بہے گی امواج جانستاں میں یہ آن بان اے حباب کب تک

خدا کی رحمت ہو اہل دل پر۔ جو قوم کا غم ہیں کھانے والے   مجالس اسکی سجانے والے۔ سفر کی زحمت اٹھانے والے
ہیں صدرِ بزم اپنے فخر ملت۔ وہ ملتوں کے ملانے والے   چہار یار و پنج تن کی۔ کدورتوں کو مٹانے والے
سدا رہا انکا فیض جاری۔ ہے شاد انکا اللہ قوم ساری   الٰہی انکو بنائے رکھیو ہماری بگڑی بنانے والے
وہ افضل الفاضلین دہلی۔ وہ اکمل الکاملین دہلی   کلام حق کی دکھا کے مشعل دلوں کی ظلمت مٹانے والے

ادیبِ قومی خطیبِ قومی حبیبِ قومی طبیبِ قومی
زبان معجز بیاں کا اپنی - جہاں میں سکہ جمانیوالے

وہ پیر کامل وہ ذوالمعالی لسانِ ملّت خجستہ خصالی
بتوں کی الفت چھڑانیوالے - نئے قوم کو لگانیوالے

رہے سدا ہم پہ ظلِ عالی - اُنھیں سے ارمان ہو دل کا
وگرنہ عالم میں پھر نہ دیکھینگی صورتیں بزم دیکھنیوالے

ہے وقت تھوڑا رجال ہم میں - ہیں باقی اب کاملان [illegible]
نہ اہل جاہ و جلال ہم میں - نہ مال و دولت جمع ہونیوالے

ہیں چند [illegible] یا ہر خطر میں یہی [illegible] اب نہ کوئی کھرتا
یہ کوٹ پتلون ٹائی والے - یہ ہیٹ پہنیوالے نشانہ ہوں گے

سیدی و یار مخزن کی سب اہل [illegible] مل کے
وہ اپنی قسمت کے فیصلے کا بہت جو فکر کرنیوالے

وہ جب کے ہو مدار ہستی - تو پھر نہیں [illegible]
ہم آج کالج کی زندگی کا ہمیں [illegible] کر رہے

مسلمانوں کی ابتدائی حالت الو - [illegible] جلد اسکی حال اُلو
وگرنہ اس کا حرج ہستی ہیں کوئی دن میں [illegible]

سی بنا میں [illegible] ہونگی جنبیں کبھی گھر کی [illegible]
حکمِ حاکم سے مسلمانوں کو ہم [illegible] بنانیوالے

عجب ہے اک دیگا و قومی - کہ ہیں [illegible]
تھے جن کے اسلاف رفقاء [illegible] سب [illegible]

ہم سچ کہا ہے کسی نے [illegible] ذرہ زندگی
ہم اپنی ذلت کریں گے سلام - [illegible] حقہ لگا [illegible]

عزیزو اس کو ہمیں چھوڑ جانا - کہا اپنی عبرت کی یادگار
کہ نقش پا پر تمہارے لاکھوں ہیں قافلے ٹھہرا رہے

نہیں جہان بھر کوئی ٹھکانا - جز آستان [illegible] عالم
کہ جس کے در پر ہیں ملائک میں عجز سے سر جھکا رہے

وہ جلوہ ذات ذوالجلالی - وہ مظہر شانِ ذوالمعالی
کہ جسکے در پر سدا ہوئی [illegible] [illegible]

وہ اہل درد و اہل فن کے [illegible] حسرت نشانیوالے
وہ چشم اہل جہاں کو نور حدا کا [illegible]

وہ زینت [illegible] عمل و الصدق کی [illegible] سکھانیوالے
وہ حمار دانشمند جہاں [illegible] صدق کی [illegible]

وہ ساقیِ شربِ کوثر - چشم کی [illegible]
عرب کی [illegible] [illegible]

ہمارے مولا ہمارے والی ہیں مستانِ سرکہ علی
یہ نونہالانِ باغ قومی [illegible]

سلام و صلوٰۃ [illegible] لاکھوں شفیع روز جزا ہمارے
نہیں ہے بیڑے کو خوف طوفاں - جواب ہیں نا خدا ہمارے

خفتہ [illegible]

مہاراجہ دسرتھ کی بیقراری

رام اپنی سوت ماتا کے حکم سے لچھمن اور اپنی پران پتنی پت ورتا سیتا سمیت بن کو جا چکے ہیں۔ سومنتر (رتھ بان) شہزادوں کو پہنچا کر شاہی محل میں داخل ہوتا ہے۔ اس وقت جو موجزن خیالات مہاراجہ دسرتھ کے دل پر یورش کر رہے ہیں ناظرین ان اشعار سے اُنکا اندازہ کر سکتے ہیں:-

پھرتی ہے آہ دیدۂ دل میں ادائے رام
آیا ہے بن میں بس کے۔ بڑے قبلۂ رام

بن سے آ جو رتھ کو لیے خالی ہاتھ تو
لایا نہ لچھمن کو نہ سیتا کو ساتھ تو

چھوڑ آیا میرے پیارے لڑکوں کو بن میں آہ تو
لے چل اب مجھے بھی تربت کے دامن میں آہ تو

تیر و کماں دوش پہ ڈالے ہوئے جہاں لال
پھرتے ہیں میرے نازوں کے پالے یہ نونہال

آنکھیں کنول کی سی ہیں دُکھ پائیں کس کے پھول
کمہلا نہ جائیں وقت بن تیرے چمن کے پھول

بچوں کو آئے ایک نظر اور دیکھ لوں
صحرا میں آہ! خاک بسر اور دیکھ لوں

آتا ہے مجھ کو رام پہ بے اختیار پیار
گردن لگا کے سینے سے پھر ایک بار پیار

آنکھوں کا میری نور تھے ٹھنڈک جگر کی تھے
دل کا مرے سرور۔ بصارت نظر کی تھے

پُر نور آہ میری شبستاں تھی رام سے
پیری کی صبح حیف جدا اب تھی رام سے

سیتا کی مجھ کو حسرت دیدار رہ نہ جائے
یہ پھانس ٹوٹ کر دلِ بیکل میں رہ نہ جائے

بن میں جو رام ہیں تو اجودھیا اداس ہے
کوسلیا غریب بھی کیا کیا اداس ہے

بدلے کہاں کے مجھ سے لئے تو نے کیکئی
داغوں پہ آہ داغ دیئے تو نے کیکئی

رام و لچھمن کی آہ اکیلی ماتا سے تجھے
میرے غم درون کی خبر آہ کیا تجھے

بالک تھے رام۔ دشت نوردی کے دن نہ تھے
بچے ابھی تھے۔ بادیہ گردی کے دن نہ تھے

بوٹا سا قد تھا۔ دن ابھی نشو و نما کے تھے
قابل نہ آہ! اس ستم ناروا کے تھے

کانٹے قدم قدم پہ لگا لے گا آہ! کون
صحرا میں بن کی جھاڑ بگولوں سے دے گا کون

روئیں گے یہ تو کون گلے سے لگائے گا
سو جائیں گے یہ تو کون تھپک کر سلائے گا

لائیں گے آہ! دشت نوردی کی تاب کیا
پھولوں کو سیر سے اُن کا شوں یہ جواب کیا

ناز و نعم کے پالے ہوئے۔ بیکس و دُکھوں
کیونکر جئیں گے دشت میں کھا کھا کے ٹھوکریں

صحرا میں خار در پئے کمیں ہیں یا نہیں
کرگس دینگے تماشا میں۔ اژدر میں ہیں یا

جیتے زمیں میں آ کے ذرا ابکی قریب سے
بھوکے ہیں رام لاد ہیں لچھمن غریب سے

محلوں کے رہنے والے ہیں۔ افسوس بجاگئی
نادان بھولے بھالے ہیں افسوس! جائینگی

دیکھا کہاں ہے گوشہ دامانِ دشت کو
ڈر جائیں دیکھ کر یہ غزالانِ دشت کو

مہر و وفا کی آہ! ابھی وہ صورتیں کدھر
اے شام تم ہیں چاند سی وہ صورتیں کدھر

رام و لچھمن کے ساتھ گیا میرا ہر عیش
تم ہی ہو اب مجھے ہاتم سرائے عیش

واقف نہ تھے ستم سے ہیں اور آسمان تھا
جا بیٹھے گی ہیں کرام مجھے یہ گماں نہ تھا

جس بن میں ہیں میرے نورِ نظر ہیں غبار شوق
آنکھیں بچھی ہیں میری فرش رہِ انتظار شوق

توڑ دوں تڑپ تڑپ کے جو دم اشتیاق میں
آنکھوں سے جان نور جو نکلے فراق میں

چھوڑے ہیں مجھے گیسوؤں والوں کا میں پیارا
بن بن کے ہو فدا کی رہے پیر ہمن ہیں ساتھ

شکوے ہیں کیکئی کے۔ گلے آسماں کے ہیں
آ! آ اے اجل! کہ یہ ستم دو جہاں کے ہیں

سرور جہان آبادی

محاصرۂ قلعۂ ارکاٹ

لارڈ کلائیو کی سوانح میں میکالے نے محاصرۂ ارکاٹ کا دلچسپ بیان لکھا ہے۔ بعض انگریزی مورخوں نے مفصل۔ بعض نے مختصر لکھا ہے۔ مگر یہ بالاتفاق مسلم ہے کہ ہندوستانی سپاہ نے نہایت بے نظیر مثال ایثار و قربانی کی دکھائی اور اپنی عزیز جانوں کو انگریزوں کی جانوں پر قربان کر دیا۔ سخت فاقہ کشی کی حالت میں اپنے حصہ کا غلہ بحالت محاصرہ انگریزوں کو دیدیا اور محض چاولوں کی پیچ پر گذارہ کرکے محاصرہ ... کامیاب کر کے فتح حاصل کی۔ تب سے ہندوستان کے دل پر اس واقعہ کا بہت گہرا اثر پڑا۔ شعرا نے اسکو نظم کے جامے پہنائے۔ ویسٹ منسٹر گزٹ نے انعام مقرر کیا۔ چنانچہ [illegible] نے سب سے بہتر نظم لکھکر انعام حاصل کیا۔ خاکسار اس نظم کا ترجمہ کچھ کم و بیش کرتا ہے۔ پچھلا حصہ اپنی طرف سے اضافہ کیا ہے۔

از: اسد علی خاں گوہر

جو سپہ کی فوج لیکن روم کی تھی جاں نثار — اسکی جانبازی کا زمانہ میں رہیگی یادگار
سچ ہے عہد میں ایسا نہ رکھتے تھے نظیر — ہر جہاں پہنچے بڑھایا روم کا قومی وقار
ہے یونہی مشہور شاہی گارڈ بوناپارٹ کے — فخر پیرس فخر یورپ جانفروش و جاں نثار
اندلس سے ماسکو تک انکے استقبال کے — شاہد صادق رہینگے جملہ دشت و کہسار
بھول سکتا ہے کوئی گارڈ اور بوتالین کو — کلپ سے تکوہ قاف انکی رہیگی یادگار
بھول ہی جائیگی لیکن اے روم اے فرانس — تابجائے نسل انگلستان عالم آشکار
نام نامی نہ بھولینگی کبھی ارکاٹ کا — وہ کلائیو اور اس کے جاں نثار دلیر سپاہ
جب سحر چاولوں کے کرلی جیب کھانیکو نہ تھا — وہ بھی صرف اتنے کہ کھا سکتے تھے جنکو چند یار

دیکھ کر قلت رسد کی اور کثرت فوج کی — افسر لشکر کا جو ہو گیا تھا بیقرار
مضطرب جنرل کو پا کر ایک مسلمان جری — آگے بڑھ کر یوں ہوا گویا بعجز و انکسار
گوشت روٹی کے سہارے سے ہم لڑا کرتے نہیں — پیٹ بھر کر جنگ کرنا ہو یہ گوروں کا شعار
ان غریبوں سے کمانا بھی یہ صورت تھا کی — اب ہوئی برباد طغیانی سے انکی کشت زار
یہ بھلا کیا جانیں گرمی اور دھوپ کی سختیاں — آتش فاقہ سے اب ہوا ... خون نصف النہار
کب نصیب انکو ہوا تھا قرب خط استوا — کب جدا انسے ہوئے ہیں مشرقی ... بہار
بھوک کی سختی اٹھا سکتے ہیں یہ لڑکے کہاں — ... ساتھی ... لشکر کے یار
ہم نے جھیلی ہے مصیبت تحت ... — ان مصائب ... کے ہم آپ ہیں رازدار
فقر و فاقہ سے ہمیں اکثر پڑا کرتا ہے کام — مار کھاتے آپ ... ہم سنے ...
ہم ہیں بس کے دوست انکو عیش غم ... — ہم ... کے رنج و حسرت ...
تو نہ کر کچھ فکر اے سردار لشکر تو نہ رکھ — چاولوں کی ...
انکو چاول دے کہ انکا پیٹ بھرنا ہے ضرور — ہم نہ پیالی بھی رہیں گے گزارہ چند بار
آفریں اس ہمت مردانہ پر اے فوج ہند — یہ وفاداری ... رہیگی یادگار
سن لے اے ... قصہ اپنا ... — تیرے فرزندوں کو لازم ہے کہ ...
داستان و قصہ جانبازی افواج ہند — جاں نثاران کا تو مخلصان نامدار
مدح گائیں انکی ... تیرے ... — ناظموں کا مشغلہ ہو انکا ذکر ...

اضافہ

کیا مبارک کیا شریف النسل تھی یہ فوج ہند — خوش نصیب اُس کے جسے ملجائیں ایسے جاں نثار
تھی یہی وہ فوج جس نے تیغ زن جانبازی سے آج — کر دیا قائم زمانہ میں ترا قومی وقار
یہ سلف جنکے خلف انکے ہوں اے برطانیہ — تیری نظروں میں حقیر و مبتذل بے اعتبار
مورچوں پر پہلے قربانی پہ چڑھتے ہیں ہمیں — کوڑیوں کے بدلے ... جاں نثار

اور دنیا میں کہاں ہیں ایسے بے دہون غلام — ایسے کم قیمت سپاہی سخت کے صد شکرہ
ہم ترے ہر رنج و راحت کے شریک حال ہیں — بے صلہ بے مزد بے اُجرت ترے ہر عملکا
جس طرح چاہا ہمیں تو نے دبایا رات دن — جس طرف تو نے چلایا ہم چلے بے عذر و رد
ہم تو تیرے واسطے اک موم کی سی ناک ہیں — پھر گئے تو نے جدھر پھیرا یہ شکل را ہوا
ہم نے شک کی آنکھ سے تجھ کو کبھی دیکھا نہیں — تیرے فرزندوں نے لیکن کر دیا کچھ ہوشیار
تو ہی کہہ دے فیصلہ قانون قدرت کا ہے کیا؟ — جب وفاداروں کو سمجھیگا کوئی بے اعتبار
قدرتی انجام کیا اس اختلاف حال کا؟ — آخرش کوئی ہمارا بھی تو ہے پروردگار
کیا گوارا ہے تجھے بربادی خاطر عزیز؟ — کیا پسند طبع ہے اب کشتی چشم و غبار؟
ہم کو امیدیں بہت ہیں تجھ سے اے یار قدیم — تو کل امید کو بننے نہ دیگی نوک خار
تو ہمارے درد دل کی تہ کو پہنچیگی ضرور — ہم ہیں اے برطانیہ تیرے رفیق جاں نثار

میرا وطن کونسا ہے؟

ذیل کے بند ایک جوشیلی نظم سے انتخاب کئے گئے ہیں۔ ان اشعار کا خاص جوہر حب وطن و اتحاد اہل وطن کا درس ہے۔

فوق السما یہ جسکی عظمت کا تھا ستارہ — شوکت کا جسکی بجتا تھا چار سو نقارہ
علم و ہنر کا جس نے تھامے رکھا اجارہ — تہذیب کا ہے جسکی دنیا بہ گوشوارہ
افسوس اے عزیزو! میرا وطن وہی ہے؟

جسکی گذشتہ دولت اب ہو گئی فسانہ — کہتا ہے نیم وحشی اب جس کو سب زمانہ
ہے جس جگہ امیروں کا ساگ پات کھانا — اور ہے ہوا غریبوں کا محض آب و دانہ
افسوس اے عزیزو! میرا وطن یہی ہے؟

جس ملک کی زمیں گلزار وادی پر ضیا ہے — پر تخم کینہ جس میں پھلتا ہے پھولتا ہے

جس ملک میں کہ ایکا مدت سے چل بسا ہے   اور پھوٹ کا جہاں پر ڈیرا جما ہوا ہے

افسوس اے عزیزو! میرا وطن وہی ہے؟

جس سرزمین کی مٹی پر خاک اڑ رہی ہے   جس سرزمین کے پانی کو آگ لگ گئی ہے

جس سرزمین کی آتش علم کی اب بجھ چکی ہے   اور بدخواہیوں سے جسکی ہوا بھری ہے

افسوس اے عزیزو! میرا وطن وہی ہے؟

قحط و وبا کا جس میں ہے دورہ مدامی   جرأت فزا ہے جس میں سستی کی تیز گامی

ناکامیوں کو جس میں حاصل ہے شادکامی   فرمانروا جہاں ہے شاہنشہِ غلامی

افسوس اے عزیزو! میرا وطن وہی ہے؟

جس ملک کے اہالی بے علم و بے ہنر ہیں   نظروں میں حاکموں کی بے رعب و بے اثر ہیں

ناموس و ننگ کے جو اسدا کے پرعذر ہیں   غربت کے ہیں جو دادا افلاس کے پدر ہیں

افسوس اے عزیزو! میرا وطن وہی ہے؟

حب وطن کا جس میں گل ہے چراغ بالکل   زینہ نفس کا ہے برباد باغ بالکل

اور حس حقیقت کا مختل دماغ بالکل   دل تنگ ہوگیا ہے جس سے فراغ بالکل

افسوس اے عزیزو! میرا وطن وہی ہے؟

ہیں رہنے والے جس کے آرام خواہ اکثر   خود بینیوں سے یعنی گمراہ اکثر

خود مطلبی میں ڈوبے شام و پگاہ اکثر   اور خود فروشیوں سے اصحاب جاہ اکثر

افسوس اے عزیزو! میرا وطن وہی ہے؟

ہیں اہل ملک جس کے اکثر کنوئیں کے مینڈک   بوڑھے بزرگ اکثر ہیں تجربوں کو دک

گھر سے نکلنا باہر جنکو قسم ہے جب تک   اس گردش میں ہیں کاسہ دل میں جاگریں جب تک

افسوس اے عزیزو! میرا وطن وہی ہے؟

آزادی کی جگہ میں عزت بے آبرو ہے   حریت اور حرمت آزادی آرزو ہے

بغیر جینا مرنا یہی ہو بہو سب ہے — اور اس جگہ میں ان کا ہی قحط جاریہ ہے

افسوس اے عزیزو! میرا وطن وہی ہے؟

جس ملک میں عزیزو اے کاش کوئی ہوتا — بد نامیوں کے دھبے جو سلطنت سے اگلے دھوتا

ہاں نفس کے جو انگور اس میں بوتا — اور انکے سینچنے کو آنکھوں سے خون روتا

افسوس اے عزیزو! میرا وطن وہی ہے!

غزل

غنچۂ گل سے بھرے ہیں جیب و دامانِ بہار — پہنچی ہیں گلبن کی شاخیں تا گریبانِ بہار

فرشِ گل پر اُس کے موتی بچھاتی ہے صبا — کس گلِ رعنا کی خاطر ہے یہ سامانِ بہار

پھر دیا کس نے گلستاں پر یہ آزادی کا حکم — آنکھ جس گل کی کھلی بن بیٹھا سلطانِ بہار

کھیلتی پھرتی ہیں کیا نکہت کی پریاں چار سو — ملکِ گل ہے زیرِ فرمانِ سلیمانِ بہار

ہر گلی کوچہ ہے چمنستاں کا بازارِ مصر — نکلا ہے چاہِ عدم سے ماہِ کنعانِ بہار

ہو گئی مجنوں یہ لیلیٰ آپ اپنے حسن پر — تا بہ داماں پہنچا ہے چاکِ گریبانِ بہار

رکھیں پہلو میں چھپا کر اپنے دل کو اہلِ دل — چھین لیگا نالۂ مرغِ سحر خوانِ بہار

گھر میں کیا بیٹھا ہے تو او زاہدِ تنہا نشیں — کنجِ عزلت چھوڑ کر بن مردِ میدانِ بہار

پھول جگنو بن گئے ہیں تیرہ کنجِ باغ میں — جگمگاتا ہے ستاروں سے شبستانِ بہار

پتے پتے بوٹے بوٹے کو ہے گلشن میں خبر — مجھ پہ شیدا ہے بہار اور میں ہوں قربانِ بہار

ہے بلا طفلِ دلِ رم خوردہ جو خیزاں — ہاتھ سے جانے نہ دیگا اپنے دامانِ بہار

باندہ سنگی بارشِ خیں مخمل کر جائیگی گنج — چار دن کے سبزہ و گل کھا گیا بادِ بہار

ہیں چمکتی بزمِ قارئیں رسالے مخزن

آئینہ جس کا ہے صادق بار اصفہانِ بہار

ہتھیلی پہ سرسوں

ہاتھ میں معمولی تیل کی طرح سفید بالوں کو سیاہ کرنیوالا خوشبودار عرق

دنیا میں ہر فروشندہ بات میں تجربہ واقف ہے کہ خدا تعالی نے بوڑھوں کو جوان کرنیکے لیے کیا عمل خضاب پیدا کیا ہے اگرچہ بہت سے مہندی اور وسمہ وغیرہ کو دنیا میں اور کئی خضاب ہیں کہ جن میں رنگ سفید بالوں کو سیاہ کر دیتے ہیں لیکن نقص نہ صرف اتنا ہے کہ گھنٹوں کی محنت درکار ہے بعض میں بالوں کو سیاہ کرتا ہے اس نقص کو دور کرنے کیلئے ہم نے یہ تجویز سوچی کہ مہندی اور وسمہ وغیرہ اجزاء وغیرہ کا عرق کشید کر کے تیل کی شکل میں تیار کیا جاوے تاکہ اس میں حرکت پیدا ہو اور بال جلد سیاہ کر دے۔ آخر کار سالہا سال کی محنت و جانفشانی کے بعد ایک خاص ترکیب سے بذریعہ مشین مہندی وسمہ کا عرق نکالا گیا سبحان اللہ لگایا اور اُدھر قدرتی رنگ کی طرح ایک منٹ میں بالوں کو سیاہ اور طرفہ یہ کہ سیاہی ایک ماہ تک بالکل زائل نہیں ہوتی مگر اس عرصہ کے بعد رنگ میں کسی قدر تبدیلی ضرور ہو جاتی ہے لیکن پھر دوبارہ لگا لو ایک ماہ کیلئے اور نجات۔ خرچ ایک دفعہ کا عرق منگا لیا ہوا برس بھر کیلئے کافی ہے یہ عرق بالوں کو ملائم چمکدار و معطر رکھتا ہے اور کسی قسم کی سیاہی قائم نہیں رہتی اس خوشبودار عرق کیلئے دوسرے خضابوں کی طرح برش وغیرہ کی مطلق ضرورت نہیں +

صاحبان! حساب سے بڑھکر دنیا میں اور کیا خضاب پیدا ہوگا کہ جسکی آپکو امنگ باقی ہے۔ ہمارا دعوی ہے کہ اس سے بڑھکر روئے زمین پر کوئی زود اثر اور عمدہ خضاب پیدا نہیں ہو سکتا + قیمت فی شیشی عہ محصولڈاک جدا ہے

[illegible]

مشتہر کا پتہ۔ حکیم محمد خورشید عالم پروپرائٹر شاہی شفاخانہ موجد خضاب جوہر حنا و وسمہ۔ ہال بازار امرتسر

تاریخی و ادبی کتابیں

یادگار دربار ۔ دربار تاجپوشی و تخت نشینی شہنشاہ ایڈورڈ ہفتم کی یادگار میں بیش بہا کتاب تیار ہوئی ہے جس میں [illegible] مفصل حالات [illegible] لنڈن و ہندوستان کے تفصیلی حالات درج ہوئے ہیں [illegible] شہنشاہ و ملکہ [illegible] [illegible] جشن [illegible] اور نظام [illegible] بیان [illegible] وغیرہ [illegible] وغیرہ کی عکسی تصویریں بھی معہ حالات درج ہیں کتاب کا حجم [illegible] تصویروں کی تعداد میں [illegible] علاوہ [illegible] کی قدر دانی میں [illegible] کی لوح گورنمنٹ [illegible] [illegible] قیمت چھ روپیہ [illegible] آنے [illegible] معہ محصول

یادگار وکٹوریہ ۔ ملکہ وکٹوریہ قیصرہ ہند کی [illegible] پیدائش سے وقت آخر تک [illegible] مفصل سوانح عمری [illegible] سلطنت [illegible] وسعت مقبوضات پر بھی نظر ڈالی جاتی ہے ساتھ ہی ملکہ کی مختلف عمر کی تین [illegible] موجودہ شہنشاہ و شہنشاہ بیگم کی تصویریں بھی درج کتاب ہیں حجم ۳۰۰ صفحہ قیمت ایک روپیہ چار آنے (عہ) معہ محصول

یادگار تاریخ دربار لاہور ۔ سنہ ۱۹۰۹ء میں لارڈ منٹو [illegible] نے جو شاندار دربار لاہور میں منعقد کیا تھا اسکی جملہ [illegible] معہ [illegible] [illegible] سر [illegible] لیفٹننٹ گورنر پنجاب [illegible] کی [illegible] درج ہیں قیمت آٹھ آنے (۸) حجم قریباً ایک سو صفحہ

یادگار سعدیؒ ۔ اس کتاب میں شیخ سعدیؒ کے مفصل حالات زندگی لکھے ہیں اور [illegible] پر بحث کر کے کلیات شیخ میں سے حکایات [illegible] [illegible] قطعات کا ایک [illegible] قدر ترجمہ اور انتخاب دیا گیا ہے جو امیر غریب حاکم محکوم چھوٹے بڑے سب کے کام آنے [illegible] [illegible] مختصر [illegible] کو مفید تصور فرما کر قریباً تمام سکولوں [illegible] تقسیم انعامات اور لائبریریوں [illegible] منظور کیا ہے۔
حجم ۳۰۰ صفحہ قیمت معہ محصول ایک روپیہ تین آنے (عہ)

یادگار دوستی ۔ [illegible] اپنے [illegible] اشتہار [illegible] تعریف [illegible] [illegible] [illegible] کو [illegible] زبانی و جانی [illegible] [illegible] عشق و محبت کی [illegible] [illegible] اخلاق و مروت کی تصویر [illegible] عمر [illegible] تجربے [illegible] [illegible] [illegible] پسند [illegible] ایک [illegible] شخص [illegible]
[illegible] حجم قریباً ۳۰۰ صفحہ قیمت معہ محصول (عہ) ایک روپیہ تین آنے۔

شاہنامہ ہند ۔ یہ فارسی نظم ہے جس میں [illegible] شہنشاہ [illegible] تیمور سے [illegible] حکمران [illegible] کے حالات [illegible] اور [illegible] اصل نسخہ بڑی قیمت پر [illegible] ۔ حجم قریباً ۳۰۰ صفحہ
قیمت معہ محصول ڈاک ایک روپیہ تین آنے (عہ) ۔ جملہ [illegible] خریدار کو صرف [illegible] روپیہ [illegible] دیا جائیگا۔

المشتہر : ۔ مینیجر یادگار آفس لاہور اندرون دہلی دروازہ

فہرست اسٹرانس اینڈ کمپنی واقع ڈیٹرائٹ ملک امریکہ کی مشہور عالم ادویہ

اسٹرانس وائن آف کاڈلور آئل

بچوں کے ... کا نہایت لذیذ ... کشتہ فولاد ... پاکیزہ ... بلا بو ... کر کھانے ... کمزوری ... [illegible]

اسٹرانس ہیڈایک کیور

... [illegible] ... فائدہ ... دغلی مت خرید و فقط اسٹرانس کی اصلی ... [illegible]

اسٹرانس میتھلائیڈس

کیسی ہی ... کی بیماری ہو اس کے استعمال سے دور ہو جاتی ہے بہترین ادویہ میں کامیاب ہوئی ہے گولیوں کی شیشی قیمت ؁

اسٹرانس کولا

مقوی دماغ و اعصاب دافع سستی و کاہلی و تکان صرف تازہ اور بغیر خشک کی ہوئی گریسی تیار کیا جاتا ہے خوشبودار اور خوشگوار ہے خوراک (؁)

اسٹرانس نیرائیس

غذا ہضم کرنے کیلئے بہترین و لاجواب ... سستی ... آلات ہضم کو درست کرتی ہے قیمت فی شیشی ؁

اسٹرانس کف کیور

کھانسی کو چند گھنٹوں میں آرام کرتا ہے افیون اور مضر اجزا سے پاک ہے خریدنے کے وقت بغور ... کہ اسٹرانس کی مہر ... بوتل ۱۲

رسالہ رفیق مریضان جس میں ان کے علاوہ دیگر ادویہ تیار کردہ کارخانہ فریڈرک اسٹرانس اینڈ کمپنی ڈیٹرائٹ ملک امریکہ کی تشریح حالات میں ... [illegible] ... مفت بلا محصول طلب ...

شہر کے تمام انگریزی اشیاء کے دوکاندار فروخت کرتے ہیں

عرق ماءاللحم انگوری

اور

درازیٔ عمر

تازہ تجربہ سے معلوم ہوا کہ دو بزرگ ہم عہدہ دار جو اتفاق حسنہ سے ایک ہی محلہ میں مقیم تھے ایک ہی مرض میں مبتلا تھے یعنی ضعف دماغ اور تاریکی چشم سر کا گھومنا چکرانا تھوڑے کام سے دل گھبرانا جب روز دو چار گھنٹے بیٹھ کر کام کرنا پڑے سر درد ہو جانا بھوک کا بند ہو جانا ہاتھ پاؤں کا ٹھنڈا لگنا اور کبھی گھر میں تخلیہ کا موقع ملے تو صبح کو کوفت عصابی شکنی معلوم ہونا [illegible] ایک صاحب نے عرق اللحم کا استعمال شروع کیا اور دوسرے صاحب مختلف معالج ڈاکٹر و حکیموں کا کرتے۔ چند دنوں بعد عرق پینے والے کا رنگ رو سرخ ہو گیا اور زردی چہرہ دور ہو کر گال جو پچکے ہوئے تھے پر ہو کر رنگ چمکنے لگا تو دوسرے مختلف ادویہ کھانے والے کے دوست نے بڑے تعجب سے پوچھا یار کیا بات ہے تم تو چار بجے کے بعد سات بجے تک کچہری میں کام کرتے رہتے ہو صبح دم دیکھو سویرے ہی اٹھ کر پھر ہوا خوری کیلئے تیار ہو یہ ماجرا کیا ہے۔ اس نے کہا بات یہ ہے کہ میں **عرق ماءاللحم انگوری** دو آتشہ ساختہ حکیم غلام نبی لاہوری پیا کرتا ہوں چنانچہ وہ سن کر نہ رہ سکے جھٹ تار دیا عرق بھیجدو +

اب اس ڈپٹی کلکٹر کا سارٹیفکٹ ملاحظہ کیجئے جس نے سول سرجنوں اور معزز ڈاکٹروں حکما کا علاج کیا اور ناکامیاب رہا۔ دیکھئے وہ کیا کہتا ہے۔ ادھ آنہ کا ٹکٹ بھیجکر سارٹیفکٹ صحت نامہ منگا کے دیکھئے قیمت فی بوتل ۲ تین بوتل ۶ چھ بوتل ۱۲ فی درجن ۲۴ بذریعہ [illegible] محصول کی کفایت ہو گی ریلوے سٹیشن بلا [illegible] بذریعہ ڈاک منگوانے میں محصول ڈاک مشتری کے ذمہ ہوگا

پتہ۔ **حکیم ڈاکٹر غلام نبی زبدۃ الحکماء لاہور موچی دروازہ اعوان منزل**

ممیرے کا سرمہ

مصدقہ جناب اسسٹنٹ کیمیکل اگزامینر صاحب بہادر گورنمنٹ پنجاب

معزز انگریزوں میڈیکل کالج کے پروفیسروں نامور ڈاکٹروں والیان ریاست اور ولایت کی یونیورسٹی کے سند یافتہ یورپین ڈاکٹروں نے بعد تجربہ اس سرمہ کی تصدیق فرمائی ہے کہ یہ سرمہ امراض ذیل کیلئے اکسیر ہے ضعف بصارت تاریکی چشم دھند جالا پروال غبار سبل سرخی پھولا ابتدائی موتیا بند پانی بہنا خارش وغیرہ معزز ڈاکٹر اور حکیم بجائے اور ادویہ کے آنکھ کے مریضوں پر اب اس سرمہ کا استعمال کرتے ہیں چند دنوں کے استعمال سے بینائی بہت بڑھ جاتی ہے اور عینک کے استعمال کرنیکی حاجت نہیں رہتی بچے سے لیکر بوڑھے تک کو یہ سرمہ یکساں مفید ہے قیمت اسلئے کم رکھی ہے کہ عام و خاص اس سرمہ سے فائدہ اٹھا سکیں قیمت فی تولہ جو سال بھر کیلئے کافی ہے ممیرے کا سرمہ سفید اعلےٰ قسم فی تولہ سلع ۱۲؁ روپیہ ہے خالص ممیرے نا آشنا ... فی تولہ ... خرچ ڈاک

المشتہر پروفیسر میا سنگہ اہلووالیہ مقام بٹالہ ضلع گورداسپور

اس سے بڑھکر اور کیا معتبر شہادت ہو سکتی ہے

(۱) میں نے ممیرے کا سرمہ جو سردار میا سنگہ اہلووالیہ نے تیار کیا ہے ان مریضوں پر جنکی آنکھیں بہت کمزور تھیں استعمال کرکے دیکھا مفید پایا میری رائے میں خاصکر ان مریضوں کو جنکی آنکھوں سے پانی جاری رہتا ہے اور دھند غبار کمزوری وغیرہ سرمہ نہایت ہی مفید ہے +

راقم:- ڈاکٹر بیج لال گھوش ... ایل ایم ایس اسسٹنٹ سرجن پروفیسر میڈیکل کالج لاہور داترییی سرجن جنرل بنہ

(۲) میں تمام کی بڑی خوشی سے تصدیق کرتا ہوں کہ میں نے ممیرے کا سرمہ جو کہ سردار میا سنگہ اہلووالیہ نے تیار کیا ہے اپنی زیر علاج کئی ایک قسم کے مریضوں پر استعمال کیا میری رائے میں بینائی قائم رکھنے اور آنکھوں کی بیماریوں سے بچنے کیلئے یہ سرمہ کا استعمال بہت مفید ہے:-

راقم:- خان بہادر ڈاکٹر میر شاہ ایل ایم ایس اسسٹنٹ سرجن پروفیسر میڈیکل کالج لاہور پنجاب:-

پانچ ہزار روپئے انعام

اگر کوئی شخص ممیرے کے سرمہ کی سندات میں سے جو کہ قریب بیس ہزار کے ہیں ایک کو بھی فرضی ثابت کر دے اسکو مبلغ پانچ ہزار روپیہ انعام دیا جائیگا جو لاہور کے پنجاب بنک میں اسی مطلب کیلئے ۲۶ مئی ۱۹۰۶ء سے جمع کیا گیا ہے +

دس ہزار سے زیادہ مریض اس عرق اکسیر اعظم سے صحت یاب ہو چکے ہین

عرق اکسیر اعظم جسکا اشتہار اسوقت جناب کے ہاتھ مین ہے دس برس سے برابر بندگان خدا اس سے فائدہ اٹھا رہے ہین اس عرق اکسیر اعظم کو مقیم بلکہ بہت سے لوگ ہمسے منگاتے ہین اور خلق خدا کو مفت دیکر ثواب حاصل کرتے ہین - ہم جن بیماریون کے نام اس مضمون کے داہنے بائین لکھ رہے ہین یہ عرق اکسیر اعظم ان سبکے دفع کرنیمین اکسیر ہے اگرچہ آپ اسوقت تک ہماری باتکا اعتبار نہ کرین کہ جبتک عرق اکسیر اعظم کو منگاکر استعمال نہ کرلین - مگر اسکے منگانیمین آپ جسقدر پیچھے رہینگے اسقدر آپکو خیر مین افسوس ہوگا اگر ہمارا عرق اکسیر اعظم کا یہ اشتہار کسی ایسے دوست کے ہاتھ مین اسوقت ہے کہ جسنے اس عرق اکسیر اعظم کا استعمال کیا ہے تو مین اس دوست سے درخواست کرتا ہون کہ جیسا اس عرق اکسیر اعظم کو پایا ہو اپنے دوستون مین ذکر کرے اس سے دو فائدہ ہین اول اگر عرق اکسیر اعظم ایسا نہین ہے کہ جیسا ہم لکھتے ہین تو خلق اللہ کا روپیہ ضائع ہونے سے بچیگا اور اگر ہمارے لکھنے سے زائد مفید ہے تو ضرور بندگان خدا کو فائدہ ہوگا دوستو ہمارے خیال مین یہ عرق اکسیر اعظم ضرور ہر ایک گھر مین رہنا چاہئے کیونکہ بعض بعض مرض اس قسم کے ہوتے ہین اگر فوراً دوا نہ دیجائے تو مریض کی جان خطرہ مین ہو جاتی ہے اوسوقت یہ عرق اکسیر اعظم آپکو ایک نہایت تجربہ کار حکیم یا ڈاکٹر کا کام دیگا علاوہ ان امراض کے جنکے نام مضمون ہذا کے داہنے بائین جانب لکھے ہین اور بہت سے کہنہ مریضون کو خدا کے فضل سے اس عرق اکسیر اعظم سے صحت حاصل ہوئی اور اسی لیے ملک مین اسکی خواہش زیادہ ہوتی ہے - تماشا یہ کہ بعض دوستون نے اپنے خاندان کے لیے اس عرق اکسیر اعظم کو حکیم حاذق مان لیا ہے - خود میرے ہاتھ پر گرم گرم دودھ گرگیا فوراً آٹھ سات مرتبہ عرق اکسیر اعظم ٹپکا دیا گیا آن واحد مین سوزش کم ہو گئی اور لطف یہ کہ چھالا بھی نہین پڑا - ایک شخص کے بچھو نے کاٹا فوراً عرق اکسیر اعظم لگا دیا گیا صحت ہوگئی دوستو تم ضرور یہ عرق مذکور اپنے یہان رکھو خدا جانے کیا موقع ہو کیا نہین -

دافع ضعف باہ
دافع سینہ
دافع ضعف معدہ
دافع ورم جگر
دافع درد معدہ
دافع درد شکم
دافع درد جگر
دافع درد دندان
دافع قبض
دافع کاہلی
دافع دوران سر
دافع کمزوری
دافع رتوندی

دافع بدہضمی
مقوی
دافع طاعون
دافع گندہ دہنی
دافع کرمل
دافع تشنج
مصفی خون
دافع نزلہ
دافع زینا
دافع پیچش
دافع کھٹا
دافع ملیریا بخار
دافع درد

آزمودہ ہے آپ کو کسی مصرف کا نہیں رکھا تو ایک لائق تجربہ کار کا بنایا ہوا مرکب یعنی ڈاکٹر میبجر س ناڈ روبیل الکنیز اس مرض کو جڑ سے کھو دیتا ہے کچھ پروا کی بات نہیں خواہ مرض کیسا ہی شدید ہو جو ہی اس اعجاز نما دوا کو ایک بار لگایا اور اُس نے فوراً اسیر جیسا اثر دکھایا ورم گھٹنا شروع ہوا قیمت فی بوتل ایک عمر روپیہ آٹھ آنہ علاوہ محصولڈاک ۔

کمزور مضبوط ہوسکتے ہیں

یہ فقرہ خاصکر ان لوگونکو مخاطب کر کی لکھا جاتا ہی جو کمزوری کا ہر طرح سے علاج کر چکے ہیں ۔ یا جنہوں نے کوشش کرنا بھی چھوڑ دیا ہی اگر ناظرین میں سے کسی نے اپنے تئیں لاعلاج تصور کر لیا ہی تو سخت غلطی کی ہی اور اس سے بھی زیادہ یہ غلطی ہوگی کہ باوجود گذشتہ کوششونکی ناکامیابی کے نئی یا اب بھی انہی ادویہ مشتہرہ کی طرف متوجہ رہیں انکا نتیجہ دیکھ چکے آزما چکے آزمودہ ادویہ دن بدن جھل ہیں ہست اکثر ڈاکٹر میبجر کے وائیٹلہ کے استعمال سے زائل شدہ طاقت بحال ہوتی ہے اسمیں ادویہ ۔ سب سے اچھی شامل کی گئی ہیں ۔ ہمارے تجربہ میں کسی قسم کی کمزوری ہو اس سے دور ہو جاتی ہے ۔ رسالہ مخفیہ بھیجکر پڑھو تم خود قایل ہو جاؤ گے ۔ قیمت فی بوتل (سے)

علاوہ محصول ڈاک

تمام دنیا میں جسقدر ادویہ صفائی خون کے واسطے فروخت ہو رہی ہیں ان سے ڈاکٹر میبجر کا سارساپریلا کی بکری بہت زیادہ ہے اس سارساپریلا میں ایک نئی ترکیب سے بجلی کی حرارت آمیز کی گئی ہے تمام قسم کے گھاؤ ۔ زخم امراض اسفل جن سے جلد بدنما ہو جاتی ہے جسم پر بدنما داغ کنٹھ مالا پھوڑے پھنسیاں پرانی گنٹھیا اسکے استعمال سے جاتے رہتے ہیں ۔ قیمت عہ فی بوتل ۔

یہ ادویہ کارخانہ مسٹر ڈبلیو میبجر اینڈ کو کلکتہ میں تیار ہوتی ہیں ۔ تھوک اور خوردہ فروش ایجنٹ ۔ برکت اینڈ کو دہلی سے طلب کرو ۔

تریاقِ طاعون

مجرّب

... کی جانفشانی کے بعد تریاقِ طاعون ایجاد کیا ہے جو تجربہ سے نہایت مفید ثابت ہوا ہے
... اگر استعمال کیا جاوے تو مرض طاعون کے حملہ سے انسان محفوظ رہ سکتا ہے۔ اگر بدقسمتی سے مرض کا حملہ
ہو ... بخار فرو ہو جاتا ہے۔ گلٹیاں گم ہو جاتی ہیں۔ دل میں طاقت طبیعت میں بشاشت آتی ہے۔ اس دوائی کے
استعمال ... جو مرض طاعون کے لئے بڑی نیک نشانی ہے۔ آجاتا ہے اور مریض بفضل
... صحتیاب ہو جاتا ہے ہر ایک گھر میں چند شیشیاں تریاق طاعون کی موجود رہنی چاہئیں لیکن تجربہ اس امر کی کافی
... تریاق طاعون تحصیل ... ضلع لاہور میں شروع مرض میں ۱۰۰ آدمیوں نے استعمال کیا جن میں ۹۲
صحتیاب ہوئے اور صرف آٹھ آدمی فوت ہوئے۔

قیمت
ننھی شیشی (۸)
چھوٹی شیشی (۱ روپیہ)
بڑی شیشی (...)
محصول ڈاک بذمہ خریدار

نقل چٹھی نمبری ۲۵ - از جانب جناب مسٹر

جے سی ... صاحب بہادر ڈپٹی کمشنر ... حال ...
مورخہ ۱۱ - اپریل ۱۹۰۷ء بخدمت جناب من بجواب آپکی چٹھی مورخہ
۲۴ ... گذشتہ دربارہ تریاق طاعون۔ میں آپکو اطلاع دیتا ہوں
... کو ... دوائی بھیجی گئی تھی انہوں نے
اسکی نسبت عمدہ رپورٹ کی ہے اور چونکہ ان کے بیان کے
... میں اسکی ... بہت ہے اس لئے بہت اچھا ہوگا
... کی پاس ... تقسیم کرنے یا فروخت کرنے
کے لئے ... دوائی بھیجا۔ دستخط صاحب ڈپٹی کمشنر بہادر

حکیم ...
...
...

حکیم محمد شریف ... ایڈیٹر شفاخانہ عام

مخزن

گھر سے نکل کے دیکھو

"سفر وسیلۂ ظفر ہے"۔ یہ مقولہ اگلے زمانے میں بھی سچ تھا۔ اور آج بھی سچ ہے۔ بلکہ پہلے کم تھا۔ اب زیادہ۔ پہلے افراد پر عائد ہوتا تھا۔ اب اقوام پر حاوی ہے۔ کسی ترقی کرتی ہوئی قوم کا نام لو۔ جو اس کے فوائد سے بے خبر ہو۔ دنیا کی موجودہ تجارت کا فروغ اسی اصول پر مبنی ہے۔ جرمنی آج کل صنعت و حرفت کی ترقی میں اوّل درجے پر شمار کیا جاتا ہے۔ کیا اُس صنعت و حرفت کا مدار محض اہلِ جرمنی کی قدر دانی پر ہے؟ اِس میں شک نہیں کہ اہلِ ملک بھی اپنے مال سے بڑھ کر کسی کے مال کو نہیں سمجھتے۔ دوسرے ملکوں کی بنی ہوئی چیزیں اگر جرمنی میں راہ پانے کی کوشش کریں تو وہاں کی حکومت اُن اشیاء پر بھاری محصول لگاتی ہے۔ تاکہ ملکی اشیاء کا مقابلہ نہ کر سکیں۔ مگر یہ وہاں کی صنعتی ترقی کا ایک جزو ہے۔ اور شاید یہ کہنا مبالغہ نہ ہوگا کہ جزوِ قلیل۔ جزوِ اعظم بیرونی تجارت پر منحصر ہے۔ دنیا کا کونسا گوشہ ہے جہاں جرمن ساخت کا مال نہیں پہنچتا۔ چین میں اس کی کھپت ہے۔ رُوم میں اس کی قدر ہے۔ افریقہ کی منڈیاں وہ گھیرے ہوئے ہے۔ اور ہندوستان کے بازاروں میں وہ انگریزی ساخت کی چیزوں سے بڑھ کر بکتا ہے۔ یہاں تک کہ خود انگلستان باوصف

بڑا تجارتی مُلک ہونے کے جرمن ساخت کی اشیا کی دستبُرد سے بچ نہیں سکتا۔ اور لندن کے بازاروں میں لاکھوں کا مال جرمنی سے آیا ہُوا بکتا ہے۔ امریکہ بھی اس ترقی میں کسی سے کم نہیں اور انگلستان بھی اوّل درجے کے تجارتی ممالک میں ہے۔ اِس کے سوا یورپ کے قریب قریب سبُ مُلک اس تجارتی لُوٹ میں جو دُنیا میں مچ رہی ہے کم و بیش حصّہ دار ہیں۔ مشرقی اقوام میں سے جاپان نے حال ہی میں اس گُر کو سیکھا ہے۔ اور جاپانی چیزیں بھی جابجا پھیلتی جاتی ہیں۔ اب ہندوستان کی باری ہے۔ ہاتھ کے کام میں اب بھی ہمارا وطن کسی سے کم نہیں۔ اور ابھی کل کی بات ہے کہ یورپ کی دوکانوں میں ہندوستان کی دستکاری مہنگے داموں بکتی تھی۔ اب مشین کا زمانہ آگیا ہے۔ اور صنعتی اور تجارتی لڑائی میں اس قوم کا جو کل کا مقابلہ ہاتھ سے کرنا چاہے وہی حال ہوگا جو میدانِ جنگ میں توپ کا مقابلہ تیر و تفنگ اور بندوق کا سامنا تیغ و سنان کے ساتھ کرنے سے ہوتا ہے۔ وقت آ پہنچا ہے کہ ہند جاگے اور اُس کے ساتھ اہلِ ہند کی قسمت۔ اور ہندوستان والے دُنیا کی معزز صنعتی اور تجارتی اقوام کی مجلس میں برابر کی کُرسی لیں۔ اِس کا آغاز تو پہلے گھر کی خبر لینے سے ہی ہوگا۔ کہ اپنی ضرورت کی چیزیں اپنے کارخانوں سے خریدیں۔ مگر اس کا معراج یہ ہے کہ ہندوستان کا مال زمانہ سابق کی طرح اطرافِ دُنیا میں پھیلنے لگے۔ بیشک یہ منزل دُور ہے اور دشواریاں بھی رکھتی ہے۔ لیکن اس کا پیشِ نظر رہنا بہرحال ضرور ہے۔ مُسافر کی رفتار پر اس علم کا اثر ہوتا ہے۔ اور کوشش کا معیار جتنا بلند رہے مفید ہے۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس ترقی کی تدبیریں کیا ہیں۔ تدبیریں تو مختلف ہیں اور سب اپنی اپنی جگہ ضروری۔ مگر ہندیوں کا بکثرت دُنیا کے دُوسرے مُلکوں میں پھیل جانا اُن میں سے ایک تدبیر ہے جس کی اہمیت میرے دل پر روز بروز نقش ہوتی جاتی ہے صنعتی تعلیم کے لئے سفر درکار ہے۔ تجارتی تعلقات بڑھانے کے لئے سفر درکار

ہے ۔ محنت مزدوری کے ذریعے ڈھونڈھنے کے لئے سفر درکار ہے ۔ مگر ان کے علاوہ بعض اور فوائد دُوسرے ممالک میں چندے قیام پذیر رہنے سے وابستہ ہیں ۔ جن کا احساس خطِ وطن میں کم ہوتا ہے اور زیادہ تر وطن کے باہر ہی ہو بھی سکتا ہے ۔ دُوسری قوموں کے اوضاع و اطوار دیکھنے سے خیالات میں ایک وسعت پیدا ہوتی ہے جو نہائیت قابلِ قدر ہے اور جب کسی مُلک میں ایک کثیر تعداد ایسے لوگوں کی موجود ہو جو مدتوں باہر رہے ہیں اور جنھوں نے اپنے ہاں کی ہوا کے سوا اَور مقامات کی بھی ہوا کھائی ہے ۔ تو نامعلوم طور پر ایک قسم کا تغیّر مُلک کے حالات اور خیالات میں پیدا ہونے لگتا ہے ۔ جیسے میدہ پر خمیر کا اثر ہوتا ہے ۔ اور بہت سی ترقیاں اور بہت سی اصلاحیں جو پہلے ناممکن نظر آتی تھیں ۔ ممکن معلوم ہونے لگتی ہیں ۔ اور کئی تعصبات جو پہلے سدِّ راہ ہوتے تھے ۔ راستے سے ہٹ جاتے ہیں ۔ ہاں اس نتیجے کے مترتّب ہونے کے لئے یہ ضرور ہے کہ جو لوگ سفر سے مستفید ہوں ۔ وہ اس کے فوائد کے اخذ کرنے کی قابلیت رکھتے ہوں ۔ اور اُن میں سے بیشتر ایسا سفر کریں جس کے اخراجات وُہ سفر ہی سے نکالیں ۔ نہ یہ کہ سب کے سب مُلک کا روپیہ باہر صرف کر آئیں ۔ اب تک جو کچھ لوگ سفرِ یورپ کو نکلے ہیں ۔ وُہ عمومًا یا تو طالب علمی کے لئے نکلے ہیں ۔ یا محض سیاحت کے لئے ۔ اور اُن لوگوں کی تعداد جو تجارت کی غرض سے یورپ گئے ہیں ۔ ابھی بہت کم ہے ۔ تاہم اس سلسلے کا آغاز ہی دل خوش کن ہے اور ایسے اصحاب کی تعداد بڑھانے کی ضرورت ہے ۔ لیکن میری مراد سفر سے سفرِ یورپ ہی نہیں ۔ بلاشبہ اس وقت یورپ رونق کا مرکز بنا ہُوا ہے ۔ اور صاحبانِ توفیق کے لئے اِس کا دیکھنا خالی از لطف و فائدہ نہیں ۔ مگر میرا مدعا سفر سے عام سفر ہے ۔ چین کا ہو یا جاپان کا ۔ رُوم کا ہو یا ایران کا ۔ تہذیب کے گہوارہ یورپ کا ہو ۔ یا تہذیب کے غمگسار افریقہ کا ۔ سب سے سبق مل سکتا ہے ۔ سب سے فائدہ ہو سکتا

ہے۔ بشرطیکہ کوئی محنت اور لیاقت کے جوہر لے کے نکلے اور ہمت کی رفاقت نہ چھوڑے۔ کلکتہ اور بمبئی اور ہندوستان کے بعض اور بڑے شہروں میں ایک معقول تعداد چینیوں کی ملتی ہے۔ جو مختلف صنعتی اور تجارتی طریقوں سے روپیہ کما رہے ہیں۔ اور بوٹ بنانے میں خصوصیت سے استاد ہیں۔ کیا اِن کے مقابل میں چین کے کسی مقام میں ایسی یا اس کے قریب تعداد ہندی دستکاروں کی موجود ہے؟ نہیں۔ انگریز تاجروں کو لو۔ اور اُن کے کارخانوں کو دیکھو۔ جو روپیہ گورنمنٹ کے خزانے میں ہمارے ہاں سے جاتا ہے اس کی بابت تو فریادیں ہوتی ہیں۔ کہ ہم لُوٹے جا رہے ہیں۔ کیا یہ بھی گورنمنٹ کا قصور ہے کہ سب بڑی بڑی تجارتی کوٹھیاں۔ بہت سے بڑے کارخانے۔ قریباً سب بستیاں جو چاء۔ نیل۔ یا قہوہ کی پیداوار کے لئے قائم ہیں۔ انگریز تاجروں کے ہاتھ میں ہیں؟ کیا اگر خود اہلِ ملک مشترکہ سرمایہ کی بڑی کمپنیاں رکھتے ہوں۔ اور ان کاموں میں حصہ لیں اور انگریز تاجروں کے نفع میں خود بھی شریک ہوں تو کوئی انہیں روکتا ہے؟ چاہیئے تو یہ کہ ہر انگریز کے جواب میں جو ہندوستان میں تجارت کر کے روپیہ کماتا ہے۔ ایک ہندی تاجر انگلستان میں روپیہ کما رہا ہو۔ ہر فرانسیسی تاجر کے جواب میں ہندی کی کوٹھی فرانس میں ہو۔ ایران ہماری تجارت کے لئے زرخیز منڈی ہے۔ جب دور دور سے قومیں آکر وہاں سے روپیہ کما سکتی ہیں۔ تو ہندوستان والے جو پاس رہتے ہیں کیوں مستفید نہ ہوں۔ خلیج فارس کے ساحل پر چند جگہ ہندوستانیوں کی دکانیں ہیں۔ کیوں اس سے زیادہ نہ ہوں۔ ملک کے اندر کے شہروں میں کیوں ہندی تاجر گھس نہ جائیں؟ رُوم ہم سے بہت دور بھی نہیں اور ہمارے ابنائے وطن میں خصوصاً مسلمانوں کا تعلق بھی اُس سے گہرا ہے۔ رُوم میں ہر قوم کے تاجر ہیں۔ نہیں موجود تو ہندی ہی نہیں۔ افریقہ کے بعض حصوں میں ہندوستانی جانے لگے تھے اور کام بھی اُن کا

خاصہ بن چلا تھا۔ مثلاً جنوبی افریقہ میں۔ اور وہاں آب و ہوا بھی اچھی تھی۔ مگر وہاں فرنگی اقوام کو ان چند آدمیوں کی کامیابی بھی کانٹے کی طرح کھٹکی اور اُنہوں نے اُنکے راستے میں بیحد دقتیں ڈال دیں اور اُن کا جانا قریب قریب بند کر دیا۔ اچھا یہ دروازہ بند ہے تو بند ہی سہی۔ اور کئی دروازے ابھی افریقہ میں کھُلے ہیں۔ وہاں گھس جاؤ۔ اور جو دروازہ بند ہو اُسکو بھی کھٹکھٹاتے رہو۔ کبھی تو کھُلے گا ہی۔ امریکہ جنوبی کے بعض حصّوں میں کچھ ہندی اچھی حالت میں ہیں۔ وہاں ان کے خلاف تعصب بھی کم ہے۔ وہاں کچھ اور بھی کھپ سکتے ہیں۔ ریاستہائے متحدہ امریکہ اسوقت جمیع اقوامِ عالم کو مقناطیس کی طرح کھینچ رہی ہیں۔ جرمنی سے۔ روس سے۔ فرانس سے انگلستان سے۔ لوگ وہاں جاتے ہیں اور وہیں کے باشندے قرار پا جاتے ہیں۔ معلوم نہیں اگر بہت سے ہندوستانی وہاں جا کر بسنا چاہیں تو وُہ کیا رویّہ اختیار کریں۔ لیکن تاحال اُنکا سلوک ہندوستانی سیاحوں واعظوں اور طلبہ سے بہت عمدہ ہے۔ آزادی کی سرزمین ہے۔ زرخیزی میں دُنیا کے کسی حصّے سے کم نہیں۔ محنت مزدوری کے لئے اچھی ہے۔ بشرطیکہ کوئی ہنر ہی سیکھے ہوں تو وہاں قسمت آزمائی کرنے والے نکلنے چاہئیں۔ کینیڈا جو سلطنت برطانیہ کا ہی حصّہ ہے۔ اور اس میں ہزاروں ایکڑ قابلِ زراعت زمین کے کاشتکاروں کے انتظار کر رہے ہیں۔ وہاں کی گورنمنٹ آئے دن انگلستان اور دیگر ممالک یورپ میں ایجنٹ بھیجتی ہے۔ کہ لوگوں کو ترغیب دے کر لاؤ۔ زمین مفت ملیگی۔ وہ آ رہیں ہو جائیں اور آباد کریں۔ اسکے دن سینکڑوں جاتے ہیں۔ مگر ادھر سے ہلِ من مزید کی آواز ابھی جاری ہے۔ کچھ ہمّت ور پڑھے لکھے ہندوستانی اگر جائیں تو عجب نہیں کہ انہیں وہی رعایات مل جائیں جو اور آباد کاروں کو مل رہی ہیں۔ اور اگر یہ تجربہ کامیاب ثابت ہو تو پھر اور زیادہ لوگ جانے لگیں۔ غرض اُمنگ اور ہمت جو

شرط ہے۔ پھر اس میں کچھ کلام نہیں۔ کہ "پاسے گدا لنگ نیست ملکِ خدا تنگ نیست"
اِس تحریک پر اعتراض دو ہو سکتے ہیں۔ اوّل تو یہ کہ خود ہمارا ملک بہت وسیع ہے۔ اُس میں ابھی بہت سی زمین قابلِ زراعت موجود ہے اور بہت سے پیشے قابلِ تحصیل۔ سرمایہ جو باہر نکلنے کے لئے چاہئے۔ اُس کی بھی ملک میں بیحد ضرورت ہے۔ پھر باہر جانا کیا معنے۔ دُوسرا یہ کہ آگے ہی ملک میں کام کرنے والے کم ملتے ہیں۔ اور اگر اس طرح باہمت آدمیوں کا ایک معتد بہ حصہ ملک سے باہر چلا جائے تو ملک اَور بھی غریب ہو جائے۔ اِعتراض دونو بجا اور جاندار ہیں۔ جواب میں صرف یہی کہا جا سکتا ہے۔ کہ ملک کے اندر جو ترقی ممکن ہو وُہ بھی کیجئے اور ضرور کیجے۔ لیکن اگر قوموں میں نام پیدا کرنا ہے تو قوموں سے بھی رشتہ پیدا کرنے کی بنیاد ابھی سے ڈالدو۔ ہندوستان میں تمہاری سب کوششیں اُن حدود سے گھری ہوئی ہیں۔ جو محکومی کے لوازم ہیں۔ باہر نکل کر سنئے ملکوں میں جو لوگ آزادی کی آب و ہوا میں زندگی بسر کرینگے۔ اور اپنی قوتوں کا دوسری قوموں کی قوتوں سے موازنہ کرینگے۔ انہیں معلوم ہو جائیگا۔ کہ کوئی وجہ نہیں کہ ہندی کسی سے کم رہیں۔ اُن کی رائے دُوسروں کی رائے پر اثر ڈالیگی۔ اُن کی مثال دوسروں کو اُبھاریگی۔ اُن کی حیثیت کا عکس دوسروں کی حیثیت پر پڑیگا۔ اگر وُہ باہر اپنی قابلیت کا سکہ جما دینگے اور اپنے چلن کی خوبی کا اعتراف کرا لیں گے تو ملک میں جو اُن کے بھائی ہونگے انہیں بھی اس نیکنامی کا حصہ ملیگا۔ اِس نظر سے یہ تدبیر امتحان کے قابل ہے اور یہ ایثار کر گذرنے کے لائق۔ رہا دوسرا اعتراض کہ کام کے آدمیوں سے ملک کو خالی نہ کرنا چاہئے۔ اس کا علاج یہ ہو سکتا ہے۔ کہ ہر شخص جو باہر نکلنے کا تہیہ ملک کی خاطر کرے وہ اس ارادے کے ساتھ ہی یہ عہد کر کے جائے کہ کامیابی کے بعد وہ ممالکِ غیر کو وطن ہی نہ بنا لیگا اور اپنی عمر کا آخری حصہ اور

اپنی محنت کی کمائی ملک کی بھلائی میں صرف کریگا - اور جو کسی اتفاق سے اپنے نئے وطن کا پابند ہو جائے - وُہ اپنے وطنِ مادری سے کبھی رشتہ نہ توڑے اور دُور بیٹھ کر بھی ہند کے لئے باعثِ تقویت رہے اور حتی المقدور ملک کی بہتری کے لئے کوشش کرتا رہے جو کام فرزندانِ انگلستان دُنیا کے دُور دراز حصّوں میں جا لینے پر بھی انگلستان کے لئے کرتے رہتے ہیں - وُہی کام ہر ہندی ہندوستان کے لئے کرتا رہے - اس شرط کو خیالی اور موہوم نہ سمجھنا چاہیئے - جب قومیں بننے لگتی ہیں اور اُن کے دِن بھلے آتے ہیں تو اُن کے عزم و ارادے میں استقلال پیدا ہو جاتا ہے اور اُن کے افراد گھر سے جو ارادہ کر کے نکلتے ہیں اُس سے کبھی نہیں ٹلتے - پس اگر حُبِ وطن کا ہندیوں پر یہ اثر ہو کہ وُہ اپنا گھر گھُسنا پن چھوڑ کر - سفر کی صعُوبتیں برداشت کرنے - نئے مقامات میں رزق ڈھونڈھنے کی مشکلات کا سامنا کرنے اور زیادہ کامیاب اقوام کے ہاتھوں طرح طرح کی ذلتیں سہنے نکلیں تو یہ بھی کچھ بعید نہیں کہ وُہ وطن سے نکل کر وطن کو یاد رکھیں اور اپنی فتح اور کامیابی کی گھڑیوں میں بھی اس کے حق سے غافل نہ ہوں - اگر ڈھب کے آدمی نکلنے لگیں تو تجارت - زراعت - صنعت - اشاعتِ مذہب - کئی اسباب تحریک کے لئے موجود ہیں - موجُودہ حالت کے مصداق مجھے دو چار مصرعے سوجھے ہیں لکھے دیتا ہُوں - شاعر ہوتا تو اس لمبی تحریر کی بجائے ایک مختصر اور پُرزور نظم لکھ دیتا - جسے لوگ گاتے پھرتے - اب ان مصرعوں پر اکتفا کرتا ہُوں - اور اپنے سخنور احباب سے عرض کرتا ہُوں ؏ اگر "شاعری" یک اشارت بس است -

بخت آزمانے نکلو - جنگل بسانے نکلو

کوڑیاں اُٹھانے نکلو - جانیں لڑانے نکلو

گھر سے نکل کے دیکھو - ہندوستان والو!

دولت کمانے نکلو - حکمت اُڑانے نکلو

مذہب سکھانے نکلو - ہر ہر بہانے نکلو
گھر سے نکل کے دیکھو - ہندوستان والو

غرض نکلو تو سہی - مگر ایک شرط ملحوظ رہے - ایسی طرح گھر سے نہ نکلو کہ نہ گھر کے رہو نہ گھاٹ کے - بلکہ سامان کے ساتھ - جس سے اپنی عزت بڑھے اور ملک کی شان - ایسا نہ ہو کہ جو بالکل بے زر ہیں - وہ بغیر مآلِ کار سوچے وطن کو چھوڑ دیں - تجارت والے سرمایہ کا بندوبست کر کے نکلیں - تعلیم کے شائق پہلے گھر سے خوب پڑھ کر نکلیں - زراعت کے لئے جائیں تو خود اس فن سے واقف ہوں اور واقفکار آدمیوں کو ساتھ لے جائیں صنعت والے اس قابل ہوں کہ چار باتیں کسی سے سیکھیں تو چار اس کو سکھا بھی سکیں - جس ملک میں جائیں اس کی زبان پہلے حاصل کرنے کی کوشش کریں اور اس کے اوضاع و اطوار سے واقفیت بہم پہنچا لیں - وہاں دن بسر کریں تو اس طرح کہ معلوم ہو کہ نہ صرف اپنی بلکہ اپنے ابنائے وطن کی عزت کا ہر وقت پاس ہے - اگر بڑھیں اور ان احتیاطوں کے ساتھ بڑھیں - تو کوئی دن میں وہ کامیابیاں جو اب اوروں کے حصے میں ہیں - ہمارے احاطۂ دسترس میں ہوں - اور یہ جو ناکامیوں کی شکایت اب ہے - اس کا خاتمہ ہو جائے - لندن میں ہزارہا یہودی روس سے آتے ہیں اور دنوں میں کاروباری بن جاتے ہیں - چند سال کے بعد انگریزوں کے سے حقوق حاصل کرتے ہیں اور ان کی اولاد ہر اعتبار سے انگریز کا حکم رکھتی ہے - فرانسیسی جرمنی ارمنی یونانی - اطالیہ کے باشندے ہسپانیہ کے باشندے - آسٹریا کے رہنے والے - روس کے ساکن - غرض ہر ملک کے قائم مقام انگلستان کے بڑے شہروں میں روزی کما رہے ہیں - اور محروم ہیں تو ہم جن کا اتفاق انگلستان پر ہوا اور جن سے انگلستان کو بیشمار نفع پہنچا رہتا ہے - یہی حال کم و بیش سلطنت برطانیہ کے دیگر حصص اور امریکہ وغیرہ میں ہے - اور جوں جوں اس کیفیت کو ہم بچشم خود دیکھتے ہیں - دل کڑھتا ہے اور یہ آرزو پیدا ہوتی ہے کہ ہمارے ہموطن بھی نکل پڑیں اور اس خوانِ یغما میں شریک ہوں - س

سخن درست بگویم نمے توانم دید
کہ مے خورند حریفان و من نظارہ کنم

مکتوبات آزاد

(گذشتہ اشاعت سے آگے)

اِس سلسلۂ خط و کتابت کی دلچسپی کے لئے تو مولینا آزاد کا نام ہی کافی تھا۔ مگر اِس میں مزید دلچسپی اس بات سے پیدا ہوگئی ہے کہ ان خطوط سے - گو یہ تعداد میں تھوڑے سے ہیں - اُن کے حالاتِ زندگی پر معقول روشنی پڑتی ہے اور انکی تصانیف کے متعلق کئی ضروری واقعات سے اطلاع ہوتی ہے - مثلاً آج جو خط درج کئے جاتے ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ دربارِ اکبری کے ساتھ اکبر اور اس کے مشہور اُمرا کی تصاویر کا ایک مرقع چھاپنے کا ارادہ تھا - جس سے مولانا کی علالت نے ہم کو محروم کر دیا - یہ تصویریں مولوی صاحب نے نہایت تلاش سے بہم پہنچائی تھیں - اور یقیناً اگر کتاب کے ساتھ چھپ سکتیں تو کتاب کا لُطف دوبالا ہو جاتا۔ ان خطوط سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ مولانا کو اپنا شغل تصانیف کتنا پیارا تھا اور وہ اس کے مقابلے میں کسی عروج یا فائدے کو ہیچ سمجھتے تھے - ہائے - اگر زمانہ ایسے قابل مُصنف کو کوئی دن اور کام کرنے دیتا اور انکی حینِ حیات میں مُلک کو انکی خدمات سے محروم نہ کر دیتا تو اب تک اُن کا قلمِ جادو رقم کیا کیا گلکاریاں کرتا۔

عالی جناب من -

تسلیم - آپ کو یاد نہیں مَیں نے کیا عرض کیا تھا - یعنی اُس دن مَیں کالج میں جا کر بیٹھا ہی تھا - کہ دو طالبعلموں نے آکر اس حادثۂ ناگہانی کی خبر دی - میری آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور دِل پر صدمہ ہوا - وُہ متحیر ہو کر مجھے دیکھنے لگے - اور اس معاملہ میں تقریریں معمولی کرنے لگے - مَیں نے کہا کہ ان باتوں سے کچھ حاصل نہیں - اس وقت ہمیں دو باتوں کا فکر کرنا چاہیے - ایک یہ کہ اُن کے محامد و اوصاف اس طرح بیان کرنے چاہئیں جس سے پبلک اور گورنمنٹ کے

دل پر اُن کے حقوق کی یاد کے نقوش تازہ ہوں۔ دوسرے یہ کہ اُن کے لڑکوں کے ساتھ حقوق مذکورہ مدنظر رہیں۔ دونو باتوں کے ضمن میں کوئی ایسی بات بھی جس سے اُن کا نام روشن ہو کر قائم رہے۔ اور مرثیہ خوانی اور تاریخیں لکھنی جو کہ شیوۂ قدیم ایشیا کا ہے یہ تو مجھے پسند نہیں۔ اب اس کا زمانہ گذر گیا۔ انہوں نے کہا۔ پھر یہ کیونکر ہو۔ میں نے کہا مجھ سے اور کچھ نہیں ہو سکتا۔ نہ میں کسی قابل ہوں۔ اتنا ہے کہ دربار اکبری درست کر رہا ہوں۔ یہ ان کے نام پر کر دونگا۔ دونوں خوش ہو گئے۔ اور کہا کہ ضرور کیجئے۔ یہ عمارتِ عظیم الشان اُن کے نام پر یادگار رہوگی۔ جو کبھی منہدم نہ ہوگی۔ میں نے کہا بلکہ دو تین اور بھی۔

اب آپ کی خدمت میں عرض یہ ہے کہ دربار مذکور کو اگرچہ طبع نیرنگ خیال اور آبِ حیات کے سبب سے آج کل ملتوی کر دیا ہے۔ مگر تمام مسودے پہلو میں دھرے ہیں۔ یہ چھپائی چھ مہینے کا کام تھا جسے میں نے ڈیڑھ مہینے میں کیا۔ انشاء اللہ ۲۵ دن حد ایک مہینے کا کام اور ہے۔ اس سے فارغ ہوں تو پھر اُسے سنبھالتا ہوں۔ خدا و مولیٰ اسد اللہ الغالب سرانجام کو عدا انجام پر پہنچانیوالے ہیں۔ مگر مشورت طلب یہ نکتہ ہے کہ آیا وہی ڈیڈیکیشن کا مقرری خاکہ رنگ بھر کر سجا دوں۔ یا اُسے موقوف رکھ کر یہ لکھوں کہ ایسے شخص کے حادثہ جانکاہ پر عالم نے نالہ وزاری کے معمولی حق ادا کئے۔ اور یادگار کے لئے تاریخیں اور نظمیں لکھیں۔ فقیر آزاد سے اور کچھ نہ ہو سکا۔ یہ کتاب اُن کے نام پر لکھنا تھی کہ اندنوں زیر قلم تھی۔ ع چہ کند بے نوا ہمیں دارد۔

مزا تو اس کا جب تھا کہ خود لیکر جاتا اور بعض مقامات اس کے اپنی زبان سے اُن کے سامنے پڑھتا۔ اور دیکھتا کہ کس کس مقام پر وہ کیا فرماتے۔ ہائے سرسالار جنگ سارے ارمان دل کے دل میں رہے۔ ہائے سرسالار جنگ۔

مولیٰ اسد اللہ الغالب حاضر و ناظر ہیں کہ پھر آنسو آنکھوں میں بھر آئے۔ آپ سے کیا

اپنا حال کہوں۔ میرا دل کچھ اور دل ہے۔

بہرحال آپ مطمئن رہیں۔ انشاء اللہ جلد ختم کرتا ہوں۔ کلکتہ تک سے بمبئی مدرس تک سے برابر درخواستیں آ رہی ہیں اور گھر میں کچھ بھی نہیں۔

پرسوں اتوار کو یہاں ایک بڑا جلسہ تھا۔ لاہور و امرت سر کے دولت پرست جمع ہوئے تھے کہ کپڑے کی کل پنجاب میں جاری ہو۔ وہاں کوئی بولا کہ آزاد کہاں ہے اُسے بھی تو پوچھو۔ وہیں سے کوئی بولا کہ اُس نے کمیٹیوں کو بالکل استعفا دے دیا ہے وہ نواب تصنیفات میں غرق رہتا ہے کسی نے یہ بھی کہا کہ آج کل وہ دربار اکبری لکھ رہا ہے گر اکیلا ہے۔ کوئی رفیق اور مددگار نہیں۔ کئی شخصوں نے کہا کہ پھر کس طرح کی مدد چاہتا ہے۔ جو ہم سے ہو سکتی ہے ہم بھی کریں۔ میں نے ماندہ تا بہ و تدبر کیا کہوں۔ کہ میرا کام سوا خدا اور وسیلے کے مدد پذیر نہیں۔ یا ملی مدد۔ ۴ بجے ہیں۔ صبح قریب ہے۔ وقت تو قبول کا ہے اگر سائل کی آواز حضور تک پہنچ جائے ٭

فقیر آزاد

۲۰۔ مارچ ۱۸۸۳ء

ساعت ۴۔ قریب صبح

عجب تماشا ہے۔ آفرینش کا ضمیر تو یہ اور تصنیفات کے مضامین دیکھو۔

مجھے نیچری کہتے ہیں۔ ہاں ہاں نیچری ہوں۔ گر علی کا نیچری ہوں ۔

من نمی گویم و لیکن از تو چنیں دیدہ ام آنکہ می گوید خدا ایست یا امیر المؤمنین

جناب من۔ ۸۔ اپریل ۱۸۸۳ء

تسلیم۔ عجب ہجوم محنت میں مبتلا ہوں۔ الحمد للہ کہ ۱۰۔ ۱۲ دن کا کام رہ گیا ہے اور یہ سخت تر دقت ہے۔ سو پیسنے سے میں دُنیا و مافیہا سے بے خبر ہوں

میری حالت ایسی ہوگئی ہے کہ ہر شخص پوچھتا ہے کہ تم کچھ بیمار تھے۔ نعوذ باللہ۔ غالباً
مَیں نے آپکو نہیں لکھا۔ ایک مہینے سے زیادہ ہوا کہ جموں سے ایک دوست کا
خط آیا۔ اس میں لکھا تھا کہ مہاراجہ صاحب ایک تاریخ کی کتاب لکھوانا چاہتے ہیں جس میں
عام سلاطین کے حالات ہوں۔ مگر زور اس بات پر ہو کہ سلطنت اس خاندان میں کیونکر
اور کن کن اسباب سے آئی اور گئی تو کن کن سببوں سے گئی مثلاً بادشاہ کی بے پروائی
یا عیاشی یا بدنیتی وغیرہ سے یا ارکانِ دولت کی بے لیاقتی یا نمکحرامی سے۔ مجھے
لکھا تھا کہ تم اس کام کا ذمہ لو اور لکھو کہ کیا تنخواہ لوگے۔ مَیں نے عدیم الفرصتی کا
عذر کرکے ٹال دیا۔ ۸ - ۱۰ دن ہوئے کہ وُہ خود آئے اور کہا کہ ان کی نوکری اختیار
کرو تو کیا تنخواہ لوگے۔ اور اس میں اصرار کیا۔ مَیں نے صاف جواب دیدیا اور انکار کیا۔
غالباً آپکے نزدیک بھی نامناسب نہ ہوگا۔ میری اپنی کتابیں ناتمام پڑی ہیں کہ لوگوں کی
آنکھیں اور میری جان انہی میں لگی ہے۔ مَیں کسی کی کتاب لکھوں۔ طمع کا منہہ کالا ہے
آپ نے اخباروں میں دیکھا ہوگا کہ ڈسٹرکٹ مدارس سرشتۂ تعلیم سے الگ ہوکر انتظام
جدید میں آگئے۔ کالج کا بھی ایسا ہی حال ہوگا۔ کالج کا مولوی اور پنڈت ضرور تخفیف
میں آئیگا۔ کیونکہ یونیورسٹی پنجاب میں مولوی اور پنڈتوں کی کیا کمی ہے۔ اچھا
مجھے پنشن بھی دیے دینگے تو قناعت کرونگا اور تصنیفات کو پُورا کرونگا۔ اپنے
لختِ جگر بچّوں کو نیمجان تڑپتا نہ چھوڑونگا۔ چھپائی کا کام ۱۰ - ۱۲ دن سے زیادہ
نہیں رہا۔ آبِ حیات نے مجھے ہلاک کردیا مجھ سے بیوقوفی ہوئی ہے۔ ۱۰ مہینے کا کام
تھا جو ڈیڑھ مہینے میں کیا ہے۔ اللہ آسان کرے۔ جناب مخدوم و مکرم اپنے بھائی
صاحب کو تسلیم کہئے گا اور یہ بھی کہئے گا کہ وہ نور دیکھتے ہیں یا نہیں۔ بہتر ہے کہ ضرور
دیکھا کریں تاکہ حال تو معلوم رہے ٭

آزاد

عالی جناب من ۔

تسلیم ۔ کئی دن سے کہہ رہا تھا کہ لکھوں اور لکھوں اور آج ضرور لکھونگا کہ مرحمت نامہ آن ہی پہنچا ۔ خدا آپ صاحبان کو یہ دولت و اقبال و ترقیات روز افزوں سلامت رکھے کہ مجھ جیسے نالائق کو کس طرح یاد رکھتے ہیں ۔ میرا حال یہ ہے کہ تقریباً ۸ دن ہوئے ہونگے آب حیات اور نیرنگ خیال سے چھٹکارا ہوا ۔ مگر اس سال یونیورسٹی مجھ پر مہربان ہوئی ۔ زبان اُردو میں طلباء داخلہ کا ممتحن مقرر کیا ۔ اور زبانی میں اُردو اور فارسی کا ۔ اور ایک حصہ عربی کا ۔ انکے سوالات بنانے کچھ ایسا وقت نہیں لیتے ۔ مگر کاغذات جو نمبر لگانے کو آئے ہیں وہ چھاتی پر پہاڑ ہیں ۔ ۶۱۸ کاغذ ہے ۔ اور آج سے ۱۰ دن کی مہلت باقی ہے ۔ خدا اس بلا سے جلد مخلصی دے ۔ یہ درست ہے کہ اس میں تقریباً ڈیڑھ سو روپے کا فائدہ مجھے ہو جائیگا یا شائد کچھ زیادہ ہو ۔ مگر خدا گواہ ہے کہ میں اس پر خاک ڈالتا ۔ منظور فقط اس لئے کیا کہ اس دفعہ کالج کا معاملہ نازک ہو رہا ہے ۔ رجسٹرار ناراض ہو جائیگا ۔ تو لوگ مجھے احمق بنائینگے اور کہینگے کہ ڈاکٹر لائٹنر تو باسباب خاص ناراض ہو گئے اور ان کی ناراضی بے شک تدارک پذیر نہ تھی ۔ انہیں تو نے کیا سمجھکر ناراض کر دیا ۔ اس سبب سے یہ بوجھ سر پر لے لیا ۔ ورنہ آپ یقین فرمائیے کہ آزاد روپیہ کا لالچی نہیں ڈاکٹر لائٹنر صاحب نے کئی دفعہ ممتحن کیا اور میں نے صاف انکار کر دیا ۔

اب بات فقط اتنی ہے کہ ایک منشی بھی میں نے رکھ لیا ہے ۔ وہ میرے ساتھ کام کر رہا ہے ۔ انشاء اللہ ۱۰ دن میں اس کام کو ختم کر دونگا ۔ پھر دربار اکبری ہے اور میں ہوں ۔ مولے اسداللہ الغالب مظہر العجائب کا فضل شامل حال چاہئے ۔ آپ دیکھینگے کہ تیسرے ہفتہ میں کچھ نہ کچھ لیکر حاضر خدمت ہونگا ۔ آپ انہیں پھر لکھ دیجئیگا کہ آپ سمجھ لیں میری کل تصنیفات مرحوم مغفور کی ہو چکیں ۔ خدا گواہ ہے ۔ نہ مجھے اُن سے غائبانہ عشق تھا ۔ پہلے لکھتا تو خوشامد تھی ۔ اب تو خاص ان کے اور

میرے درمیان میں معاملہ ہے۔ دیکھیے کب تک جانی یا ان کا خیال کرونگا۔ میں جانتا ہوں کہ اس کی باتیں قابلِ یقین ہرگز نہیں لیکن سنتے ہیں۔ نے ایک کھلاوا اپنے دل کا کر رکھا ہے۔ رات کو ایک بجے دو بجے بیٹھ کر باتیں کیا کرتا ہوں۔ اور یقین آپ کریں کہ یہ ابنائے زمان اخوان الشیاطین جو زندہ ہیں اُن سے تو اسکی باتیں بہر حال بہتر ہیں سے

بسکہ از برخورد عالم عاقبت بطلب نہ بردہ ام سیر گم از آب از آئینہ تمثال مفہوم

آپ نے تصویروں کا کچھ بندوبست نہ فرمایا۔ مجھے اکبر کی ایک تصویر ہاتھ آئی کہ ۳-۴ ترک عورتیں بیٹھی ہیں اور وہ دو تین برس کا بچہ بیچ میں کھیلتا پھرتا ہے۔ رات کا وقت ہے۔ شمع روشن ہے۔ کھلونے وغیرہ سامنے پڑے ہیں۔ یہ اکبر کے ابتدائی حالت میں لگانی واجب ہے۔

ایک ایسی ہی پرانی تصویر ملا دوپیازہ کی ہاتھ آئی۔ بیربل کے ساتھ اسے بھی لگانا واجب ہے۔ اگرچہ کتاب سے ملا دوپیازہ کی اصل نہیں معلوم ہوئی۔ مگر مسخروں اور بھانڈوں سے اس کا شملہ دستار بیربل کی دُم میں مضبوط باندھا ہے۔

راجہ مان سنگھ کی تصویر بھی سندری ہے۔ سرکار اور سے منگائی ہے۔
بہت جمع خراشی کی۔ اب الف اللہ بھر۔ محمد حسین آزاد

۱۸- مئی سنہ ۸۳ء

جناب من

تسلیم۔ ۱۲ دن کا عرصہ ہوا کہ ایک نسخہ آب حیات طبع جدید بذریعہ عریضہ نیاز ارسال خدمت کیا ہے۔ تعجب ہے کہ اب تک رسید اسکی نہیں پہنچی۔

کتاب مذکور میں اگرچہ جابجا بہت مطالب زیادہ کئے ہیں۔ مگر میر انیس مرحوم کے

خاندان کا حال اور مرزا دبیر مرحوم کا حال آپ سے مطلب ہو۔ اب کی دفعہ تذکرے
بھی بہت طبع اول کے مفصل تر لکھی ہے۔ اسے ملاحظہ فرمائیے گا۔

اگر فرمائیے تو ایک نسخہ آپ کے بھائی صاحب قبلہ کی خدمت میں بھی بھیجدوں
مگر انہیں اپنے مرثیات کے دیکھنے کی فرصت کہاں ہوتی ہوگی پھر بھی فرمائیے
کہ ایک نسخہ سید فائق علیخاں کی خدمت میں بھیجوں۔ یا کچھ ضرورت نہیں۔ اور نہ
بھیجوں تو پھر جناب عالی کے۔ لئے کیا رستے ہے۔

دربار اکبری کو لپیٹ رہا ہوں۔ کہ دو ہی دن جم کر بیٹھا تھا کہ آنکھوں نے رنگ
بدلا اور دماغ جواب دینے لگا۔ خیر میں نے ایک دن آرام دیا۔ تخفیف معلوم ہوئی۔ اب
آہستہ آہستہ چلا جاتا ہے۔ خیر۔ کام خدا کے فضل سے ہو گیا۔ مگر افسوس اس بات کا
آتا ہے کہ بے وقت ہوا۔ خدا اس مرحوم کو اعلیٰ علیین میں مراتب قربت کرے۔
اگر زندہ ہوتا تو ان چھیٹوں میں خود جاتا اور سناتا۔ جب دل کا ارمان نکلتا۔ کیونکہ میں
دیکھتا کہ وہ کیا کہتے ہیں اور کس کس مقام پر کیا لطف نکالتے ہیں۔

اب جو لکھا تھا وہ میں نے لکھ لیا اور ہر ایک حال مسلسل بھی ہو گیا۔ جو کام
باقی ہے وہ فقط اتنا ہے کہ کہیں کوئی فقرہ بڑھا دیا۔ کہیں دو کو ایک کر دیا۔ کہیں
کوئی لفظ بدل دیا۔ کہیں پس و پیش کر دیا۔ خیر اللہ سب مشکلوں کو آسان کرنے والا
ہے۔ دیکھئے! تصویروں کے باب میں اتنا لکھا۔ جناب سید صاحب نے جواب
بھی نہ دیا۔ میں نے ۹۔۱۰ تصویریں بہم پہنچائی ہیں۔ جس طرح ہوگا انہیں سے
اس گڑیا کو سنوار کر حاضر کروں گا۔ افسوس کہ فرصت نہیں۔ خیر۔ اب پھر۔

محمد حسین۔ آزاد

لاہور۔ بنگلہ ایوب شاہ

۱۰۔ اگست سنہ ۹۳ء

لاہور۔ بنگلہ ایوب شاہ - ۱۴ - اگست ۱۸۸۳ء

جناب من -

تسلیم - مرحمت نامہ عالی نے شرف اعزاز بخشا مگر میں تحریر عریضہ میں مقصر رہا۔ الحمدللہ آپ کے جد کے تصدق سے نورچشم کو خدا نے فضل کیا کہ اٹھائی پہنچنے ہوتے اُسے پٹیالہ روانہ کر دیا۔ مگر جس دن آپ کا مرحمت نامہ پہنچا دوسرے دن اس کا خط آیا کہ لڑکا اس کا بہت علیل ہو گیا میں بہت پریشان ہوا۔ اور یہاں سے ارسال ادویات کی فکر میں مصروف رہا۔ کچھ دل بھی ٹھکانے نہ رہا شکر خدا کہ کل وہاں سے خط آیا۔ جس سے گونہ اطمینان حاصل ہوا۔ تحریر جواب میں جو دیر ہوئی معاف فرمائیگا۔

دو نسخے آبِ حیات حیدر آباد کو روانہ کر دیئے اور آپ کے بھائی صاحب کو عریضہ لکھ دیا ہے کہ ایک نسخہ اپنے کُتب خانہ میں رکھیں۔ دوسرے نسخہ کے لئے اس قدر مرحمت فرمائیں کہ ایک عریضہ میری طرف سے لکھوائیں۔ اور حضور نواب سید لائق علی خاں بہادر کی خدمت میں پیش فرمائیں۔

جن جن نسخوں کے لئے آپ نے ارقام فرمایا ہے۔ بیشک حصولِ مقاصد اور مطلب برآری کا رستہ یہی ہے مگر کیا کروں کہ طبیعت ایسی واقع نہیں ہوئی۔ میں ہمیشہ یک رُخ بازی کھیلا ہوں اور خدا چاہے تو یہی چال چلونگا جیت ہار خدا کے ہاتھ ہے۔ کبھی تو ہمارا پانسہ بھی سیدھا پڑیگا۔ ؎

رسید مژدہ کہ ایام غم نخواہد ماند چناں نماند چنیں نیز ھم نخواہد ماند

امرت سر کے باب میں روز بندوبست کرتا ہوں۔ پھر یہی کہتا ہوں جو گھڑی اس کام میں صرف ہو جائے وہی غنیمت ہے۔ کاغذ گو پھیلے رہتے ہیں۔ آپ بیچ میں کبھی بیٹھا کبھی لیٹا رہتا ہوں اور کاٹ پھانس۔ کتر بیونت کئے جاتا ہوں۔ جو منشی میں نے رکھا تھا بہت خوب تھا۔ اِس کے دادا اور پھر اس کے والد میرے والد مرحوم کے پاس تھے

اُس کی سمجھ اور مزاولت اچھی تھی۔ دیلے پھر خسے مہینا اور کھانا وغیرہ ذمّہ لیا اور بلایا۔ اس بھلے مانس کو تپ دِق نکلی۔ ڈیڑھ مہینے کے بعد کچھ وہ گیا کچھ میں نے رخصت کردیا اب میں ہوں اور میرے نامۂ اعمال۔ غالباً دلی کا ایک سفر ضروری بلکہ بمجبوری پیش آئیگا۔ اس میں آپکو سلام کرتا ہوا جاؤنگا

حیدرآباد آپ بھی مرحمت فرماکر لکھ بھیجیں کہ حضور نواب صاحب بالقابہ کی خدمت میں کتاب پیش فرماویں اور جو کچھ مناسب ہو زبانی عرض فرماویں ٭

محمد حسین آزاد

جناب من

تسلیم۔ کاش ۱۵۔۲۰ دن پہلے تشریف لے جاتے میں ضرور آپ کے ہمرکاب چلتا۔ اور ایک دو شاعرے۔ ایک دو جلسے لکچروں کے دیکھتا اور دکھاتا اب سوائے حسرت و ارمان کے کیا ہوسکتا ہے۔ آپ کا خط میں نے صبح کے ۸ بجے پایا۔ ارادہ ہوا کہ خود چلکر ملنے کا بندوبست سوچوں کہ اتنے میں مصوّر آیا جس کا کئی دن سے انتظار تھا۔ اسے راجہ مان سنگھ اور ملا دو پیازہ کی تصویریں دے رکھی تھیں کہ نقل اُتاردے مان سنگھ کی تصویر الور کے وزیر نے محبتِ قدیم کی رعایت سے بھیجی ہے اور ملا دو پیازہ کی تصویر بھی ایک جگہ سے ہاتھ آئی۔ یہ بہت پرانی اور سندی ہے۔ مصوّر نے جو نقل اُتاری وہ کئی جگہ سے قابلِ اصلاح ہے۔ ۱۰ بجے تک وہ بیٹھا اور وعدہ کرگیا کہ کل پھر آونگا چونکہ اس کا ہاتھ آنا بھی مغتنمات سے ہے اس لئے کل بھی نہیں حاضر ہوسکتا۔ انشاءاللہ پرسوں حاضرِ خدمت ہونگا۔ آپ سے بڑی التجا یہی ہے کہ وہاں جاکر تصویریں تلاش فرمائیں۔

غالباً آپ کو بھی لکھ چکا ہوں کہ دو نسخے بعینہٖ رجسٹری آپ کے بھائی صاحب کی

خدمت میں بھیج دیئے ہیں۔ ۲۴۔ اگست کو روانہ کئے تھے۔ اب تک رسید نہیں آئی۔ معلوم نہیں کہ آبِ حیات حضور جناب عالی کے ملاحظہ سے بھی گذرا ہے یا نہیں اگر مناسب جانیں تو ذرّہ کو نظرِ خورشید تک پہنچا دیں۔ کسی قسم کی طلب یا امید نہیں ہے۔ فقط اتنی ہی خوشی مطلوب ہے جو ہر مصنف کو اپنے کلام کے پھیلانے میں ہوتی ہے۔

اِس خیال سے مبادا محروم الخدمت رہ جاؤں۔ یہ نیاز نامہ لکھ کر روانہ کرتا ہوں خیراندیش کے از بسیار کچھ باتیں تو آپ تک پہنچ جائیں +

آزاد

لاہور۔ بنگلہ ایوب شاہ

۱۲۔ ستمبر ۱۸۸۳ء

آنریبل پنڈت گوپال کرشن گوکھلے سی۔آئی۔ای۔ (جنکی تصویر اس ماہ کے مخزن کے لئے باعث زینت ہے) کا نامی نامی کسی مزید تعارف یا تعریف کا محتاج نہیں۔ آپکی زندگی کا مطالعہ ہندوستانیوں کے لئے الوالعزمیوں اور بلند حوصلگیوں کا ایک نہایت ہی مفید سبق اور قابل تقلید نمونہ پیش کرتا ہے۔ آپ ۱۸۶۶ء میں بمقام کولہاپور پیدا ہوئے اور ایف۔اے تک وہیں تعلیم پائی اور پھر بمبئی کے الفنسٹن کالج میں تحصیل علم کے لئے گئے۔ ریاضی میں آپ نے خصوصیت سے امتیاز حاصل کیا۔ آپ کے والدین چونکہ تعلیمی اخراجات کے زیادہ متحمل نہ ہو سکتے تھے اور آپ کو وظیفہ بھی نہ مل سکا تو مجبوراً فکرِ معاش میں آپ کو انجینیرنگ کالج پونا میں داخل ہونے کی کوشش کرنی پڑی۔ مگر وہاں بھی ناکام رہے۔ آپ نے ۱۸ برس کی عمر میں اشاعتِ تعلیم کے لئے اپنی زندگی کے بیس سال وقف کر دیئے۔ پولٹیکل خدمات کے سرانجام دینے میں آپنے ایک خاص ممتاز درجہ حاصل کیا۔ گورنمنٹ نے بھی وائسرائے کی کونسل کا ممبر مقرر کرکے آپکی خداداد قابلیت کا اعتراف کیا۔ گذشتہ سال انڈین نیشنل کانگریس کے آپ پریزیڈنٹ منتخب ہوئے اور اب آپ پھر اپنے ملک کی خدمت کے لئے انگلستان تشریف لے گئے ہیں +

جاپان اور اسکی حیرت انگیز ترقّی

(اشاعتِ گذشتہ سے آگے)

اس وقت کے بعد جاپان کی تاریخ ان اصُولوں کی تکمیل میں نہایت بلیغ کوششوں کی تاریخ ہے۔ اور اسی کے متعلق ہم اس واقعہ کا بھی ذکر کرنا چاہتے ہیں جو تاریخ اقوام میں اپنی نظیر آپ ہی ہے۔

یقین نہیں آتا اور یہ بات فطرتِ انسانی کے خلاف معلوم ہوتی ہے کہ اعیان و اُمرا کا ایک جم غفیر اپنی بڑی بڑی جاگیریں بڑے بڑے حقوق اپنی دولت اپنی حشمت خود اپنی مرضی سے شہنشاہ کے حوالے کردیں لیکن جاپانی اعیان و اُمرا نے ایسا ہی کیا۔ ایک میموریل جو کئی اُمرا نے دستخط کرکے دربارِ شاہی میں بھیجا اس کا مضمون تھا۔ "جس جگہ ہم رہتے ہیں شہنشاہ کی زمین ہے جو کھانا ہم کھاتے ہیں شہنشاہ کی رعایا کا پیدا کردہ ہے ہم اس کو کس طرح اپنی ملکیت بنا سکتے ہیں۔ ہم نہایت ادب سے اپنے مقبوضات اور اپنے ماتحتوں کی فہرست دربارِ شاہی میں داخل کرتے ہیں۔ ہماری درخواست ہے کہ شہنشاہ جس کو چاہیں انعام دیں جسکو چاہیں سزا دیں جس طرح چاہیں جاگیریں تقسیم کریں دیوانی فوجداری اور فوجی احکام سب دربار سے صادر کئے جائیں اور سب چھوٹے بڑے معاملات ملکی مرضیٔ شاہی کے مطابق طے کئے جائیں۔" چنانچہ ۱۸۷۱ء میں سلسلہ تعلقداران و جاگیرداران موقوف ہو گیا۔ قابلیت اور لیاقت کے اشخاص دربار میں اور ملکی خدمات پر رفتہ رفتہ مامور ہوتے گئے۔ ۱۸۹۹ء میں عہدنامہ جات پر نظرِ ثانی کی گئی اور جاپان کو دیگر طاقتوں سے ہمسری کا رتبہ حاصل ہوا۔

سنہ ۷۴ء میں فارموسا پر حملہ کرکے اُنکی بے اعتدالیوں کی سزا دیگئی۔ سنہ ۷۵ء میں رُوس سے جزیرۂ سکھالین میں سرحدی تنازعات فیصل ہوئے سنہ ۷۶ء میں کوریا کے ساتھ عہدنامہ کیا گیا سنہ ۹۰ء میں پارلیمنٹ قائم کی گئی اور پارلیمنٹ کے آئین قائم کرنے کے لئے آئیٹو ہیرو بومی کو یورپ بھیجا گیا سنہ ۸۵ء میں کیبنیٹ پریوی کونسل قائم کی گئی جنکا پریزیڈنٹ کونٹ آئیٹو مقرر کیا گیا۔ اور دیوانی اور فوجداری قوانین نہایت شائستگی کے ساتھ مدوّن کئے گئے۔ شہنشاہِ جاپان کو تخت سلطنت پر جلوہ گر ہوئے تین برس گذرے تھے کہ مارکوئیس آئیٹو کی وزارت کو فوجی اخراجات میں زیادتی کی وجہ سے شکست ہوئی اس موقعہ پر شہنشاہ نے یہ پیغام بھیجکر دقّت رفع کی کہ ہم نے حکم دیدیا ہے کہ ہمارے خانگی اخراجات میں تخفیف کیجائے تاکہ یہ تین لاکھ روپے سالانہ ملکی حفاظت کے لئے آئندہ چھ برس تک برابر صرف کئے جاسکیں نیز ہم نے حکم دیدیا ہے کہ ملازمانِ سرکار میں سے ہر ایک اپنی تنخواہوں کا دسواں حصّہ بحری اخراجات کے لئے دے۔ اِن ملکی مشکلوں کے حل کرنے کے لئے ہمیں اُمید ہے کہ آئین و قوانین کے مطابق ہمارے وزرا اور قائم مقام کوشش کرینگے اور ہم اپنی رعایا کے ہر متنفس سے اُمید رکھتے ہیں کہ وُہ بھی اس معاملہ میں اپنے فرائض کو انجام دیگا۔ اِس پیغام نے گویا تمام ملک میں ایک برقی حرکت کا کام کیا۔ سنہ ۹۴ء میں جاپان اور انگلستان اور دیگر طاقتوں میں عہدنامے ہوگئے ہیں جسکی رو سے ممالک غیر کو تجارت دی گئی مگر مقامی حکومت کے تمام حقوق اُن سے لے لیئے گئے۔ اور جاپان دُنیا کی بڑی بڑی خودمختار طاقتوں کے عقد ثریا میں نہائت آب و تاب کے ساتھ چمکنے لگا۔

سنہ ۹۴ء میں چین و جاپان کی لڑائی کے موقع پر اور اب دس برس پیچھے رُوس و جاپان کی لڑائی کے موقع پر جو جو کارہائے نمایاں جاپان نے دکھلائے ہیں اور دکھا رہا ہے۔ اُسکے اوّل درجہ کی طاقت ہونے کا بیّن ثبوت اور روشن دلیل ہیں۔ اِس حیرت انگیز

ترقی کی وجہ کونٹ اُکر مانے خود اس طرح ایک تقریر میں بیان کی ہے۔

اگر ہم تاریخ یورپ پر نظر ڈالینگے تو ہم کو ایک قاعدہ ترقی کا معلوم ہوگا جو مستثنیات سے بری ہے کوئی قوم خواہ اُس کے آئین اور طرز حکومت کچھ ہی ہو اُسی وقت تک بہبودی کی حالت میں رہ سکتی ہے کہ جب تک خیال انسانی کی عظیم الشان موجوں کے ساتھ ساتھ تیرتی جاتی ہے۔ بہاؤ سے الگ ہو کر چلنا یا مخالف سیل رواں جانیکی کوشش کرنا قومی بربادی کا باعث ہوتا ہے۔ ہماری قومی ترقی کی وجہ یہ ہے کہ ہم ابتدا سے اس اصول پر کاربند رہے ہیں جو ہمارے شہنشاہ المعظم نے قائم کیا ہے یعنی تمام روئے زمین میں علم تلاش کرنا اور ہر ملک سے اس کی خوبیاں اخذ کر لینا شائستگی اور تمدن کے معاملات میں اقوام زمانہ سے گوئے سبقت لیجانے کی کوشش کرنا یہی عروج جاپان کی وجہ ہے کسی مفید بات کی تقلید کرنے میں ہمیں پیش و پس نہیں۔ ترقی انسان کی موج کی طغیانی کے ساتھ ساتھ تیرنے میں ہم کبھی نہیں تھکتے اور کسی بُری رسم کے ترک کرنے میں خواہ کسی قدر نقصان اور خود نثاری درکار ہو کبھی دریغ نہیں کرتے معاملات ملکی میں قوم کے لوگوں کی رائے کی شنوائی ہوتی ہے۔ اس اصول کی بدولت جو اس علم سے روشن ہے جسکو ہم نے تمام زمانہ میں پھر کر حاصل کیا ہے ہمارے آئین اور طریقہ حکومت عدل اور عقل پر مبنی ہیں۔ قوم کی آزادی میں فرق نہیں آیا۔ تجارت اور تعلیم کے معاملات میں اصلاح کی گئی اور ہر قسم کی قومی زندگی آزادی کے ساتھ ترقی پکڑتی گئی گویا اس اصول کی بدولت جاپان کو ترقی انسانی کی سیل روانگی کے ساتھ ساتھ تیرنے میں بہت کچھ مدد ملی ہے۔ تیس برس سے زاید حکومت جاپانی نے تعلیمی معاملات میں نہایت توجہ اور جانفشانی سے کام لیا ہے اور پولٹیکل سوشل اور جنگی امور میں طالب العلموں کو بہترین تعلیم بکمال فیاضی کے ساتھ دی گئی ہے۔ اسی طرح صنعت حرفت تجارت اور زراعت میں بھی طالب علموں کو امداد دی گئی ہے۔ ہمارا ملک بین الاقوام تجارت

کے میدان میں بڑی بڑی طاقتوں کا حریف ہے۔ جاپانی صرف لڑنا ہی نہیں جانتے بلکہ زراعت تجارت اور صنعت و حرفت کے معاملے میں بھی دستگاہ کامل رکھتے ہیں گذشتہ تیس سال میں ملکی دولت چھ سات گنی زیادہ ہو گئی ہے۔ اور گذشتہ دس سال میں یعنی جنگ چین کے اختتام کے بعد آجتک ملکی دولت سہ گنی ہے۔ جاپان کی فتوحات جنگی اور بحری امور تک محدود نہیں ہے بلکہ اس بات سے کہ گذشتہ دس سال میں ملکی دولت تگنی ہو گئی ہے۔ یہ ثبوت ملتا ہے کہ جاپانی فتوحات ہر صیغہ میں جاری ہیں

جاپان کی مالی حالت کی نسبت اخبار ٹائمیز ٹلین سنچری میں لکھا ہے کہ جاپان کے منافع بخش ذرائع غیر ملک کے ساہوکاروں کے ہاتھ میں بالکل نہیں جیسا کہ اکثر نو ترقی یافتہ ممالک میں پایا جاتا ہے۔ بلکہ اس کے تمام بندرگاہ ریلیں بحری اور برقی کارخانے ٹیلیگراف ٹیلیفون دخانی انجن اور کانیں سب اہل ملک کے ہاتھ میں ہیں۔ جاپانی روپیہ سے یہ سب کام چلائے جاتے ہیں۔ اور باوجود اس کے جاپانی بنک سیونگ بنک۔ راہن کمپنیاں۔ بیمے کی کمپنیاں روز بروز روپیہ کی بھرمار سے مالدار ہوتی چلی جاتی ہیں سنہ ۱۹۰۲ء میں سات ہزار آٹھ سو سولہ ایسے کارخانہ تھے جن میں دخانی انجن کام کرتے تھے۔ اور دو ہزار نو سو اکانوے کارخانوں میں موٹر سے کام لیا جاتا تھا باقی ہاتھ سے کام کرنیکے کارخانے جدا تھے۔ قریبًا پانچ لاکھ کام کرنے والوں میں سے باسٹھ فیصدی عورتیں ہیں رکلیں لوکوموٹو انجن اور جہاز بنانے کے کارخانے موجود ہیں۔ کپڑا۔ ریشم۔ کاغذ۔ دیاسلائی۔ چٹائیاں۔ برتن اور وارنش وغیرہ بنانے میں جاپان اکثر ممالک سے گوئے سبقت لیگیا ہے اور کسی سے کم تو ہرگز نہیں۔ موجودہ جنگ سے جاپان کی تجارت میں بالکل فرق نہیں آیا بلکہ جس طرح جنگ چین ترقی تجارت کا باعث ہوئی تھی اسی طرح امید کیجاتی ہے کہ جنگ روس بھی موجب ترقی جاپان ہو۔

جاپان میں تعلیم موجودہ کی تاریخ سنہ ۶۸ سے شروع ہوتی ہے۔ ڈچ لوگونکو بکھکر

جاپان میں تعلیم مغربی کا شوق پیدا ہوا تھا چنانچہ ۱۸۶۸ء میں بمقام ٹوکیو ایک بورڈ آف ایجوکیشن قائم ہوا ۱۸۷۲ء میں نصاب تعلیم مرتب کیا گیا اُس وقت شہنشاہ نے اپنا منشا ان الفاظ میں ظاہر کیا کہ اس وقت سے ہمارا منشا یہ ہے کہ تعلیم اس قدر عام کر دی جائے کہ کوئی گاؤں ایسا نہ ملے جس میں ناخواندہ خاندان موجود ہو اور کوئی خاندان ایسا نہ ملے کہ جس میں ایک بھی ناخواندہ شخص نظر آئے - ممالک غیر میں تعلیم کے لئے پہلے بہت سے طالب علم جایا کرتے تھے - چنانچہ ۱۸۷۳ء میں دو سو پچاس طالب علم سرکاری خرچ پر تعلیم کی غرض سے ممالک غیر میں بھیجے گئے رفتہ رفتہ خود جاپان ہی میں ہر قسم کے تعلیمی ذرائع مہیا ہو گئے جو طالب علم غیر ملکوں سے علم و ہنر سیکھ کر آئے اُنہوں نے یہاں تک دستگاہ حاصل کی کہ خود تعلیم دینے لگے چنانچہ ۱۸۹۶ء میں صرف گیارہ طالب علموں کو غیر ممالک میں سرکاری خرچ پر بھیجنا کافی سمجھا گیا - اہل جاپان زیادہ تر اپنی مدد آپ کرنا چاہتے ہیں ممالک غیر کے دست نگر رہنا نہیں چاہتے - علوم و فنون کی تعلیم گاہوں میں بھی جہاں پہلے انگریز - امریکن - فرانسیسی یا جرمن پروفیسر ہوتے تھے - اب جاپانی پروفیسر ہوتے ہیں ۱۹۰۰ء میں اعلان کر دیا گیا ہے کہ تمام ابتدائی مدارس میں تعلیم بلا فیس دی جائیگی - اہل جاپان تعلیمی معاملات میں بہت دلچسپی لیتے ہیں اور دل کھول کر عطیے دیتے ہیں ۱۸۹۶ء میں سوا لاکھ پونڈ کے عطیات مدرسوں کو دیئے گئے - ایک برس میں چھبیس لاکھ ایکڑ زمین چودہ ہزار کتابیں بطور خود بخشش رعایا کی طرف سے وصول ہوئیں -

پہلے یہ دستور تھا کہ اگر کسی کے ہاں اولاد نرینہ نہ ہوتی تھی تو گھر میں حرم ڈال لیا کرتے تھے - اکثر خود بیبیاں ہی اپنے خاوندوں کو دوسری شادی کی ترغیب دیا کرتی تھیں لیکن ۱۸۸۰ء میں فرمان شاہی کی رو سے یہ اعلان کیا گیا کہ حرم کی اولاد جائز وارث نہ سمجھی جائیگی اور اس طرح سے یہ بری رسم اب قریباً معدوم ہو گئی ہے - جاپان کا طبی محکمہ

نہایت قابلیت کے ساتھ اپنے فرائض کو انجام دیتا ہے تھوڑا ہی عرصہ ہوا کہ ایک جاپانی طبی افسر نے ایک انگریز سے کہا کہ ہم بیماری کو بالکل نیست و نابود کر دینا چاہتے ہیں۔ روس بیس لاکھ فوج میدان کارزار میں جمع کر سکتا ہے اور ہم صرف پانچ لاکھ لیکن یہ بات سب جانتے ہیں کہ لڑائیوں کے موقعہ پر اگر ایک آدمی گولی سے مرتا ہے تو چار آدمی بیماری کی وجہ سے مر جاتے ہیں۔ روس کا اس جنگ میں یہی حال ہوگا۔ ہم نے ایسا انتظام کیا ہے کہ بیماری سے کوئی مرنے نہ پائے اور ہر ایک سپاہی میدان جنگ میں کام آئے پس ہم کو روس کی کثیر التعداد فوج سے کچھ بھی اندیشہ نہیں ہے اور ہم اُن سے کسی طرح کم نہیں۔ خواہ جاپانی افسر کا خیال آخر کار سچ نکلے یا غلط جو جو کارہائے نمایاں اس وقت تک جاپان دکھا چکا ہے۔ اُنکو مد نظر رکھ کر ہم یہ تو ضرور کہہ سکتے ہیں کہ شکست و فتح نصیبوں سے ہے۔

یکم جولائی سنہ ۱۹۰۴ء سے پہلے ایک ہزار زخمی ٹکایو کے ہسپتال میں داخل ہوئے۔ جن میں سے ایک آدمی بھی نہیں مرا۔ اہل جاپان کے خصائل اور عادات کے متعلق بعض باتیں بیان کرنی نہایت ضروری معلوم ہوتی ہیں۔

اوّل حب وطنی در اصل اہل جاپان کا مذہب حب الوطنی ہی ہے بادشاہ وقت کے ساتھ وفاداری اور ملک کے لئے جان نثاری ہر ایک جاپانی کا دین و ایمان ہر اہل جاپان کی نگاہ میں جان کی کچھ وقعت نہیں ہے گویا ہر وقت ہتھیلی پر سر رکھے ہوئے ہیں۔ نام پر جان دیتے ہیں۔ جہاز کیشو مارو جب گرفتار ہوا تو اُس پر جس قدر جاپانی افسر اور سپاہی وغیرہ تھے اُنہوں نے بے عزتی کے ساتھ مغلوب ہونے سے خودکشی کر نیکو ترجیح دی۔ دو ہزار ریزرو سٹ جنکو محکمہ طبی نے لڑائی کے ناقابل قرار دیدیا اُنہوں نے لڑائی میں جانے پر اصرار کیا ورنہ خود اپنے تئیں ہلاک کر دینا چاہا۔ بہت سی بیبیوں اور بچوں نے اپنی جانیں اس لئے کھوئیں کہ اُن کے مرد جنگ میں جانے سے

باز نہیں۔ پورٹ آرتھر کے دہانے کے قریب جب جہازوں کو ڈبونے کی تدبیر کی گئی تو بہت سے ملاحوں نے عرضداشت کی کہ ڈبونے کی ڈیوٹی اُن کے سپرد کیجائے اور اُنہوں نے اپنی انگلیاں کاٹ کر اس عرضی پر اپنے خون سے مہریں لگائیں۔ دنیا میں شاید پُرجوش لوگ اور بھی ہو گئے مگر ایسے لوگ جن کا جوش اپنے غور و فکر کا نتیجہ ہوتا ہے اور سوچ بچارنے کے بعد بھی قائم رہتا ہے۔ شاید کہیں نہ ہیں۔

اسی لڑائی کے موقعہ پر جب امیر البحر ٹوگو کے ایک ملاح نے نہایت بہادری کے ساتھ اپنی جان نثار کی تو سرکار کی طرف سے اس کے والدین کو پنشن مرحمت ہوئی مگر اُنہوں نے پنشن لینے سے اس بنا پر انکار کر دیا کہ بجائے کسی رنج کے، ہم کو تو خوشی ہوئی ہے اور افتخار حاصل ہوا ہے کہ ہمارا بیٹا ملک کے کام آیا۔ جب ایک کروڑ پونڈ کا قرضہ سرکار نے لیا تو بہت سے لوگوں نے سو پونڈ کے نوٹ کی بجائے ایک سو بیس پونڈ دینے پر اصرار کیا۔ بہت سے بنک اس بات پر ناراض ہوئے کہ سارا قرضہ انہیں سے کیوں نہیں لیا گیا۔ یہ تو یہ ایک مجرم نے جو پھانسی دیئے جانے کو تھا اپنے آخری وقت کی خوراک وار فنڈ کو دیدی۔ مدرسہ کے لڑکے وار آفس میں عرضیوں پر عرضیاں دیتے جاتے ہیں کہ ہم کو کسی نہ کسی خدمت پر لڑائی میں بھیجا جائے۔ اِن عرضیوں پر خون سے دستخط کرتے ہیں اور یہ کوئی غیر معمولی بات خیال نہیں کی جاتی۔

ڈاکٹر کاوا مورا چین کی لڑائی کے موقعہ پر نہایت زخمی ہو گیا تھا ایک سپاہی نے اسکو اٹھا کر لیجانا چاہا جب ڈاکٹر کو ہوش آیا تو پوچھا کہ کیا تم توپ پر متعین ہو اُس نے کہا ہاں۔ ڈاکٹر نے کہا کہ جاؤ مجھ کو نہیں چھوڑو اور فوراً اپنے کام پر حاضر ہو اُس نے کہا کہ میری توپ بیکار ہو گئی ہے ڈاکٹر نے کہا کہ اس صورت میں تم کو کسی دوسری توپ پر جانا چاہئے۔ زخمیوں کو اُٹھانا تمہارا کام نہیں ہے۔

تھوڑی دیر بعد وہ لوگ آئے جنکا فرض زخمیوں کا اٹھانا تھا اور ڈاکٹر کو اٹھا کر

ہسپتال لیگئے۔ وہاں پہنچکر ڈاکٹر نے پانی کی ایک ٹب منگائی اپنے زخمی پاؤں اُس میں ڈال دیئے اور ہسپتال کے دیگر زخمیوں کے علاج میں ایسے اطمینان کے ساتھ مصروف ہوگیا گویا زخمی ہی نہ تھا۔

سرجن یوسو کی ہروشی کو جب اُس کی خدمات کا انعام دینے لگے تو اُس سے پوچھا کہ تم کیا چاہتے ہو اُس نے جواب دیا کہ مجھے دو برس کے واسطے لندن سینٹ ٹامس کے ہسپتال میں بھیجدیا جائے کہ مَیں وہاں تجربہ حاصل کرکے مُلک کی بہتر خدمت کرسکوں

ایک بوڑھیا کے جب اپنے دو بیٹوں کے لڑائی میں کھیت رہنے کی خبر ملی تو اُس نے آہ تک بھی نہ کی لیکن جب اس کے تیسرے بیٹے کے مرنیکی خبر آئی تو رو پڑی لوگوں نے سبب پُوچھا تو جواب دیا کہ میرے رونے کی وجہ یہ ہے کہ میرا اب کوئی بیٹا نہ رہا کہ جو مُلک اور شہنشاہ پر نثار ہوسکے۔ جاپانی وقت کے بڑے پابند ہیں۔

چنانچہ مسٹر آرتھر ڈیوسی اپنی نایاب کتاب نیو فار ایسٹ میں جاپانی بحری مُلازمان کا دیگر ممالک کے ملاحوں سے مقابلہ کرتے ہیں اور اُن کی رائے ہے کہ پابندی وقت چال چلن اور حُسنِ انتظام کے لحاظ سے جاپانی جہازوں کو دیگر طاقتوں کے جہازوں سے بہت کچھ امتیاز حاصل ہے۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ جس سرعت کے ساتھ جاپان ترقی کر رہا ہے وہ ایسی حیرت انگیز ہے کہ یورپین طاقتوں کو اندیشہ پیدا ہوگیا ہے کہ کہیں زمانہ پھر پلٹا نہ کھائے اور یہ نئی مشرقی طاقت یورپ کی شائستگی کو مغلوب نہ کرلے۔ چنانچہ سنہ ۹۵ء میں شہنشاہ جرمن نے ایک تصویر کھچوا کر شہنشاہ رُوس کی خدمت میں بھیجی اور اس کے نیچے یلو پرل (یعنی خطرۂ اقوام زرد رنگ) لکھا۔ اس تصویر میں ایک اُونچی چٹان پر فرشتہ میکائیل کھڑا ہُوا ہے۔ جس کے ہاتھ میں تیغ شرر افشاں ہے یہ فرشتہ بہت سی خواتین کو نصیحت کر رہا ہے اور اس خطرے سے آگاہ کر رہا ہے جو ایک دریا کی طرف سے بولوی کے راستہ سے آرہا ہے۔

اسی تصویر میں بائیں طرف خطرہ کی تصویر اس طرح کھینچی ہے کہ آتشیں جلال کے ساتھ بادلوں کے طوفان میں سے نکل کر جو ایک شہر کے جلنے سے پیدا ہو رہے ہیں۔ ایک اژدہا پر سوار ایک زرد رنگ کا پست قد شخص بڑھا آرہا ہے تعجب ہے کہ خطرہ کی شکل کو ہیبت ناک نہیں بنایا ہے بلکہ آلتی پالتی مارے ایک سادھو کی طرح گیان دھیان میں بیٹھا ہے۔ اگر غور سے دیکھا جائے تو یورپ کو جاپان سے اس قسم کا کوئی خطرہ نہیں ہے۔ جسکا ملو پیرال میں اشارہ ہے۔ دراصل خطرہ وہ ہے جسکا نقشہ میونو ٹایسن ایک جاپانی مصور نے کھینچا ہے۔ اس تصویر میں بہت سے کارخانے دکھائے ہیں جہاں بے انتہا لوگ غالباً اہل چین ۲۴ میں سے ۱۵ گھنٹہ لگاتار کام کر رہے ہیں۔ ان کے مقابلہ میں مغربی اجیر جو ہمیشہ زیادہ مزدوری طلب کرتے ہیں اور کم وقت کام کرنا چاہتے ہیں کہاں ٹھہر سکتے ہیں۔ چین کے لکھوکھا باشندے جن میں سے ہر ایک صوفی منش کفایت شعار ذہین و ہنرور ہوتا ہے اور جو خوش خوش لگاتار محنت کرنیکا عادی ہے جو اس قدر کم مزدوری طلب کرتا ہے کہ جس میں ایک مغربی اجیر اپنا گذارہ بھی نہ کر سکے مغربی اجیروں کو مشکل میں ڈالدینگے۔ جاپان کے اثر سے چین بھی اب کچھ جاگ اٹھا ہے اور ممکن ہے کہ چین اور جاپان کی ترقی کا اثر ہندوستان میں کچھ رنگ دکھائے۔ مگر ہندوستان اسی صورت میں ترقی کر سکتا ہے جب اُن سبقوں کو سیکھے جو جاپان کی تاریخ ہم کو سکھا رہی ہے۔ سوامی وویکانند نے جاپان جاکر ایک خط لکھا تھا جو اکثر اخباروں میں شائع ہو چکا ہے۔ اس سے اقتباس کرنا اس جگہ نامناسب نہ ہوگا۔

"میری خواہش ہے کہ ہمارے بہت سے نوجوان جو اب تک ہندوستان کو ہی تمام اچھائیوں کا مرکز سمجھتے ہیں ہر سال جاپان آیا کریں تم ہندوستانیوں کی ہستی ہی کیا ہے۔ تم ہو کیا چیز۔ تمام عمر باتیں کرنے میں کھو دیتے ہو یاوہ گو لوگ۔ تم ہو کیا

چیز۔ آؤ اور ان لوگوں کو دیکھو اور جاکر اپنے منہہ شرم سے اپنے دامن میں چھپاؤ۔ تم سب کے سب فضول اور مسلوب العقل ہو گھر سے باہر نکلنے میں تمہاری ذات جاتی ہے ایک ہزار برس سے جہالت کی تاریکی میں پڑے ہو۔ ایک ہزار برس سے اپنی طاقتیں کھانے پینے کی چھوت پر بحث کرنے میں ضائع کر رہے ہو۔

صدیوں کے سوشل مظالم سے انسانیت کا مادہ تم میں سے جاتا رہا ہے۔ سوچو تو سہی کہ تم جو کیا اور کر کیا رہے ہو۔ سمندر کے ساحلوں پر کتابیں ہاتھ میں لئے چہل قدمی کر رہے ہو۔ اہل یورپ کے دماغی نتائج کے پریشان فقرے بغیر سمجھے زبان سے کہتے ہو اور تمام کوشش صرف اتنی بات تک محدود ہیں کہ تیس روپیہ کی کلرکی ملجائے یا وکیل بن جاؤ جو آجکل ہندوستانی نوجوانوں کی سب سے بڑی خواہش ہے۔ کیا سمندر میں کافی پانی نہیں ہے کہ تم سب کو تمہاری کتابوں کو اور تمہاری یونیورسٹی کے چوغوں اور تمغوں کو ڈبو سکے۔ آؤ۔ مرد بنو اپنے تنگ سوراخوں میں سے نکلو اور دنیا کو دیکھو۔ دیکھو اور قومیں کس طرح ترقی میں آگے بڑھی جا رہی ہیں۔ کیا تم میں اپنی نوع کی محبت موجود ہے۔ کیا تم میں اپنے ملک کی محبت موجود ہے اگر ہے تو آؤ ہم ملکر اعلیٰ اور بہتر چیزوں کے حصول کے لئے کشمکش کریں۔ پیچھے مڑکر نہ دیکھو خواہ تمہارے عزیزوں اور قرابتیوں کے رونے اور چلانے کی آوازیں تمہارے کان میں آئیں پیچھے نہیں آگے ہی آگے دیکھو ہندوستان کو ضرورت یہ ہے کہ کم از کم ایک ہزار نوجوان قربانی کے لئے تیار ہوں مگر وہ مدہوں حیوان نہ ہوں۔ سرکار انگریزی خدا نے تمہاری جہالت دور کرنے کے لئے بھیجی ہے اور مدراس نے سب سے پہلے انکو جگہ دی۔ اب مدراس کس قدر آدمی پیدا کرسکتا ہے جو خود غرض نہ ہوں اپنا فرض پوری طرح انجام دیسکیں جو ایک نیا رنگ پیدا کرنے غریبوں کے ساتھ ہمدردی کرنے بھوکوں کے لئے خوراک مہیا کرنے اور عوام الناس کو نئی روشنی پہنچانے کے لئے کوشش کرنے میں جان تک دیدیں اور ان لوگوں کو جو اپنے بزرگوں کے مظالم کی وجہ سے درجہ انسانی سے گر کر حیوان بنگئے ہیں پھر انسان بنادیں

غرب افریقہ

گو سفر آج کل عام چیز ہو چلا ہے۔ تاہم ہندوستان میں بہت کم لوگ ایسے ہونگے جنھوں نے مغربی افریقہ کا عزم کیا ہو۔ کیونکہ علاوہ بُعد المشرقین کے مغربی افریقہ آب و ہوا کے لحاظ سے ناقص خیال کیا جاتا ہے۔ محض سیر و سیاحت کے لیے کوئی وہاں کیوں جانے لگا۔ مگر روزی عجب چیز ہے۔ حال میں ہمارے چند باہمت پنجابی بھائیوں نے وہاں سرکار انگریزی کی ملازمت کے سلسلے میں جانا قبول کیا اُن کی جماعت انگلستان سے ہوکر افریقہ گئی ہے۔ اس جماعت میں مخزن کے ایک پُرانے خیر خواہ سید حاکم شاہ صاحب ہیں۔ اُن کا پہلا خط جو مقام سرا لیون سے ۱۴ - مارچ کو لکھا ہوا ہے۔ ہدیۂ ناظرین ہے۔ اُمید کہ اُنکی بدولت اس نئے علاقے کے جو دن بدن آباد ہوتا جاتا ہے۔ حالات ہندوستان تک پہنچتے رہینگے۔ تاکہ اگر یہ جماعت وہاں کی آب وہوا عموماً موافق پائے تو اور لوگوں کو ہمت دلانے اور تشویق کے لئے یہ تحریریں مفید ثابت ہوں :۔

۳ - مارچ ۱۹۰۶ء کو ہمارا جہاز لورپول سے روانہ ہوا۔ رستہ جہاز کا چونکہ خلیج بسکے کے ساتھ ساتھ تھا اور خلیج مذکور کے تلاطم کی شہرت عام ہے۔ اس لئے جہاز لہروں سے متاثر ہوتا چلا آیا اور ناتجربہ کار مسافروں کو ایک گونہ تکلیف محسوس ہوئی۔ مگر بسکے کے چکر سے نکلکر سمندر بالکل ساکن رہا۔ ۹ - مارچ کو ابھی آٹھ بھی بجنے نہ پائے تھے کہ جہاز نے لاس پامہ کے بندرگاہ میں آلنگر ڈالا۔ خشکی پر اُترنے کے شوق نے ہم سب کو سخت بیقرار کر رکھا تھا۔ مگر دس بجے تک اُترنا نہ ہوسکا۔ آخر دس بجے اُتر کر بذریعہ ایک بجرے کے کنارے پر پہنچے۔ وہاں سے ٹریموے میں سوار ہوکر لاس پامہ

میں جا داخل ہوئے۔ یہاں کے راستے وغیرہ دیکھ کر وطن یاد آگیا۔ دیر سے گرد کا نشان نہیں دیکھا تھا مگر اس مقام پر گرد اڑ اڑ کر آنکھوں میں پڑنے لگی۔ سڑکوں کا انتظام خاطر خواہ نہیں ہے۔ یہاں کی آب وہوا اچھی ہے نہ زیادہ سردی نہ زیادہ گرمی۔ انگلستان سے بہت لوگ یہاں موسم سرما میں چلے آتے ہیں۔ سردی سے بھی بچ جاتے ہیں اور ایک نئی جگہ کی سیر بھی ہو جاتی ہے۔

شہر لاس پامہ کنیری کا مشہور شہر ہے۔ شہر کی عمارات اچھی ہیں۔ بازار بھی تنگ نہیں ہیں۔ لاس پامہ جزیرے کے شمال مغرب میں واقع ہے۔ نہایت پُرفضا مقام ہے۔ قدرتی مناظر اور جائے وقوع کے لحاظ سے یہ مقام بہت اچھا ہے۔ البتہ قدرت نے یہاں کے باشندوں پر ایسی عنایت نہیں کی جیسی یہاں کی سرسبزی سے توقع تھی۔ یہاں کے لوگ گو ایسے بدصورت نہیں ہیں لیکن خوبصورتی سے بھی دور ہیں۔

اس جزیرے کی زمین بہت زرخیز ہے۔ ہر قسم کی پیداوار یہاں ہوتی ہے۔ علاوہ اور چیزوں کے گنا بھی یہاں پیدا ہوتا ہے اور اچھا شیریں ہے۔ مغربی شہروں کی طرح ایک مارکیٹ بنی ہوئی ہے۔ جہاں کل اشیائے خوردنی فروخت ہوتی ہیں۔ یہاں کے لوگ اخلاق میں بھی اچھے نہیں۔ بلکہ کج خلقی تک پہنچے ہوئے ہیں۔ گورنمنٹ کا انتظام بحیثیت مجموعی خاصہ ہے۔ یہ جزائر زیرِ حکومت ہسپانیہ ہیں۔ چیزیں یہاں ہندوستان کی نسبت بہت گراں ہیں۔ مگر بہ نسبت یورپ یا انگلستان کے یہاں ارزانی ہی سمجھنی چاہیئے۔ یہاں کوئی چیز انسانی صنعت کی قابلِ دید نظر نہ آئی۔ ایک عجائب خانہ تھا۔ لیکن وہ شاید اس لئے عجیب ہے کہ اُس میں کچھ بھی نہیں۔ سب سے بہتر عمارت اس شہر میں ایک گرجے کی ہے۔ یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ چند دکانیں اہل ہند کی بھی ہیں۔ جو بمبئی کے رہنے والے ہیں لیکن وہ بدنظمی کی شکائیت کرتے ہیں۔ یہ لوگ اس جگہ غنیمت معلوم ہوئے اور اُسوقت بڑی

خوشی ہوئی۔ جب اُنہوں نے اپنی اُردو میں پُوچھا کہ آپ پنجاب کے رہنے والے ہیں۔ اس پامہ میں نہ کوئی ہماری زبان سمجھتا تھا۔ نہ ہم کسی کی۔ دونو طرف گُنگ۔ سفر میں یہ موقعہ بھی عجیب پڑتا ہے کہ طرفین کو خدا کے ہاں سے زبان دی گئی ہے۔ مگر اختلافِ زبان کے سبب سامنے کھڑے ایک دُوسرے کا مُنہہ دیکھ رہے ہیں گویا حیوانِ ناطق ہی نہیں ہیں۔

جزائر کینری کے باشندے معلوم ہوتا ہے کہ پیدا تو شرقی کیے گئے تھے مگر مغرب نے بزورِ بازو انکو اپنی طرف کھینچ لیا ہے۔ مردوں کا لباس یورپ کا لباس ہے اور عورتوں کا بھی علیٰ ہذا القیاس۔ لیکن ایک شرقی امتیاز اب تک باقی ہے کہ یہاں کی عورتیں سر پر کپڑا لیتی ہیں اور رنگ و روغن میں بھی مغربی عورتوں سے تمیز ہو سکتی ہیں۔

اس پامہ کی سیر میں تقریباً چار گھنٹے صرف ہوئے جی تو چاہتا تھا کہ چند روز آدمی یہاں اقامت کرے مگر باگ دُوسرے کے ہاتھ میں تھی۔ تین بجے واپس جہاز میں آ گئے اور چار بجے جہاز نے لنگر اُٹھایا۔ جزائر کینری سے چلکر سفر نہایت آرام سے ہوا ہے۔ سمندر کہیں متلاطم نہیں ملا۔ پرسوں راس ورد کے سامنے جہاز پہنچا۔ یہ راس سنی گمبیا کے مشرق میں ہے جغرافیہ میں تو راس کی تعریف سب نے پڑھی ہوئی ہے اور نقشہ پر بھی نوکدار سی چیز دیکھی ہوئی ہے مگر آنکھ سے اصل راس کو دیکھنا بلکل مختلف ہے۔ یہاں دیسی لوگ کشتیوں پر سوار ماہی گیری کر رہے تھے۔ یہ کشتیاں خوبصورت بنی ہوئی تھیں اور جب اُن کے سوار ہمارے نزدیک آئے تو اشارے سے سلام کیا۔ ان لوگوں کے لباس سے ظاہر ہوتا تھا کہ تمدن سے خارج نہیں ہیں۔ بعض مقامات پر یُوں ہوا کہ یک لخت بڑی بڑی مچھلیاں پانی سے نکلکر جہاز کے ساتھ ساتھ چھلانگیں مارنے لگیں۔ ایسا دکھائی دیتا تھا کہ گھوڑ میں مقابلہ کر رہی ہیں۔ اور ایک دُوسری سے بڑھنا چاہتی ہیں۔ اِنکے بدن کی صفائی۔ انکی پُھرتی اور وہ سہولت جس سے وُہ اِدھر اُدھر حرکت کرتی تھیں۔ نہایت دلکش و خوش کن تماشا تھا +

زندۂ جاوید پھول

ناظرین! بچپن میں میں پھولوں کا بڑا شوقین تھا۔ مگر بدقسمتی سے گھر کے صحن کے آگے پھولوں کا کوئی تختہ یا چھوٹا سا کنج نہ تھا جس سے میں اپنی ننھی سی تفریح کو تر و تازہ رکھتا۔ یہ ایک ناخوشگواری تھی جو مجھ کو ہر وقت مغموم اور افسردہ خاطر بنائے رہتی تھی۔ ننھی سی جان۔ اور پھولوں کا ارمان۔ اتنی جرأت کہاں کہ خود بازار جا کر گل فروشوں کی دوکان سے پھول مول لاؤں اور ان سے اپنا دل بہلاؤں۔ علاوہ اس کے باپ کی شفقت۔ ماں کی محبت اپنے صغیر سن بچے کو گھر سے تنہا باہر نکلنے کی بھلا کب اجازت دے سکتی تھی۔ مجھے کسی خاص قسم کے پھولوں سے رغبت نہ تھی۔ بلکہ میرا تعشق اُن کے ساتھ عام تھا۔ میرا دل جیسا چنبیلی کی نرم و نازک نکیلی کلیوں سے مانوس تھا ویسے ہی مجھے گلاب کی ننھی ننھی خوشنما پنکھڑیوں سے بھی محبت تھی۔ میں نہ صرف پھولوں کو دیکھنے کا ہی شائق تھا۔ بلکہ میرے دماغ کو بھی انکی بُو سے ایک فطرتی مناسبت تھی۔ خوش قسمتی سے میرے ہمسایہ میں دو چار مالنیں بھی رہتی تھیں جو میری ماں کو کبھی کبھی پھولوں کے ہار اور گلدستے بنا کر دیجایا کرتی تھیں۔ میں انکو دیکھ کر بے اختیار باغ باغ ہو جاتا۔ اور مارے خوشی کے جامہ میں پھولا نہ سماتا۔ اور انکو لیکر اچھلتا کودتا ماں کی نظر بچا گھر سے باہر نکل جاتا اور اپنے ہم سن لڑکوں کے ساتھ بڑے شوق سے گلیوں میں کھیلا کرتا۔ بدنصیبی سے اگر میرے ساتھ کے کھیلاریوں میں سے کوئی شریر بچہ میرے ہاتھ سے انکو چھین لیتا۔ تو میرے نازک دل کو سخت صدمہ پہنچتا اور میں نہایت آزردہ دلی اور مایوسی کے ساتھ روتا چیختا گھر کو واپس آتا۔ میری ماں مجھ پر بڑی شفیق تھی۔ مجھ کو غمگین اور مضطرب پاکر بازار سے پھولوں کے ہار فوراً منگوا دیتی اور میں انکو لے کر پھر اپنے چھوٹے چھوٹے رفیقوں

کے ساتھ کھیل میں مشغول ہو جاتا۔ مگر۔ آہ! یہ چھوٹا سا مشغلہ اس قابل نہ تھا جس سے میں اپنے شوق کی پیاس کو جی بھر کر بُجھا سکتا۔ کیونکہ مجھ کو تو اس بات کی دُھن تھی کہ سوتے جاگتے۔ اُٹھتے بیٹھتے۔ ہر وقت پھولوں کا ایک ترو تازہ چمن میری آنکھوں کے سامنے رہے حقیقت تو یہ ہے کہ میں کسی لمحہ اور کسی ساعت بھی انکو اپنی نگاہ سے جُدا کرنا نہ چاہتا تھا۔ اور مجھے اُن کی مفارقت نہایت ہی شاق اور ناگوار تھی۔ شفیق باپ نے جب اپنے کمسن نونہال کو اوائل ہی سے پھولوں کا بے طرح شیدا پایا تو گملوں کے کتنے ہی چھوٹے چھوٹے پودے لاکر صحن میں لگا دیئے۔ جن میں کچھ دنوں بعد شگفتہ پھول آنے لگے۔ مگر اُن سے میری سیری نہ ہوئی۔ کیونکہ اُن کی بہار دیرپا اور مستقل نہ تھی۔ وہ بہت جلد کملا جاتے تھے۔ مئی کی چلچلاتی ہوئی دوپہر کی ناقابل برداشت دھوپ۔ اور بادِ سموم کے تند تند جھونکے۔ یہ دو ایسے قوی اسباب تھے جو بہت جلد اُن کے مسکراتے ہوئے چہروں کو پژمُردہ کر دیتے تھے۔ اور وہ اپنے ننھے ننھے ہاتھ پاؤں سکوڑ کر یاس کے عالم میں ہمیشہ کے لئے سرنگوں ہو جاتے۔ مجھ کو یہ گوارا نہ تھا کہ نیچر اس چھوٹی سی غیر ذی رُوح معصوم مخلوق کے ساتھ ایسا بُرا برتاؤ کرے۔ اور میری تفریح کے مشغلے میں مخل ہو۔ اس خیال سے میں اَور بھی رنجیدہ خاطر رہنے لگا۔ اور مجھ کو اب پھولوں کے کسی ایسے زندہ جاوید تختہ کی تلاش ہوئی جس کی بہار ہمیشہ میری آنکھوں کے سامنے ترو تازہ رہے۔ اور جس کی شگفتگی پر بے رحم زمانہ کا غاصب ہاتھ اثر نہ کر سکے۔ مہربان باپ نے جب دیکھا کہ ننھا بچہ ہر وقت ملول و اداس رہتا ہے اور باوجود ان دلچسپ قدرتی مشاغل کے اُس کا سودا روز بروز بڑھتا جاتا ہے تو میری دلبستگی کے لئے مختلف قسم کے سامان مہیا کئے۔ شہر کے بساطیوں کی دوکانوں سے کتنے ہی رنگ برنگے گلدستے اور انواع و اقسام کے گلدان منگوا کر میرے کمرے میں جا بجا آویزاں کر دیئے۔ میری چھوٹی سی میز کو مختلف قسم کے گل بوٹوں سے سجایا۔

میری ماں بھی حتی الامکان میری دلجوئی میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کرتی تھی۔ کبھی میرے دل بہلانے کے لئے میری قبا کے دامن پر گلاب کا کوئی خوشنما پھول کاڑھتی۔ کبھی کاغذ کے گل بوٹے تراش تراش کر میرا دل اُن سے بہلاتی۔ مگر مجھ کو اُن کی ذرا بھی پروا نہ تھی۔ میرے تقاضائے شوق کا دائرہ خدانخواستہ ایسا تنگ اور کوتاہ نہ تھا۔ جس کو چند انسانی صنعت کے تراشے ہوئے مصنوعی پھول اپنے اوچھے دامن میں ڈھانک لیتے مجھ کو تو کچھ سودا ہی اور تھا۔ پھر بھلا ایسے پوچ و لچر ناچیز مشاغل کا میرے دل پر کیا اثر ہو سکتا تھا۔ قطع نظر اسکے مجھ کو ابتدا ہی سے تصنع سے نفرت تھی اور میرے دل و دماغ فطرتاً مصنوعی اشیا کی بیرونی نمود اور ظاہری زرق برق سے سخت متنفر تھے۔ میں تو نیچر کے کام ایسے دلکش۔ مگر مستقل نظارہ کا ہوا خواہ تھا جو ہمیشہ میری آنکھوں کے سامنے رہتے۔ بالجملہ اب مجھ کو بقا کے پھولوں کی جستجو تھی۔ مگر ایسے زندہ جاوید پھولوں کا ایک فانی کے لئے ہاتھ آنا اور وہ بھی علی الخصوص اس ناپایدار دنیا میں جو بجائے خود فنا کا مرکز ہے اور جس میں ایک ایک منٹ پر مادی اشیا کی ہیئت اور اُن کے اجزا کی ترکیب و ساخت میں بیشمار تبدیلیاں واقع ہوتی ہیں کوئی آسان بات نہ تھی۔ آپ جانتے ہیں چھوٹے بچے کا شوق بُرا ہوتا ہے اور پھر اُس پر ناکامی۔ یہ ایک ایسا نکیلا کانٹا تھا جو ہر وقت نشتر بنکر میرے جگر میں کھٹکا کرتا اور مجھ کو کسی پہلو چین نہ لینے دیتا تھا۔ میں اپنی کامیابی کے لئے کتنے ہی خیالی منصوبے باندھا کرتا اور میرے ننھے سے دماغ میں مختلف خیال گونجتے رہتے تھے۔ مگر بے سود۔ قصہ مختصر کمبخت شوق کی ناکامی بلائے بے درمان سی بنکر کچھ ایسی پیچھے پڑی کہ تھوڑے ہی دنوں میں چھوٹے بچے کو بستر علالت پر لٹا دیا۔ میرے رخساروں کی سُرخی جاتی رہی۔ ذرا سا منہ نکل آیا۔ اور اس غم میں گھل کر تابوت سے بدتر ہو گیا۔ میرے والدین نے بیفائدہ میری تسلی اور تشفی کی کوشش کی۔ نہ کہیں سے مجھ کو زندہ جاوید پھول

ہاتھ آئے۔ نہ میرے قلب ناشکیب کو تسکین ہوئی۔ میرا سودا نہ گیا پر نہ گیا۔
ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ میں شام کے وقت اپنی خوابگاہ میں ایک بانکی سی مسہری پر بیٹھا تھا۔ میری دایہ آہستہ آہستہ پنکھا جھلتی جاتی تھی۔ قریب ہی ایک چھوٹی سی میز پر گلاب کے پھولوں سے گلدستے گلدانوں میں رکھے تھے۔ جو اپنی دلآویزی سے ایک برقی کشش کے ساتھ بے اختیار دل کو اپنی طرف کھینچ رہے تھے مگر میرا دل اب اُن سے بالکل ہٹ گیا تھا۔ کیونکہ مجھ پر اُن کی بے ثباتی کی حقیقت پہلے ہی کھل چکی تھی۔ اور اُن کے دھوپ میں کملا جانے والے نشتروں سے اُنکی ناپائداری کا سبق سیکھ چکا تھا مجھ کو یقین ہو گیا تھا کہ ان کا ظاہری حسن محض ایک دھوکے کی ٹٹی ہے۔ اور کسی بازیگر کے تماشے سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا۔ ممکن تھا کہ وہ اپنی خداداد خوبصورتی اور پاکیزگی سے کسی اور کم سن بھولے بھالے بچے یا کسی شوقین نوجوان کے دل پر جو میری طرح زندہ جاوید پھولوں کا جویا نہ ہوتا تھوڑی دیر کے لئے اپنا قبضہ کر لیتے۔ مگر میرے دل میں تو اب اُنکی ذرا بھی قدر و منزلت نہ تھی اور اُنکو نہایت حقارت اور حسرت کی نگاہ سے دیکھتا تھا۔ میں اُنکی بے ثبات ہستی کا خیال کر کے اُنکی قسمت پر افسوس کر رہا تھا کہ اتنے میں میری آنکھ لگ گئی۔ دیکھتا کیا ہوں کہ شہر سے کچھ فاصلے پر کسی پُر فضا وادی کے دامن میں ایک آبشار بڑی دلفریبی کے ساتھ بہ رہا ہے۔ پانی کی صاف شفاف ہموار سطح پر کتنے ہی کنول کے پھول شگفتہ ہیں۔ جن پر آفتاب کی ہلکی ہلکی کرنیں بڑی نظر فریبی کے ساتھ اپنا نورانی عکس ڈال رہی ہیں۔ پھر آنکھ اٹھا کر غور سے جو دیکھا تو اُنکی نرم و نازک لچکدار ٹہنیوں پر کتنے ہی پانی کے سانپ لپٹے نظر آئے جنکی پیٹھ پر رنگ برنگے خوشنما داغ اور چتّیاں پڑی تھیں۔ اور جو دیکھنے میں بہت ہی بھلے لگتے تھے۔ یہ خدا کی مخلوق ایسی چھوٹی تھی کہ ایک غائر نگاہ بھی اسکو بدقت محسوس کر سکتی تھی۔ ابتدا

کی ایک جانب تماشائیوں کا جمِ غفیر نظر آتا تھا اور دوسری جانب ایک سُہانا خوشگوار کُنج آنکھوں کے سامنے تھا۔ جس کا نظارہ بے اختیار دل پر سحر و افسوں کا کام کرتا تھا اور جس میں رنگارنگ پھول کھل رہے تھے جن کے تر و تازہ اور شگفتہ چہرے دیکھنے والوں کو دُور سے اشارے کر رہے تھے کہ انکی اچھوتی صباحت اور قدرتی نفاست کو کبھی زمانہ نے ہاتھ نہیں لگایا ہے۔ اور اُن کا دامن رنگ انقلاب کے بدنما دھبّوں سے بے لوث ہے جیسا کسی معصوم بچّے کا دِل دُنیا کی نجاست اور معصیت کے رنگ سے پاک و صاف ہوتا ہے۔ مجھ کو ایسے خوبصورت پھول دیکھنے کا اس سے پہلے کبھی اتفاق نہ ہوا تھا۔ اُنکی بہار آنکھوں کو بہت ہی بھلی لگی۔ اور مجھ کو یقین ہوگیا کہ جن پھولوں کی مجھ کو تلاش تھی وُہ غالباً یہی ہیں۔ میں اُن کی طرف ٹکٹکی باندھے بڑے شوق سے دیکھ رہا تھا مگر ان کا ہاتھ آنا غیر ممکن تھا۔ کیونکہ وُہ مجھ سے بہت دُور تھے اور بیچ میں پانی کی دیوار حائل تھی۔ اِس چھوٹے سے کُنج میں کتنے ہی سبز پوش خضر صُورت بزرگوار بھی ٹہل رہے تھے جن کے سروں پر پھولوں کی خوشنما کلغیاں اور طُرّے لٹکتے تھے۔ اور جن کے مقدس نورانی چہرے روحانی نیکیوں کی صیقل سے مجلّیٰ نظر آتے تھے۔ ان کے متین اور سنجیدہ قدموں کی رفتار اس بات کی بیّن دلیل تھی۔ کہ اُنہوں نے اعلیٰ درجہ کی عاقلانہ احتیاط اور صابرانہ استقلال کے ساتھ اس خطرناک آبشار کو عبُور کرکے آپ کو اس کُنج تک امن و حفاظت کے ساتھ پہنچایا ہے اور جواب اپنی پچھلی جانفشانیوں اور عرق ریزیوں کے صلے میں ان نایاب پھولوں کی گلگشت سے متمتّع اور بہرہ یاب ہو رہے ہیں۔ میں اس دلچسپ تفریح میں ہمہ تن مصروف تھا کہ یکایک ہوا کے جھونکوں کی سنسناہٹ اور پتّوں کی کھڑکھڑاہٹ نے میری محویت کے رُخ کو بدل دیا اور میری نگاہ پھسل کر یک بیک مقابل کی صف پر جا پڑی۔ اب جو دیکھتا ہوں تو تماشائیوں کے مجمع میں سے کتنے ہی خوش رُو جوان سطحِ آب پر تیرنے

دکھائی دیئے۔ جن کے نوخیز اور بے ریش چہروں سے مترشح ہوتا تھا کہ وُہ ابھی دنیا میں داخل ہُوئے ہیں۔ اور زمانہ کے نشیب و فراز۔ پست و بلند۔ اوج و حضیض سے بالکل آشنا اور نابلد ہیں۔ تقاضائے سن بتا رہا تھا کہ ابھی انکو دنیا میں طمانیت اور فراغت کے ساتھ ایک کامیاب عملی زندگی بسر کرنے کے لئے بیشمار تجارب اور مشاہدات کی ضرورت ہے۔ اُنکے دماغوں کے فانوس تعلیم کی برقی روشنی سے تو ضرور متجلّی تھے۔ مگر ابھی اُن تجربے نے پالش نہیں کی۔ اُنکے قدم بعینہٖ زندگی کے دشوار گذار زینے کی اُن خطرناک سیڑھیوں پر تھے جہاں زمانہ کی ٹھوکر اس سے پہلے کتنے ہی غیر محتاط۔ ناعاقبت اندیش عیاش طبع نوجوانوں کو دھکیل کر نکبت میں گرا چکی تھی۔ دنیا کی کتنی ہی غیر مفید تفریحیں اور نفسانی خواہشیں اُن کے دامن سے بلائے ناگہانی کے طرح لپٹی تھیں۔ اس وقت اُن پر ایک عجیب محویت کا عالم طاری تھا اور ایک غیر معمولی جوش و خروش کے ساتھ کنول کے پھول توڑنے کو جو پانی میں شگفتہ تھے آگے بڑھتے جاتے تھے۔ اُن کی نگاہیں ایسی عمیق اور تیز پرواز تھیں جو سطح آب سے گذر کر سامنے والے کُنج تک آپ کو بامن و عافیت پہنچاتیں اور اُن خوشنما پھولوں کی گل چینی سے حظ اُٹھاتی تھیں۔ حقیقت الامر تو یہ ہے کہ وُہ اپنی محویت میں کچھ ایسے کھوئے گئے تھے کہ اُنکو ان پھولوں کا سان و گمان بھی نہ تھا۔ وُہ خضر صورت بزرگوار جو سامنے کھڑے یہ تماشا دیکھ رہے تھے اُنکی بدقسمتی پر تاسف کرتے ہُوئے اُنکو آنے والے خطرہ سے متنبہ کرتے اور بآواز بلند کہتے جاتے تھے کہ خبردار ان پھولوں کو ہاتھ نہ لگانا ان میں سانپ ہیں۔ مگر اُن کے کانوں پر جُوں بھی نہیں رینگتی تھی اور اُن کی جانب برابر بڑھتے جاتے تھے۔ حتّٰی کہ اب بالکل قریب پہنچ گئے اور پھول چننے میں مشغول ہو گئے۔ ابھی مشکل سے دو چار پھول توڑے ہونگے۔ کہ سانپوں نے اُنکو کاٹنا شروع کیا اور اُنکے زہر سے متاثر ہو کر پانی میں غرق ہونے لگے۔ ہرچند ہاتھ پاؤں مارے اُچھلنے کی کوشش کی۔ مگر اب کیا

ہو سکتا تھا - پانی کی موجیں ہمیشہ کے لئے اُنکو اپنے آغوش میں لے کر بیٹھ گئیں اور اس طرح ان کی تفریحوں اور تمام اُمیدوں پر جو ان پھولوں کے ساتھ وابستہ تھیں پانی پھر گیا - ناظرین! میں نے ایسا عبرت ناک سین پہلے کبھی نہ دیکھا تھا - مارے وحشت کے بدن پر رونگٹے کھڑے ہو گئے اور میری آنکھ یکایک کھل گئی - اب جو آنکھیں ملکر دیکھا تو نہ وُہ آبشار تھا نہ وُہ سُہانا کُنج نہ وُہ تماشائیوں کا انبوہ نہ وہ وادی میں تھا اور میرا کمرہ - میری دایہ بھی مجھ کو تنہا سوتا چھوڑ کر کسی ضرورت سے دُوسرے کمرے میں چلی گئی تھی - اب میں تنہائی میں اپنے خواب کی تعبیر پر غوض کرنے لگا اور بہت دیر نہ گذری تھی کہ مجھ پر اس کی حقیقت کھل گئی -

وہ آبشار ہماری زندگی کا سرچشمہ تھا اور پانی کی سطح پر جو کنول کے پھول شگفتہ تھے اور جن پر رنگ برنگے سانپ لپٹے تھے وُہ دُنیا کے کتنے ہی دلچسپ مگر مُہلک نظارے تھے - جن کا دلکش سین بہت جلد نوجوانوں کو اپنا فریفتہ بناکر شہوت - معصیت - بدی - شرارت اور فسق و فجور کے چاہ ہلاکت میں گرا دیتا ہے - وُہ خضر صُورت بزرگوار جو سامنے والے کُنج میں دکھائی دیتے تھے اور جن کے سروں پر پھولوں کی خوشنما کلغیاں اور طرّے مزیّن تھے - وہ محبِّ قوم مشاہیر ہیں جنہوں نے اعلیٰ درجہ کی مرتاض نفس کشی - محتاط ریاضت - غیر معمولی انضباط طبیعت اور پُرجوش ہمّت کے ساتھ زندگی کے پُرخطر بحر زخّار سے گذرتے ہوئے قومی اور ملکی خدمات کو بڑی سرگرمی اور جانبازی کے ساتھ انجام دیا ہے - اور جن کے فرق پر اُنکی بیغرضانہ حب وطنی اور بے لوث جانبازی کے صلے میں بالآخر شہرت عام اور بقائے دوام کے زندہ جاوید پھولوں کے تاج رکھے گئے -

اے میرے بھولے بھالے نوجوانو! اگر تم کو بقا کے پھولوں کی جستجو ہے - اگر تم جانتے ہو کہ ان روشن دماغ - عالی خیال مشاہیر کی طرح زمانہ تمہارے سر پر بھی زندہ

جاوید پھولوں کے تاج رکھے۔ اگر تمہاری آرزو ہے کہ تم کو بھی ان بزرگواروں کے پہلو بہ پہلو اس پُر نعمات جنّت میں (جس سے میری مراد حیات جاوید ہے) جگہ ملے۔ تو اُٹھو اور دنیائے دنی کے گرویدہ کرنے والے تعیش خیز نشاطوں اور شہوت انگیز تفریحوں کو، جو تمہاری ترقی کے جادہ میں سدراہ ہیں اور تم کو فاسقانہ زندگی کے مہلک راستوں پر لیجانے والی ہیں، بالائے طاق رکھکر زندگی کے راستہ کو پامردی اور احتیاط کے ساتھ عبور کرو۔ اگر تم دنیا کی غیر ضروری اور معصیت آمیز دلچسپیوں کے دامن کو ہاتھ سے نہ چھوڑو گے اور یوں ہی بندۂ عیش و نشاط بنے رہو گے تو یاد رکھو کہ تمہارا بھی ویسا ہی دردناک انجام ہوگا جیسا کہ ان بدنصیب نوجوانوں کا ہوا ہے جنہوں نے کنول کے پھولوں کی ظاہری خوشنمائی پر فریفتہ ہو کر اپنی ہستی ہی جانیں لطمۂ امواج فنا کے نذر کر دیں۔ اور داعیٔ اجل کو لبیک کہہ کر ہمیشہ کے لئے گمنامی کے پردہ میں روپوش ہو گئے۔

اے یاران نشاط! یاد رکھو کہ دنیا کا کوئی دلکش سین قابل التفات نہیں اور یہاں کی ساری تفریحیں اور مشغلے یہیں رہ جائینگے۔ ان چیزوں کو اس زندگی سے بہت کم مناسبت ہے جو ہم کو ایک ایسی روحانی دنیا میں تنہا بسر کرنی پڑیگی۔ جہاں زن و فرزند کی محبت۔ دنیوی عیش و عشرت۔ شان و شوکت اور مال و دولت ان میں سے کوئی بھی کام نہ آئیگا۔ دیکھو ایک نازک خیال شاعر دنیا کی بے ثباتی کے مضمون کو چند دردناک اشعار میں کس خوبی کے ساتھ ادا کرتا ہے۔

ہاں بدر شو ز عالم فانی	ہوس دل مدہ چہ میدانی
ظاہرا گرچہ ہست نقش و نگار	باطنش جملہ ہست ویرانی
دیگراں آمدند و بگذشتند	چند روزے تو نیز مہمانی

(ر۔ و۔ جہان آبادی)

اُردو خطوط نویسی

تعلیم و تہذیب نے جہاں اور امور میں تراش خراش کی ہے اُردو خطوط نویسی کی روش کو بھی نہیں سلامت چھوڑا۔ ترقی یافتہ دماغ بغیر کسی کے سمجھائے بوجھائے خطوط نویسی کی طرز میں عجیب عجیب جدتیں پیدا کر رہے ہیں۔ یہ جدتیں بعض اوقات مختصر پُرانے القاب کی صُورت میں نظر آتی ہیں اور بعض اوقات ان میں اہلِ یورپ کی تقلید پائی جاتی ہے۔ پُرانے القاب پہلے زمانے میں خواہ کتنے ہی شاندار اور معقول ثابت ہوئے ہوں۔ موجُودہ زمانے کی عقل و تہذیب کے موافق ضرور قابلِ ترمیم ہیں۔

ایک عام مشاہدے کی اور ہر قوم و ملت کی مانی ہُوئی بات ہے کہ اجانب کے ساتھ برتاؤ ہمیشہ تکلف اور ادب کے ساتھ ہوتا ہے اور اقارب کے ساتھ تکلف اور ادب کی ضرورت نہیں ہوتی۔ اجانب کے معاملات میں سوائے ادب و لحاظ کے کلمات کے محبت کے خیالات ظاہر کرنا نہ صرف غیر ضروری بلکہ سخت نامناسب ہے اِس لئے کہ ایسی صُورت میں اظہارِ محبت محض بناوٹ سمجھا جائیگا۔ مگر اقارب کے معاملات میں چونکہ اجانب کی سی مغائرت کی بُو تک نہ ہونی چاہیئے۔ اِس لئے تکلفات و آداب کا خیال رکھنا واقعی غیر مستحسن ہے۔ ایسی صُورت میں بجائے تکلفات و آداب کے اظہارِ محبت کرنا لازم ہے جو دراصل بنائے جنس کے تعلق کی بُنیاد ہے۔ سچ پوچھئے تو کُل انسانی تعلقات و معاملات میں اظہارِ محبت ہونا چاہیئے۔ مگر جیسا اوپر بیان کیا جا چکا ہے اجانب کے ساتھ اس کا عمل ضرورۃً ترک کر دیا گیا ہے۔

متقدمین حضرات نے اجانب کے لئے جو القاب تجویز کئے ہیں اُن کے

موزون ہونے میں کچھ کلام نہیں مگر چونکہ اُن میں طوالت اور شاعری زیادہ ہے اس لئے روزمرہ کے استعمال کے لئے مناسب نہیں معلوم ہوتے، البتہ اُن میں سے اکثر اس قابل ضرور ہیں کہ بعد اختصار و ترمیم استعمال میں لائے جائیں۔ اقارب کے لئے جو قدیم القاب مقرر ہیں اُن میں خلافِ اصولِ موضوعہ عجب گڈمڈ پائی جاتی ہے۔ باپ یا کوئی اَور بڑے رشتے والا جب بیٹے یا کسی خُرد سے خطاب کرے گا تو ہمیشہ محبت آمیز ہوگا۔ مگر برعکس اس کے جب بیٹا یا خُرد اپنے باپ یا کسی بزرگ سے کچھ کہنا چاہیگا تو ہمیشہ بہ تکلف اور با ادب ہو کر کہیگا اور جہانتک ممکن ہوگا بجائے محبت کے کلمات کے عزت و ادب کے الفاظ زبان سے نکالیگا۔ یورپ کے طرزِ تحریر و اندازِ گفتگو میں اصول مذکورہ کی پوری پوری پابندی ہے۔

ذیل میں ہم رواجاتِ انگریزی کو ملحوظ رکھ کر القابات کی ایک فہرست درج کرتے ہیں

القاب اجانب کے لئے

(۱) بہت بڑے آدمیوں کے لئے:۔ اعلیٰحضرت۔ حضرت۔ حضرت اقدس۔ حضور والا۔ حضور۔
متکلم ایسی صورت میں اپنے لئے:۔ "فدوی۔ کمترین خادم۔ عاجز" کے الفاظ کہے گا۔
تحفۂ سلام ان القابات کے ساتھ جائز نہیں

(۲) ان سے ذرا کم رتبہ آدمیوں کے لئے:۔ جناب عالی۔ بندہ نواز۔ بندہ پرور۔
متکلم ایسی صورت میں اپنے لئے:۔ کمترین کا لفظ استعمال کریگا۔
تحفۂ سلام ان القابات کے ساتھ بھی مناسب نہیں۔

(۳) اِن سے بھی کم رتبہ اشخاص کے لئے:۔ جنابِ من۔ جناب بندہ۔
متکلم ایسی صورت میں اپنے تئیں بندہ یا خاکسار کہیگا۔
تحفۂ سلام اس صورت میں بھی جائز نہیں۔

(۴) معمولی ذی رتبہ اجانب کے لئے جن سے کچھ شناسائی ہو۔ مخدومی و مطاعی۔ مخدومی۔ مخدوم بندہ

متکلم کے لئے لفظ خادم یا نیازمند۔

تحفۂ سلام۔ تسلیم بصد نیاز۔

مخاطب کے خط کے لئے لفظ:۔ عالی نامہ۔ والا نامہ۔

(۵) معمولی ذی رتبہ اجانب کے لئے جن سے زیادہ شناسائی ہو۔ مکرم و معظم بندہ۔ مکرمی و معظمی مکرم بندہ۔

متکلم کے لئے لفظ۔ خیرخواد۔ خیرسگال۔ خیراندیش۔ خیرطلب۔

تحفۂ سلام۔ تسلیم بصد تعظیم یا تکریم۔

مخاطب کے خط کے لئے لفظ۔ گرامی نامہ۔

(۶) اجانب کیلئے جن سے اور بھی زیادہ شناسائی ہو۔ کرمفرمائے بندہ۔ عنایت فرمائے بندہ الطاف فرمائے بندہ۔ کرم گستر۔ مشفقی

متکلم کے لئے لفظ۔ عقیدتمند۔ ارادتمند۔

تحفۂ سلام۔ تسلیم۔

مخاطب کے خط کے لئے لفظ۔ عنایت نامہ۔

القاب احباب کے لئے

(۱) اچھے خاصے دوستوں کے لئے:۔ میرے پیارے مہربان۔ میرے پیارے میرزا صاحب میر صاحب وغیرہ۔

متکلم کے لئے لفظ۔ مخلص (صادق)۔

تحفۂ سلام۔ السلام علیکم یا سلمکم اللہ الرحمٰن

خط۔ اخلاص نامہ۔

(۲) گاڑھے دوستوں کے لئے۔ (دیکھئے القاب اقارب)

القاب اقارب کے لئے

بزرگ کی طرف سے خرد کو:۔

عزیزی - عزیز فلاں - عزیز من - نورِ چشم - قرۃ العین - میرے پیارے فلاں - برادر عزیز - برادر بجان برابر - میرے عزیز - جانِ من - میری جان (حسبِ موقعہ) -

تحفہ سلام - جیتے رہو - سلامت رہو - خوش و خرم رہو - تمہیں اللہ کی امان - (بطور قافیہ میری جان) -

متکلم کے لئے لفظ - ترقی خواہ -

مخاطب کے خط کے لئے لفظ محبت نامہ -

ب - خرد کی طرف سے بزرگ کو: -

ابا جان - اماں جان - بھائی جان - آپا جان - باجی جان -

تحفہ سلام - خدا آپ کو سلامت رکھے - خوش و خرم رکھے -

متکلم کے لئے لفظ - فرماں بردار - فرماں پذیر -

مخاطب کے خط کے لئے لفظ - محبت نامہ - شفقت نامہ

ج - برابر والے کی طرف سے برابر والے کو: -

میرے عزیز - عزیزی - جانِ من میری جان (بیوی کیلئے استعمال ہوسکتے ہیں)

تحفہ سلام - سلامت رہو - خوش و خرم رہو - سلمکم الحفیظ -

متکلم کے لئے لفظ - مشتاق - پابندِ محبت - اسیرِ محبت - محبِ حقیقی ازلی صادق - دلدادہ - جاں نثار - فدائی - شیدا (حسبِ ضرورت)

مخاطب کے خط کے لئے لفظ - محبت نامہ -

فائدہ - متکلم کے لئے جو لفظ تجویز کئے گئے ہیں اُن کے لئے یہ ضروری نہیں کہ خط کے تمام مضمون میں اُنہی سے کام لیا جائے - خاتمہ پر صرف ایک دفعہ کا استعمال عموماً کافی ہوسکتا ہے -

"آپ" اور "تم" کا فرق بدستورِ سابق -

خطوط کی شکل تحریر کا جو طرز انگریزی ہے اُس سے بہتر اُردو کے لئے (بہ تغیرِ جزوی) دوسرا طرز مشکل ہے -

نام مقام جانب چپ کو گوشہ کی طرف لکھنا چاہئے - تاریخ جانب چپ گوشہ کی طرف - نام مقام کے نیچے القاب معہ تحیۃ وسلام - جانب چپ کو تھوڑا سا حصہ کاغذ چھوڑ کر جس طرح نئے قطعۂ عبارت (پیراگراف) کو لکھا کرتے ہیں - یا اس سے بہتر شروع میں اور مضمونِ خط کا آغاز اس کے نیچے سطر بہ سطر . . .

خاتمہ - (نیاز مند - مخلص - بندہ وغیرہ یہ خاتمہ کے الفاظ میں) آخر میں جانب چپ ذرا گوشہ کی طرف - اور اس کے نیچے نویسندہ کا نام -

(نمونہ)

لاہور
۲۶ - اگست سنہ ۱۹۰۵ء

میرے عزیز سلمکم الحفیظ

محبت نامہ ملا . . . .

. . . .

. . . .

مشتاق
بشیر

پتہ سب سے اوپر

سرنامہ الفاظ بغرض
- بعالیخدمت والا درجت
- بخدمت شریف
- بعالی ملاحظہ
- بملاحظہ
- بمطالعہ

علیٰ قدر مراتب مضمون سرنامہ سے اوپر شروع میں ایک سطر صرف ان الفاظ کے لئے چھوڑ کر

لکھنؤ (نمونہ) گولا گنج

بعالیخدمت
مخدومی ومطاعی ا - ب - ج صاحب وغیرہ وغیرہ . . . . . }

انقلابِ روزگار

بریں رواقِ زبرجد نجامۂ خورشید نگاشتہ سخن خوشش بآبِ زر دیدم
کہ اے بدولت دہ روزہ گشتہ مغرور مباش غرہ کہ از تو بزرگ تر دیدم
شہے کہ تاجِ مرصع صباح برسرداشت نمازِ شام وراخشت زیرِ سر دیدم
زحادثاتِ جہانم ہمیں پسند آمد کہ خوب و زشت و بد و نیک درگذر دیدم

دنیا میں جس قدر تغیرات ہوتے ہیں اور انقلابات پے درپے وقوع پذیر ہوتے ہیں۔ اُن سے ہر کلام میں ایک معقول حصہ اس کے لئے وقف رہا ہے۔ مگر فارسی کے شعراء نے زیادہ تر ان پر غور و فکر سے کام لیا۔ اور سچ تو یہ ہے کہ اُنکے کلام بسا اوقات اس درجہ دردناک اثر دل پر چھوڑتے ہیں کہ دُنیا آنکھوں میں دُھواں دُھواں سی نظر آنے لگتی ہے اور ہماری زندگی ایک بے وقعت حباب۔ پس ایک حباب کی طاقت لہروں اور موجوں کے روبرو کیا ہوسکتی ہے۔ یہ بالکل صحیح ہے کہ یہی آسمان اور یہی زمین۔ یہی چاندنی کے لُطف اور یہی موسمِ بہار۔ یہی آفتاب کی کرن اور یہی ارمان بھری برسات ہزارہا برس سے پرلُطف رہی اور ہمیشہ رہیگی۔ نسلیں گذر جاوینگی۔ ایک فرقہ مٹ کر دوسرا زور پکڑیگا۔ ایک کے بگڑنے سے دُوسرا آباد ہوگا۔ ایک کے دل ہی میں ارمان رہجاوینگے اور وُہ دُنیا سے چل بسیگا مگر دُنیا اور اور اُس کے متعلقین اپنی رفتار پر چلے جاوینگے۔ گویا کہ وُہ ویسے ہی تازہ ہیں جیسے کہ بوقتِ پیدایش تھے۔ اگر خود انسان اپنی زندگی پر ذرا غور کرے اور فہم سلیم سے کام لے تو خود اُن حالات سے اس قدر سبق ملیں گے جو اسکو بہت کچھ سمجھا دینگے کہ وہ کس قدر بے وقعت ہے اور کس قدر لاچار۔ انسان موٹر کار پر سوار ہوتا ہے

اور اس کی رفتار پرخوش اور خنداں ہے اور دیکھتا ہے کہ وُہ اپنی مرضی سے چالیس میل تک فی گھنٹہ راستہ طے کرسکتا ہے۔ ریل پر تو اس سے بھی زیادہ تیز اور بہت سے ہمراہیوں کے ساتھ راہ طے کرتا ہے۔ انسان تار پر ایک ایک منٹ کی خبریں منگا سکتا ہے اور یہاں تک نازاں ہے حال کی ایجادات پر کہ مرنے والے عزیز کے آخری کلمات کو فونوگراف میں بند کرکے اس کی یادگاریں پاس رکھ سکتا ہے مگر پھر بھی باوصف ان بیشمار ترقیوں کے کیا انقلابات عظیم اور تغیراتِ کثیر میں کوئی کمی ہوگئی ہے؟ انسان پھر بھی مثل ایک نادان بچّہ کے ہے کہ جو چند دل افزا کھلونوں سے خوش ہوتا ہے اور سمجھتا ہے کہ یہ بہت بڑی کائنات اس کے لیے ہیں۔ حالانکہ محض کھیل تماشے کے چند کھلونے ہیں۔

یہ سچ ہے کہ آجکل کے تغیرات اور پرانے زمانہ کے تغیرات میں فرق ہے۔ اور بہت بڑا فرق۔ سعدیؒ کے زمانہ میں جو تغیرات ہوئے۔ اُن سے وزیرزادے بقول اُن کے ایک ادنیٰ درجے کے افراد سے بھی نیچے ہوگئے اور انفار اُن کی جگہ آبیٹھے۔ یہ ثمرہ طوائف الملوکی کا ہوا جو اب کمتر وقوع میں آتا ہے مگر پھر بھی یہ کس کو انکار ہے کہ ہمارے چند دن کے دیکھتے دیکھتے وُہ شریف خاندان اور وہ امیرزادے جو شہر اور ممالک میں بطورِ مثال پیش ہوتے تھے اب وُہ مشکل سے کچہری میں اہلمدی کے درجہ پر ہیں اور مشکل سے پیٹ پالتے ہیں۔ اور جو خاندان کہ زیر و ذلیل تھے وہ پڑھ کر یا جس طور سے اب ممکن ہے صاحبِ امتیاز ہیں اور باوقعت و باثروت اُن کے خاندان کی میراث یا جائداد کا جو حشر ہوا یا ہوتا ہے وُہ تو ایک طویل داستان ہے۔ مگر اس میں کیا شک ہے کہ یہی انقلاب ہر وقت اور ہر لمحہ لاکھوں صورتوں میں ہمارے آس پاس ہوتے رہتے ہیں اور بسا اوقات ہم کو خبر بھی نہیں ہوتی ہے کہ کیا ہوا یا کیا نہ ہوا۔ "بادشاہی" اور "تاجِ مرصع" تو نہ ہمارے سر پر ہے جو ہم اس کے مرنے کو چاہیں یا اس کے کھو جانے پر ملال کریں مگر ہم یہ کہ سکتے ہیں

کہ بعض بدنصیب لوگ جو کسی کے ساتھ جائز محبت کو تاجِ مرصع سے کم بہا نہیں تصور کرتے تھے اور اس کے موجود ہونے کو تاجِ مرصع سے کم باعثِ ناز و فخر نہیں جانتے تھے اُن کی حالت ہماری نظروں کے سامنے ہے جب اُن کا لعل جاتا رہا اور اُس کا نہ ہونا گویا کہ بادشاہی چھن جانے سے کم پُرملال اُن کے لئے نہ ہوا۔

ہم کو اُن پر ہنسی آتی ہے کہ وہ اس قدر دل کے بودے نکلے اور اس قدر بیوقوف اور محبت کے اندھے۔ مگر جو چاہو سو کہو لو وہ بجنسہ مثل ایک ذلیل شدہ صاحبِ تخت و تاج کے ہیں جس کی نگاہ برابر نہیں ہوتی اور جس کی ساری اُمیدیں ٹوٹ ہو کر اس کو غمگین ہمیشہ کے لئے بنا گئیں۔ تاج و تخت میں عظمت تھی پر عافیت نہیں۔ عزت تھی پر راحت نہیں۔ مال و متاع تھا پر اطمینان نہیں۔ غرور تھا پر اصلیت نہیں۔ مگر محبت کے نشہ میں وہ عافیت۔ راحت۔ اطمینان اور اصلیت سب کے مزے چکھتا تھا اور اس کے علاوہ ایک خاص قلبی راحت پاتا تھا جو اب نصیب نہیں اور ایک خاص مسرت تھی جو اب ترستے کو اور ترساتی ہے۔ اب تو نہ موٹر کار اسکو بھاتی ہے نہ فونوگراف۔ یہ تو اصلی انقلاب ہے اور در اصل ان مشکلات میں ضابط اور صابر رہنے پر ہماری داد ہے۔

غرضکہ دُنیا میں انواع و اقسام کے انقلابات ہیں۔ ایک سے ایک بڑا مثلاً گھر لٹ جاوے گھر برباد ہو جاوے دولت جمع ہو کر برباد ہو جاوے۔ خاندان کی عزت مٹی میں مل جاوے ذاتی حرمت اور عزت پر پانی پھر جاوے۔ عزت کے بدلے ذلت ہو۔ وقعت کے بدلے خواری۔ تعظیم کے بدلے رسوائی۔ یہ سب کچھ مگر ان میں انسان کی ارادی قوت کو بہت کچھ دخل ہے۔ ذلت کے بعد پھر عزت حاصل کرو گو کہ بعد خیلے دشواری یہ ہوگا گھر پھر سے بناؤ۔ مال پھر سے جمع کرو۔ مگر وہ بدنصیب کہاں سے اور کس چیز سے اپنے ٹوٹے پھوٹے دل کے سو ٹکڑوں کو جوڑے۔ یہ سچ ہے کہ نعم البدل لوگ کہہ کر اُمید دلا دینگے کہ یہ باور کر لینا

چاہیئے کہ ہر چیز کا نعم البدل نہیں ہوا کرتا ہے۔ ہم کو تو خدا کی بے نیازی پر جان سو بار قربان کرنا پڑتی ہے۔ جو رحیم و کریم ہے اور پھر بھی وُہ ظاہرا ظلم اور ستم کرتا ہے جس سے عرصہ دراز تک کے لیے اس کے حقیر بندے کے دِل و جگر پارہ پارہ ہو جائیں۔ مگر وُہ بے نیاز ہے۔ یہ ظلم ہے تو صرف ہماری نفسانیت سے۔ اپنی خود غرضی سے۔ اور اس جُرم کی سزا ہے کہ کیوں ہم نے دِل اس قدر زیادہ لگایا کہ جو غیر معمولی ہو۔ یا کہ دُنیا کو دُنیائے فانی نہیں جانا اور اگر جانا بھی تو اُس کو دِل سے مانا نہیں۔

غرضکہ تغیرات ظاہری تو بڑے ہوں یا چھوٹے مگر جو دِل سے تعلق رکھتے یا جو دِل پر کارگر ہوتے ہیں۔ وُہ تمام ظاہری تغیرات سے عظیم تر ہوتے ہیں اور نہایت سخت اثر یہ تو ہم مانتے ہیں کہ اس قدر کلام کا نتیجہ عملی صورت میں کچھ نہیں نکلا۔ اور محض زبانی گفتگو رہی اگر کچھ بھی نتیجہ ہو سکتا ہے تو اِس سے زیادہ نہیں ہے کہ جو انقلابات یا تغیرات ذاتی ارادے سے متعلق ہوں یعنی کہ جو آفات انسان کے روکے رکیں انکو ضرور عاقبت بین بنکر روکو مگر وہ آفات جن سے مفر نہیں اور جو کسی کے ٹالے ٹل نہیں سکتی ہیں اُن کا علاج اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے۔

اپنی عزت یا خاندان کی وقعت یا اپنی قوم کی حُرمت تو انسان کے سنبھالے سنبھلیں مگر دوست کی جُدائی۔ عزیز کی مفارقت جس سے دِل پارہ پارہ ہو وہ کس کے ٹالے ٹلے اور کس کے سنبھالے سنبھلے۔

ایشیا کے باشندے تو محبت کے میدان میں بازی جیت چکے ہیں اور محبت کے زعم میں ستی کی رسم ایک عام رسم ہندوستان میں تھی۔ یورپ والے اپنے خیال میں جو چاہے سمجھا کریں۔ مگر زن و شوہر میں جس قدر اتحاد ہونا ہندوستان اور دُوسرے ایشیائی ممالک میں ممکن ہے اس سے زیادہ یورپ میں نہیں ہے یعنی کہ سارے وسائل موجود ہیں اور روزمرہ کے تجربہ میں برتتے جاتے ہیں۔ اور ہر قسم کی مزاولت

مثالیں ہیں - عورت کی محبت اگر واقعی محبت ہو تو بہت دیرپا ہی گئی ہے مگر ہم کو دو چار ہندوستانی مسلمان ایسے ملے جو اپنی بیوی کی محبت میں ہزاروں یورپین سے آگے اور انہوں نے بیوی کی مفارقت کے بعد اس قدر سوگ کیا جو اصلی معارفت کا غم کہا جا سکتا ہے -

ممکن ہے کہ اس قدر راہ ہاک و محبت کا شدید بخار ہندوستان کی زنانہ خصلت کا نمونہ ہو - مگر اصلیت تو یہ ہے کہ محبت والا دل - بچپن کی محبت - سچی محبت - پاک محبت اور جائز محبت جسکو برسوں بعد والدین نے اعتراف کر کے حبیب اور محبوب کو ملایا ہو اور پھر دونوں کا ایک خاص مدعا پر نگاہ رکھ کر ساتھ ساتھ چلنا اور اس عرصہ میں علیحدگی یہ کس قدر عظیم صدمہ ہے -

اے زمانے ! اپنی چال چلا جا - اپنے منہ پر پردہ ڈالے رہ اور جو بجوم سے تجھے جاننا چاہئے اُسے بھی اپنی اصلی صورت نہ دکھا - کیونکہ تیرا نقاب دراصل اللہ کی رحمت ہے کہ ہم مصیبت سے لاعلم ہو کر اُس پر سے گذر جاتے ہیں - گو ہم ہزاروں کل ایجاد کریں اور سینکڑوں کو ردی کر دیں گو آج کا لکھا ہوا کل غلط ثابت کریں - مگر پھر بھی تیری صورت نہ جانیں اور نہ کبھی جان سکیں - اور اگر بفرض محال جانیں تو خود خودکشی کر کے تباہ ہوں - یا معلوم کیا نوبت پہنچے - تو اگر کچھ بنتا ہے جو بڑی ٹھوکر کھا کر جاننا پڑا ہے وہ صرف یہ ہے کہ انسان کی محبت انسان کے ساتھ ایک حد تک جائز ہے جہانتک کہ محبت اپنے قبضہ قدرت میں رہے اور اُس کے آگے ناجائز - جو کچھ کبھی ہو انسان کی بے قدری اور اُس کی لاچاری آگے پیچھے سے اُسے گھیرے ہوئے ہے +

شاہ منیر عالم

کلامِ اکبر

خان بہادر سید اکبر حسین صاحب ظلہ کی جو غزل آج ہم چھاپتے ہیں - وہ اُن کے خاص رنگ میں ہے - ہر اُستادِ فن کا ایک خاص انداز ہوتا ہے - جو دُوسروں میں نہیں ملتا - شعرائے ہند میں بالعموم انداز کی خصوصیت طرزِ نظم تک محدود رہی ہے - مگر یہ بہت کم ہوا ہے کہ طرزِ خیال میں خصوصیتِ انداز پائی جائے - موجودہ زمانے میں خوش قسمتی سے چند ایسے اصحاب بھی ہیں - جو ایک طرزِ خیال کو اپنا بنائے ہوئے ہیں - اور وہ جو کچھ لکھیں - اسی خیال کی جھلک اُنکی تحریر میں آجاتی ہے مثلاً مولانا حالی کا کلام قوم کے احوال کے ماتم کے ساتھ مخصوص ہو چکا ہے - اور یہ رنگ اُن کے ہاں اس زبردست موجود ہے کہ غزلیات دیوان بھی اس سے خالی نہیں - اسی طرح جناب اکبر کی شاعری اُس جنگ و جدل کی تاریخ ہے جو مشرق اور مغرب کے اثرات کے درمیان ہمارے ملک میں جاری ہے - ممکن ہے اس جنگ کا انجام ہم اور ہمارے ہمعصر دیکھیں - اور ممکن ہے نہ دیکھیں - مگر کلامِ اکبر میں جابجا یہ پیشین گوئی موجود ہے کہ آخر مشرق میں مشرقی اثرات کا ہی غلبہ رہیگا - کیونکہ اس کے خلاف ہونا مشرق کا مٹ جانا ہے - اور یہ کسی ہمدردِ ہند کا دل گوارا نہیں دیتا - کہ جو قوم زمانے کے اتنے صدموں کے بعد معدوم نہیں ہوئی - اب صفحۂ ہستی سے محو ہو جائیگی - اکبر کا ایک مطلع اسی خیال کو کس خوبی سے ادا کرتا ہے ؎

اور بھی دورِ فلک ہیں ابھی آنیوالے
ناز اتنا نہ کریں ہم کو مٹانے والے

ذیل کی غزل نہایت شگفتہ زمین میں لکھی گئی ہے اور بہت قابل قدر ہے:-

یہ طفل ناداں غریق غفلت ہوائے ذلت میں تن رہے ہیں
سمجھ نہیں ہے نظر نہیں ہے بنائے جاتے ہیں بن رہے ہیں

بہار ہی سے نہیں ہیں واقف خزاں کے ظلموں کو کیا وہ سمجھیں
یہ داغ تو ہیں انہیں کے دل پر جو محو رنگ چمن رہے ہیں

نیا فلک ہر نئے ستارے یہ شوق سے کرتے ہیں نظارے
انہیں کو کچھ حس ہے گردشوں کا جو زیر چرخ کہن رہے ہیں

یہ آخری صف میں آ گئے والے بہشت سمجھے ہیں اپنے تھالے
محل حسرت ہیں ان کے سینے جو زینت انجمن رہے ہیں

رہے ہیں جو برگ و خس کے خوگر انہیں ہو کیوں خار کا منظر
نگاہ تو ہے انہیں کی مضطر جو مست سرو و سمن رہے ہیں

بہت خفا تھے مسائل دیں کہ ہو رہی ہے ہماری توہیں
اب انکی منطق سنا رہی ہے وہ سر جھکائے ہیں من رہے ہیں

اگرچہ لفظوں کی بدلیوں میں چھپا ہے معنی کا چاند اکبر
مگر معانی ہیں ایسے روشن کہ نور کی طرح چھن رہے ہیں

پہلا سفید بال

اک کال یہ بات ہے بیٹھی اک مہوش رعنائی تھی ۔ آئینہ آگے رکھا تھا ۔ رخ پر حیرانی چھائی تھی
نہتا ہے مکھڑے پر اس کے ۔ غم کی بدلی گھر آئی تھی ۔ سہمی سوکھی ہیجان خطا مضطر ششدر گھبرائی تھی

آئینے سے چار آنکھ ہوئی - نوجوانی کا یہ بھید ملا
ہے ہے! اس مہوش کے سر میں اک پہلا بال سفید ملا

گو عمر ڈھلی تھی لیکن پھر بھی سرخی تھی رخساروں پر — چکنائی گالوں پر چھائی یا روغن تھا انگاروں پر
دو گیسو چوٹ کیا کرتے تھے کاکل کے بیماروں پر — تھے جتنے خال سیہ تن میں سب چشمک زن تھے تاروں پر
چہرہ اترا تھا - غیظ چڑھا تھا - لرزہ تن میں آیا تھا
غم چاند سے رخ پر چھایا تھا - یا چاند گہن میں آیا تھا

کہتی تھی بھر کر آہ الٰہی یہ کیا ستیاناس ہوا! — جو سنبل نافہ عنبر تھا - وہ سنبل آخر گھاس ہوا!
یہ مشک مرا کافور بنا - دل آج اسیر یاس ہوا — لالے ہونگے کالے بالوں کے - اب یہ میا سوہن ہوا
جو زلف رسا کہلاتی تھی - کیا اب وہ رسن کہلائیگی؟
کیا آج جوانی چل نکلی؟ کیا اب سے ضعیفی آئیگی؟

وہ گیسو جو ہمراہ ہوا کے ناگن سے لہراتے تھے — وہ بال جو بچپن میں بکھرے پر اڑ کر گن کہلاتے تھے
وہ بال بلا کے جن کے بل پر پیچ ہزاروں کھاتے تھے — انکی خوبی میں بل آیا - جو سب بل بل جاتے تھے؟
اڑ جائے! نگوڑی پیری - مجھکو دینے داغ جگر آئی!
اس میری شام جوانی کی کیا اتنی جلد سحر آئی!

اس لٹ میں دنیا لٹکی تھی - اور دار اسی کو کہتی تھی — مخلوق اسی کی ماری تھی اور مار اسی کو کہتی تھی
گل مار پھرے مارے مارے - خونخوار اسیکو کہتی تھی — مشکیں - آشفتہ - سرکش سنبل بار اسیکو کہتی تھی
جس جوبن پہ مغروری تھی وہ آخر کار نہ کام آیا!
سر کا اک بال سفید ہوا اور مرنے کا پیغام آیا!

کہ فراس حلقے میں پھنس کر زنار اسی کو کہتے تھے — نافہ - عنبر - ظلمات - ختن - تاتار اسیکو کہتے تھے
اچھے اچھے اسیر مکر - بیمار اسی کو کہتے تھے — جادوگر - پرفن - پیچیدہ - طرار اسیکو کہتے تھے
وہ کونسا ایسا دل تھا جو اس بحر میں غرق نہ تھا؟

اس دام میں کتنے اُلجھے تھے او اس میں سر مو فرق نہ تھا

میں باغ گئی تو نرگس مجھ سے دم بھر آنکھ لڑا نہ سکی — کوئی بلبل میری نغمہ سنجی کے مقابل آ نہ سکی
سوسن کی زباں تعریف - کو میری تاب ذرا بھی لا نہ سکی — دانتوں سے میرے پیشانی کبھی ہمسری کرن کی جا نہ سکی

دانا بھی میرے حسن ادا کا شیدا تھا دیوانہ تھا
دو گیسو دام تھے جن میں ہر رخسار کا ہر تل دانہ تھا

کیا بال کا باندھا حسن مرا اب چلنے کو تیار ہوا! — کیا جوتی کے جوبن کو میرے سر تن سے انکار ہوا
یا رب یہ کیا بد فال آیا کس دشمن کا دیدار ہوا — جو میرے سر پہ چڑھ کر میری خوبی کا آزار ہوا

ہیہات غضب! کیا مجھ کو کہیگا شوخ نگار نہ اب کوئی!
افسوس ستم! کیا مجھ کو کریگا دل سے پیار نہ اب کوئی!

کچھ سوچ کے دل کو ڈھارس دی - پھر یہ سخن ابھی لب پر لائی — تیر طاق ہوں اب بھی حسن میں "پیر کشا نہیں کیا جھوٹی آئی"
ناحق ہے خیالِ انجام مجھے - ناحق کو طبیعت گھبرائی — اک بال جو بتا بھی تو کیا - موجود ہوا اب بھی عنائی!

خورشید کو دعویٰ حسن کا ہو تو چرخ سے آج اتر آئے
مہتاب کو غرہ ہو تو میرے آگے آئے - ادھر آئے

ناگاہ ندائے غیب آئی - ہاں اے مدہوش ہزار نہ ہو — رفتار زمانہ دیکھ کے چل اسکی شاکی زنہار نہ ہو
گلزارِ جہاں میں کونسا گل ہے جو مرجھا کر خار نہ ہو — تو دل کو اپنے ڈھارس دے - بیکار الم میں خوار نہ ہو

جب زیست گھٹی - اور عمر بڑھی - تو اور بڑائی پائیگی
جو خام خرد کہلاتی تھی وہ پختہ سر کہلائیگی

جو غازہ تیری زینت تھا - اب دے مژدہ اپنی دختر کو — ایسے افشاں سے حسن دے اپنے بہو کے چہرہ انور کو!
اولاد کو اپنی پہنا دے تو اپنے سارے زیور کو — اب دیکھ زینتِ ابرو کو - اب دیکھ تو اپنے گھر بھر کو

بیٹی بہوؤں میں بڑائی کا یہ تجھ کو آج نوید ملا
اے مدہوش کیا غم ہے سر میں گر پہلا بال سفید ملا

مٹّی کا پیالہ اور آئین پروف گلاس

طنز سے ساغرِ بلّور نے اِک دن یہ کہا
کیوں میاں مٹّی کے پیالے! یہ نکھرنا کیسا؟

تم کو جب دیکھتا ہوں نرے نظر آتے ہو
خشک ہیں ہونٹ تو پانی پئے جاتے ہو

پانی اِک نعمتِ موجود ہے کیا پاک و لطیف
اُس سے ہر وقت تراوِش میں رہے تم سا کثیف

توبہ توبہ! یہ ذرا بھی نہیں، بھاتا مجھ کو
انہیں باتوں پہ بہت غصّہ ہے آتا مجھ کو

جنسِ اعلیٰ ہوں میں شربت کا سزاوار ہوں میں
مرا حصّہ ہے کہ آئینۂ رخسار ہوں میں

پانی مجھ میں جو پئیں لوگ تو چھلکے اچھا
رنگ لاتی ہے مئے ناب اُچھلکے اچھا

مجھ میں جو شے ہو اُسے دیتا ہوں نئی آب
جس کا میں ظرف ہوں کیا کہنے ہیں کیا اس کا جواب

صاف باطن ہوں کدورت سے میں گھبراتا ہوں
اِک ذرا سی بھی ہو کالک تو دکھا جاتا ہوں

پھول سا ہلکا ہوں صد باعثِ نازش ہوں میں
خاک تو وہ ہو تو ۔ پرکالۂ آتش ہوں میں

تم بہ این شکل و شمائل جو مری ریس کرو
یہ حماقت نہیں تو کیا ہے ذرا بولو تو

بھاڑ سا منہہ ہے۔ یہ بد روپ قطع بے ہنگم
بوجھ بھی خیر سے ادھسیرے کا ہی کم سے کم

نازنینوں کو کبھی آپ پہ رغبت بھی نہ آئے
ہاتھ دُکھ جائیں جو دو چار دفعہ ہاتھ لگائے

گرد جو بیٹھ گئی منہہ پہ اُٹھائے نہ اُٹھے
مَیل جو جم گیا چہرے پہ چھٹائے نہ چھٹے

ساتھ والوں کو بھی اپنا سا کئے جاتے ہو
جس جگہ رکھے ہو اُس چیز کو شرماتے ہو

تم سے بہتر ہے جو ہو کاسۂ چوبیں کی ہوس
اور پھر خیر سے رکھو لبِ لعلیں کی ہوس

کنٹری میڈ تمہیں کہتی ہے دنیا ساری
ڈھیلے سے بڑھ کے لگائے نہ کوئی بیوپاری

بھیک کا ٹھیکرہ ہے آپ کا مشہور لقب
ولد الجاریۃ انجب۔ انجب۔ انجب

اسی برتے پہ ہے ہم چشمی کا دعویٰ مجھ سے
جاؤ اب ڈوب مرو منہہ نہ دکھانا پھر کے

ہنسکے پیالے نے کہا واہ یہ خوش خوب کہا | بھائی صاحب مری جانب سے عبث ہو خفا
گالیاں دینی شریفوں میں ہیں معیوب بہت | خود بخود چھیڑ کا اچھا ہی یہ اسلوب بہت
آپ جلتے ہیں جلا کیجئے جوتی سے مری | کہ نتیجہ ہے سدا رشک و حسد کا یہ ہی
آپ کی طرح سے ایسا بھی تو نازک نہ بنے | کہ ذرا ٹھیس لگی اور ہوئے دو ٹکڑے
یہ تنک ظرفیاں کیا خوب ہیں اے نیک اساس | کریں لبریز تو مشکل سے بجھو ایک ہی پیاس
ٹوٹ جاؤ تو چبھو ہاتھوں میں بھی پاؤں میں بھی | ساتھ آرام کے تکلیف بھی مضمر رکھی
آپ جن خوبیوں پر مشفق من سمجھے ہیں | عقلمند انکو نمائش ہی کہا کرتے ہیں
خرچ ہی خرچ ہے مالک کا خریداری سے | چار دن بھی تو نہیں ٹکتے ہو دشواری سے
برف جب تک ہو پانی کا مزا کچھ بھی نہیں | ظاہری شان ہو تم اس کے سوا کچھ بھی نہیں
تم کو ہے غیر ولایت سے بنا کر بھیجا | میں اسی ہند کی ہوں خاک جناب والا
جنکو ہے حب وطن انکے تو دل سے پوچھو | ذرہ ذرہ ہے مرا مہر منور ان کو
سوندھی سوندھی مری خوشبو ہے تو ٹھنڈا پانی | اسی مٹی سے ہوا کرتا ہے میٹھا پانی
سانولا پن مجھے مرغوب ہے ہندی ہوں جناب | آپ گورے ہیں تو گوروں ہی کو پلوائیں شراب

آغا شاعر قزلباش دہلوی

نظم قومی

(جو انجمن حمایت اسلام لاہور کے گذشتہ اجلاس میں پڑھی گئی)

مقام عبرت ہے دور گردوں - ذرا بصیرت کی آنکھ وا کر | فلک کے پردوں میں ساز کیا ہے - کبھی تو یہ راگنی سنا کر
ہے کیسا یہ انقلاب جاری - زماں میں سارے مکاں میں ساری | نہ اس سے خاکی بچا نہ ناری - فلک پہ پہنچا زمیں پہ جا کر

کہیں بلندی کہیں ہے پستی۔ یہی ہے رمزِ صفائے ہستی
اسے ابھارا کبھی دبا کر۔ اسے جگایا اسے سلا کر

چمن میں پیدا ہیں گلستاں ہیں۔ ملخ میں پیدا ہیں انس و جاں ہیں
قوی تو اور ناتواں ہیں۔ رہا تنازعہ جہاں میں اکثر

ہے مصر کا گاہ دور دوراں ہے گاہ یونان کا فر و فال
کبھی ہے ایراں کبھی ہے توراں۔ گئی ہیں سب نوبتیں بجا کر

کل ایشیا کی تھی کامرانی۔ ہے آج یورپ کی لن ترانی
غرض یوں ہی دورِ آسمانی رکا ہے تا ہی بنا بنا کر

خدا کی عادت رہی سدا لَا یُغَیِّرُ اللّٰہُ مَا بِقَوم
مگر بدلتی رہی ہیں قومیں عمل کی پاداش اپنی پا کر

یہ بحرِ امواج کے تھپیڑے۔ ڈبوتے ہیں غافلوں کے بیڑے
ہیں پہنچے ساحل پہ اہلِ ہمت طلاطمے چیر کر چلا کر

کیے جوانوں نے دشت رنگیں لیے بلوں نے سنگ حصار میں
لہو کے دریا بہا بہا کر۔ سروں کی بھینٹیں چڑھا چڑھا کر

جو قوم کو لو لگا رہے ہیں۔ وہ نقدِ جاں تک لٹا رہے ہیں
وہ کاخِ ملت بنا رہے ہیں۔ بنائیں اپنے گھروں کی ڈھا کر

ہیں جنکے سینوں میں دل دھڑکتے وہ شمع کی طرح ہیں جھمکتے
ہیں مثلِ پروانہ سر پٹکتے وہ عشق میں بال و پر جلا کر

ہیں ابر و گرنے پڑنے جاتے۔ رہِ ترقی میں بڑھتے جاتے
ہیں بامِ دولت پہ چڑھتے جاتے۔ کمندِ ہمت رسا لگا کر

الٰہی خیر اپنے قافلے کی نہیں ہے جسکو فکر مرحلے کی
یہ مست خواب اب بھی سو رہے ہیں تھکے ہیں سب انکو جگا جگا کر

کچھ ایسی قسمت ہے انکی پھوٹی کہ اوجِ عزت کی آس ٹوٹی
ابھی تو شاخِ مراد سے یہ۔ گرے ہیں جھولے جھلا جھلا کر

یہ دولت و ملک و کامرانی۔ تو سب ہے اب قصۂ کہانی
مگر یہ سیلاب کی روانی۔ تو لیگی دین و دل بہا کر

دلوں میں اپنے نہاں ہیں کینے بھرے ہیں بغض و حسد سے سینے
یہ رہ گئے قوم کے دفینے وہ گنجِ الفت لٹا لٹا کر

ہیں رہنما انکے زور پر سو ہیں پیشوا انکے شور پر سو
بنا ہے کیا کیا طلسمِ کثرت۔ وہ زنگِ وحدت مٹا مٹا کر

رہو گے اس ارد گردِ دوراں میں۔ ہمہ تن مستِ خواب کب تک
بہے گی امواجِ جاں نستاں میں۔ یہ آن بان اے حباب کب تک

خدا کی رحمت ہو اہلِ دل پر۔ جو قوم کا غم ہیں کھانے والے
مجالس اسکی سجانے والے۔ سفر کی زحمت اٹھانے والے

ہیں صدرِ بزم اپنے فخرِ ملت وہ دل کو تسکیں ملانے والے
چہار یار اور پنج تن کی۔ کدورتوں کو مٹانے والے

سدا رہا انکا فیض جاری ہے شاکرِ لطف قوم ساری
الٰہی انکو بنائے رکھیو ہماری بگڑی بنانے والے

وہ افضل الفاضلین دہلی۔ وہ اکمل الکاملین دہلی
کلامِ حق کی دکھا کے مشعل دلوں کی ظلمت گنوانے والے